

ذوالقرنین، یاجوج ماجوج

اور

جائے وقوع، دیوارِ ذوالقرنین

مترجم  
حکیم ظل الرحمن







ذوالقرنین، یا جوج ماجوج

اور

جائے وقوع، دیوارِ ذوالقرنین

مرتب

حکیم ظل الرحمن

ایجویشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی



© جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ!

**ZULQARNAIN, YAJOOJ MAJOOJ  
AUR  
JAY WAQO, DEWAR-E-ZULQARNAIN**

*Edited by*  
**Hakeem Zill-ur-Rahman**

ISBN 978-81-8223-561-8  
Year of Edition 2009  
Price Rs. 280/-

۳۹۷۶۱۴  
۵۵  
۳۵۷۳

ذوالقرنین، یاجوج ماجوج اور جائے وقوع، دیوار ذوالقرنین	:	نام کتاب
حکیم ظل الرحمن	:	مرتب
۲۰۰۹ء	:	سن اشاعت
۲۸۰ روپے	:	قیمت
عقیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی	:	مطبع

*Published by*

**EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE**

3108, Gali Vakil, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)

Ph: 23216162, 23214465 Fax: 0091-11-23211540

E-mail: info@ephbooks.com, ephdelhi@yahoo.com

Website: www.ephbooks.com



## انتساب

ان مبارک ہستیوں کے نام جنہوں نے قرآن کریم کی عادلانہ تحقیق کے لیے اپنی زندگیاں وقف کی ہوئی ہیں  
اور

اس جذبہ بے اختیار کے نام جو نامساعد حالات میں بھی تحریر کا محرک ہوا  
اور

ان نقادان فن کے حسن نظر کے نام جنہوں نے مجھے اپنی لغزشوں کی اصلاح کے مواقع فراہم کیے  
اور

اپنے ان اساتذہ کرام کے نام جن کی محنت۔ دعاؤں اور نوازشوں کی بدولت میں آج کسی لائق بن سکا ہوں  
اور

ان رفیقان راہ کی حوصلہ افزائی کے نام جو میری دماغی کاوش کا واحد صلہ ہے

عقل و خرد کی ہرزہ سرائیوں کے باوجود میرا جہان اسی بارگاہ میں سجدہ ریز ہے جو عزم اور حوصلہ دینے  
کے باوجود نتائج اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ اسی سے تکمیل کار کی تمام امیدیں وابستہ ہیں۔

## اظہارِ حقیقت

ہم اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے اس کام کے قطعاً اہل نہیں تھے۔ اس معبود حقیقی کا کرم اور احسان  
ہے کہ جس کا ہم کما حقہ شکر بھی ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں کہ اس نے مجھے اس کام کی توفیق دی اور ہمارے  
ذریعہ تکمیل تک پہنچوایا۔

خدا کرے کہ ہماری یہ کاوش بارگاہ ایزدی میں قابل قبول شمار کر لی جائے اور روزِ محشر یہ ہماری  
مغفرت کا سامان بن سکے۔

اے خدا قربان احسانت شوم  
واہ چہ احسانت قرمانت شوم

طالب دعا  
ظل الرحمن







## ترتیب نظام

8	کلمات زرین	-1
10	عرض مرتب	-2
14	آیات قرآنی سورہ کہف وانبیا	-3
15	ترجمہ مولانا محمود حسن صاحب	-4
16	تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب	-5
18	تفسیر مولانا اشرف علی صاحب تھانوی	-6
24	تفسیر معارف القرآن مفتی شفیع صاحب	-7
45	تفسیر مولانا عبد الماجد دریا بادی صاحب	-8
52	تفسیر تلخیص تفہیم القرآن مولانا مودودی صاحب	-9
56	تفسیر موضح القرآن شاہ رفیع الدین صاحب	-10
58	تفصیلات عہد نامہ قدیم (تورات) کتاب حزقی ایل باب ۳۸	-11
59	تفصیلات عہد نامہ جدید (انجیل مقدس) یوحنا عارف کامرکاشفہ	-12
60	تفسیروں میں اسرائیلی روایات	-13
70	تفصیل رسالہ راہ اسلام ایرانی کلچرل ہاؤس دہلی	-14
79	تفصیلات کتاب یا جوج ماجوج مولانا ظفر اقبال صاحب لاہوری	-15
143	تفصیلات ترجمان القرآن مولانا ابوالکلام آزاد صاحب	-17
198	تفصیلات قصص القرآن مولانا حفظ الرحمن صاحب	-18
281	تجزیات مرتب	-19
294	قرب قیامت پر ایک نوٹ	-20
296	شجرہ یا جوج ماجوج	-21
298	اعتزاز	-22
299	ترجمہ مضمون انٹرنیٹ	-23
313	تصاویر	-24
321	اصل مضمون انٹرنیٹ	-25





## کلمات زرّیں

جناب مفتی جمیل احمد صاحب قاسمی

مہتمم جامعہ رحمانیہ ہالوڑ

جناب حکیم ظل الرحمن صاحب کی کتاب ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کا مسودہ دیکھنے کا موقع ملا۔ مفسرین کرام کی اس ضمن کی تفصیلات کو بھی یہ نظر غائر دیکھا ہے۔

ہمارے محترم حکیم ظل الرحمن صاحب تحقیق و تعمیق کا مزاج رکھتے ہیں۔ علوم قرآنیہ پر ان کی خاص نظر ہے۔ معتبر تفاسیر ان کے زیر مطالعہ ہیں۔ وہ پوری گہرائی گیرائی کے ساتھ الفاظ قرآنی کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ان سے متعلقہ تعبیرات و تفسیرات کو اہل علم کے سامنے پیش کرتے ہیں اور سند اعتبار حاصل کرنے کے بعد وہ افادہ عام کے پیش نظر ان تحقیقی مضامین کو شائع فرماتے ہیں۔ ماضی قریب و بعید میں ان کی متعدد تالیفات منظر عام پر آئیں۔ احکام قرآن سے متعلق تفسیری حکمتیں اور زمان و مکان سے متعلق تاریخی و جغرافیائی تحقیقات خواص و عوام کے حلقوں میں مقبول ہوئیں۔ حکیم صاحب نادر تحقیقی اسلوب میں کلام اللہ کے حقائق سے خلق خدا کو آشنا کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں اور پوری عرق ریزی کے بعد صحیح حقیقتوں کا پتہ لگاتے ہیں۔ کہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عام مفسرین ان موضوعات کو باریک بینی سے زیر کاوش نہیں لائے ہیں۔ یا صرف نظر کر کے آگے بڑھ گئے ہیں۔ یا قدیم مفسرین کی تحقیقات کو اپنے اسلوب میں پیش کرنے پر اکتفاء کیا۔ حکیم ظل الرحمن صاحب مفسرین کرام کا پورا احترام کرتے ہوئے ان کو بنظر غائر دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور تاریخی حقیقتوں کا پتہ لگا کر علمائے کرام کی تائید حاصل کر کے نذر طالبین فرماتے ہیں۔

مجھے اجازت دیجئے یہ کہنے کہ ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کی تحقیق پر جب کوئی شخص تحقیقی نقطہ نگاہ سے تفسیری تفصیلات پر نظر ڈالتا ہے تو وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں جب اس کی نگاہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ترجمان القرآن کے مقدمہ کے درج ذیل حصہ پر پڑتی ہے تو وہ مفسرین کرام کے انداز سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد

”چوتھی صدی ہجری کے بعد علوم اسلامیہ کی تاریخ کا مجتہدانہ دور ختم ہو گیا۔ شواذ انوار کے علاوہ عام شاہراہ تقلید کی شاہراہ ہو گئی۔ ہر شخص جو تفسیر لکھنے کے لیے قدم اٹھاتا تھا کسی پیش رو کو اپنے سامنے رکھتا تھا اور پھر آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے چلتا تھا۔ نتیجتاً اگر کسی سے تیسری صدی میں کوئی غلطی ہو گئی تو ضروری ہے کہ نویں صدی کی تفسیروں تک وہ چلتی رہے۔ رفتہ رفتہ تفسیر نویسی کی ہمتیں اس قدر پست ہو گئیں کہ کسی متداول تفسیر پر حاشیہ چڑھانے سے آگے نہیں بڑھ سکیں۔ اشکال و موانع کا بڑا دروازہ تفسیر بالرائے سے کھل گیا جس کے اندیشے سے صحابہ و سلف کی روئیں لرزتی تھیں۔

اس کے بعد طبری کی یہ تحریر بھی ملاحظہ فرمائیں۔

”میں نے اس کتاب میں جو کچھ ذکر کیا ہے اس میں میرا اعتماد اپنی اطلاعات اور راویوں کے



بیانات پر رہا ہے نہ کہ عقل و فکر کے نتائج پر کسی قاری کو اگر مہری جمع کردہ خبروں اور روایتوں میں کوئی چیز بائیں وجہ ناقابل فہم اور ناقابل قبول نظر آئے کہ نہ کوئی اس کی تک پہنچتی ہے اور نہ کوئی معنی بنتے ہیں تو اسے جاننا چاہئے کہ ہم نے یہ سب اپنی طرف سے نہیں لکھا ہے بلکہ اگلوں سے جو بات ہمیں جس طرح پہنچی ہے ہم نے اسی طرح نقل کر دی ہے۔ (بحوالہ واقعات کربلا مولانا عتیق سنبھلی۔ طبری جلد اول ۵)

موجودہ کتاب میں ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج پر جس انداز سے تحقیقی محنت سے کام کیا گیا ہے وہ انتہائی لائق تحسین ہی نہیں بلکہ دوسرے حضرات کے لئے دعوتِ عمل بھی ہے کہ وہ اس موضوع کے مزید خاموش پہلوؤں پر تحقیقی کاوشوں کو رو بہ عمل لائیں۔

جن حضرات نے مقام دیوار ذوالقرنین کے تعین سے پہلو تہی کی ہے وہ دینی نقطہ نظر سے درست نہیں ہے۔ حضرت قتادہ کی حدیث کہ کسی نے یہ دیوار دیکھی ہے اور وہ ایسی ہے ایسی ہے اور رسول اللہ صلعم کی اس مشاہدہ کی تصدیق کے بعد ہمارا فرض بن جاتا ہے کہ ہم اس دیوار کو تلاش کر کے دنیا کے سامنے اس کا مشاہدہ کرائیں یہی رائے مولانا حفظ الرحمن صاحب کی ہے۔

جائے مسرت سے کہ جناب مولانا آزاد اور جناب مولانا حفظ الرحمن صاحبان نے ملت کے اوپر سے یہ قرض اتارنے کی کوشش کی ہے اور بڑی حد تک دیوار کے وجود اور مقام کا تعین کر دیا ہے۔

حکیم ظل الرحمن صاحب نے جس محنت سے ان مضامین کو مرتب کیا ہے وہ لائق تحسین ہے۔ اپنے تجزیاتی مضمون میں انہوں نے خود بھی فرمادیا ہے کہ کوئی ضروری نہیں کہ اس کتاب میں بحیثیت مرتب ان کی رائے صد فی صد درست ہی ہو۔ انہوں نے تو دوسرے حضرات کے لیے اس موضوع پر اجتہاد کا دروازہ کھولا ہے۔ احادیث پر تنقید۔ اکابرین کی آرا سے اختلاف چونکہ نیک نیتی سے تحقیقی مقاصد کی تلاش کی خاطر ہے اس لیے اس کا برا نہیں مانا جانا چاہئے تحقیق کے لئے شخصیت کے قد کو نظر انداز کرنا بعض اوقات تحقیق کی ضرورت ہوتا جاتا ہے اس کا مطلب قطعاً کسی کا عدم احترام نہیں ہوتا ہے۔

انٹرنیٹ کے ذریعہ حاصل کی گئی تفصیلات نے بہت سی صداقتوں کو تشنگی سے ازبام کر دیا ہے اور اب بہت سی ضعیف اور موضوع روایتیں خود بخود رد ہو جاتی ہیں اور موجود صد اقتوں کو تسلیم کر لینا ہی صحیح قدم معلوم ہوتا ہے۔

بلاشبہ تقلید سے انحراف بہت احتیاط سے ہونا چاہئے لیکن آج کے حالات میں یہ ایک امر ضروری ہے کہ اس پر درایت کی پیمائش اور میزان بھی ضروری ہے پھر بھی اس کا امکان رہتا ہے کہ تحقیق کے بعد جو رائے قائم ہوئی ہے وہ مزید قابل تحقیق ہو اور لوگوں کو مناسب انداز سے قرآن و حدیث اور تاریخی واقعات کی بنیاد پر اس سے اختلاف کرنے کا حق باقی رہتا ہے جس کی اجازت خود حکیم صاحب نے اپنے عرض مرتب میں دی ہے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ باری تعالیٰ حکیم ظل الرحمن صاحب کی اس محنت کو قبول فرمائیں اور انہیں جزاء خیر سے نوازیں۔

طالب دعا  
جمیل احمد قاسمی



## عرض مرتب

مشاہداتی زندگی کا ایک المیہ یہ ہے کہ جب کوئی قرآن فہمی کے صحیح جذبے سے مختلف اردو تفاسیر کا مطالعہ کرتا ہے اور اس میں مذکور واقعات کو تاریخ میں تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے تو تفاسیر اردو سے اسے بہت مایوسی ہوتی ہے اسباب پر نظر ڈالی جائے تو ہمارے علماء کی اکثریت میں ذوق مطالعہ کا فقدان اور متعلقہ علوم تاریخ و جغرافیہ سے عدم واقفیت ہے۔

ایسا ہی ایک واقعہ قرآن کریم میں ذوالقرنین کا واقعہ ہے جس کے بارے میں اکثر مفسرین نے پہلو تہی سے کام لیا ہے حالانکہ قرآنی ہدایت لعلکم تعقلوں تفکروں رتد بروں کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم ان چیزوں کے بارے میں تحقیق کے ابواب کو ہمیشہ کھلا رکھیں۔

ذوالقرنین کا واقعہ ایسا واقعہ ہے جس کا ذکر تورات۔ انجیل اور قرآن کریم میں مذکور ہے لہذا ہم پر فرض ہو جاتا ہے کہ ہم اس کے ایک ایک گوشے کی تحقیق کریں۔ لیکن مفسرین کے یہاں یا تو مایوسی ہے یا پھر بے سند اسرائیلی روایات کی بھرمار اور ذاتی بے سند اپنے قیاسات ہیں لیکن جائے مسرت ہے کہ اس موضوع پر مولانا ابوالکلام آزاد نے بہت بڑی حد تک یہ فرض انجام دیا ہے اور مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاری نے تو قصص القرآن میں اس کی تحقیق کا مکمل حق ادا کر دیا ہے۔

میرا اس کتاب کا محرک دراصل مولانا ظفر اقبال صاحب استاد جامعہ اشرفیہ لاہور کی کتاب ”فتنہ یا جوج و ماجوج“ جس کے ناشر اریب پبلیکیشنز پٹودی ہاؤس دریا گنج ہیں ہے۔ دراصل مولانا نے اس کتاب میں بہت مواد جمع کرنے کی کوشش فرمائی ہے مگر اس جمع کرنے میں وہ ترتیب نہ پیدا ہو سکی ہے جو کسی جواب دعویٰ مقدمہ میں ہوا کرتی ہے جس میں معاملہ کی تفصیل زینہ بہ زینہ لکھ کر کسی کو مطمئن کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مجبوراً مجھے سوچنا پڑا کہ اس تشنگی کو دور کرنے کے لیے قلم اٹھانا ہی چاہے جس کی پہلی ضرورت تفاسیر کی تفصیلات ہیں۔

بدیں وجہ میں نے درج ذیل تفاسیر کے تراجم اور تشریحات کی تفصیلات دیکر کام کا آغاز کیا

ہے۔

۱۔ ترجمہ مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند و تفسیر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

۲۔ ترجمہ و تفسیر بیان القرآن مولانا اشرف علی صاحب تھانوی



۳- تفسیر معارف القرآن مفتی شفیع صاحب پاکستان

۴- تفسیر مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی

۵- تفسیر تلخیص تفہیم القرآن مولانا مودودی صاحب

۶- ترجمہ و تفسیر موضح القرآن شاہ رفیع الدین صاحب

۷- تفسیر ترجمان القرآن مولانا ابوالکلام آزاد صاحب

ان سب کے ساتھ درج ذیل مضامین بھی جو ذوالقرنین سے متعلق ہیں شامل کتاب ہیں۔

۱- تفسیروں میں اسرائیلی روایات از مولانا نظام الدین صاب اسیر ادروی استاد جامعہ اسلامیہ

بنارس

۲- تفصیلات رسالہ راہ اسلام شائع کردہ ایرانی کلچرل ہاؤس دہلی بابتہ ذوالقرنین

۳- کتاب یاجوج ماجوج کے اقتباسات

۴- تفصیلات عہد نامہ قدیم (توریت)

۵- تفصیلات عہد نامہ جدید انجیل (یوحنا کا مکاشفہ)

۶- تفصیلات قصص القرآن مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی صاحب

ان تمام کے بعد میرا تجزیاتی مضمون ہے مجھے امید ہے کہ ان عام تفصیلات کے بعد قارئین نہ صرف مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حفظ الرحمن صاحب کو خراج تحسین ادا کریں گے بلکہ خود بھی موضوع پر اگر کوئی مزید تحقیق کرنا ہوگی تو اس کی جستجو فرمائیں گے میں نے اس ضمن میں مختلف دینی اداروں اور بعض علما کو خط لکھا ہے ہے خدا کرے کہ میری یہ درخواست ان کے لیے قابل قبول ہو جائے۔

نوٹ: آپ مولف اور مرتب کا فرق ضرور نوٹ فرمائیں مولف سے مراد مولانا ظفر اقبال صاحب ہیں اور مرتب سے مراد یہ خاکسار ہے۔ مولانا ظفر اقبال صاحب کی کتاب کے اقتباسات پر کہیں کہیں میں نے اپنے مختصر نوٹ دئے ہیں۔ احادیث کے سلسلے مولف کتاب ذوالقرنین و ماجوج یا جوج پر مرتب کی حیثیت سے اس خاکسار نے جو اعتراضات مبینہ احادیث پر کئے ہیں وہ میری ذاتی آرا ہیں اور قابل تردید ہیں میرا یہ دعویٰ ہرگز نہیں ہے کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ صد فی صد درست ہے میں نے اس کو جس طرح محسوس کیا ہے لکھ دیا ہے۔ لوگ جو مناسب سمجھیں میرے بارے میں کوئی بھی رائے قائم کر سکتے ہیں مجھے ناگوار نہیں ہوگا۔ میں نے تو صرف جدوجہد اجتہاد و تحقیق کے دروازے سے کاتالہ کھولا ہے اب یہ کام دوسرے حضرات کا ہے کہ اس موضوع پر مزید تحقیق فرمائیں۔ جہاں تک میری



کوشش رہی ہے میں نے مختلف تفصیلات کے ذریعہ درج ذیل سوالات کی تحقیق کی کوشش کی ہے اور جوابات بھی دئے ہیں تاہم یہ موضوعات مزید تشنہ تحقیق میں میری درخواست ہے کہ لوگ تحقیق کے اس باب کو مزید کھولیں۔

۱۔ ذوالقرنین کون تھا کیا وہ ایران کا بادشاہ کے خسر تھا۔  
۲۔ مولانا انور شاہ کشمیری کی رائے بابتہ یاجوج ماجوج کہ وہ روسی اور برطانوی ہیں اور یاجوج ماجوج کا خروج کئی مرتبہ ہوگا کس حد تک درست ہے۔ یا یہ صرف قرب قیامت ہی میں نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوگا۔

۳۔ یاجوج ماجوج سنتھین اقوام ہی کے جنگلی اور غیر مہذب قبائل ہیں کیا مولانا آزاد اور مولانا حفظ الرحمن نیز بعض دوسرے حضرات کی یہ رائے باوزن محسوس ہوتی ہے۔

۴۔ فحمت یاجوج ماجوج کا مفہوم فتنہ تاتار سے نہیں لیا جاسکتا اور نہ ہی گذستہ صلیبی جنگوں اور ماضی کی دو عظیم جنگوں سے لیا جاسکتا ہے لیکن کیا رسول اکرم ﷺ کی پیشین گوئی بابتہ آخری جنگ کہ جس میں امام مہدی علیہ السلام مسلمانوں کے سپہ سالار ہونگے اور ستر ممالک دشمنان اسلام مقابل ہونگے۔ آج کا یہودیوں کی وسیع سلطنت کے قیام کا موجودہ منصوبہ اور حدیث انہدام کعبہ سے یہ قیاس ممکن ہے کہ عراق کی موجودہ جنگ بہت طویل عرصہ تک جاری رہے اور اسی وقفہ میں ظہور امام مہدی بھی ہو جائے کو فحمت کے مفہوم میں لیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ صرف میرا ایک قیاس ہے کوئی دلیل اس پر حدیث کی نہیں ہے۔

۵۔ یہ بھی ایک قابل غور مسئلہ ہے کہ کیا ایسی کسی جنگ کے نتیجے میں دنیائی آبادی صرف ارض مقدس تک ہی محدود رہ سکتی ہے اور دابتہ الارض کا کام آسان ہو جائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور پر جانے والی بات بھی درست ہو جائے۔ ایٹمی ہتھیاروں کی تباہی کے اعتبار سے اس کا امکان ہے۔ یہ خیال کس حد تک درست ہے کیونکہ قرب قیامت کی تمام پیشین گوئیاں ارض مقدس تک ہی محدود ہیں۔ جن میں ایرانی علاقہ شامل نہیں ہے۔

۶۔ یاجوج ماجوج کا جو تعارف اقوام سنتھین کے طور پر دیا گیا ہے وہ بہت حد تک درست محسوس ہوتا ہے۔

۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق میں نزول کوہ طور پر تشریف لے جانے اور قتل دجال کے بعد مدینہ کی تشریف آوری اور انتقال اور تدفین روضہ اقدس کا باب ابھی تشنہ تحقیق ہے مجھے یہ تفصیلات کسی



جگہ سے حاصل نہیں ہو سکی ہیں دوسرے حضرات توجہ فرمائیں ممنون ہوں گا۔

قرآن کریم کی آیات میں جگہ جگہ لعلکم تعقلوں اور تدبروں کی ہدایت کی گئی ہے یہ میدان اس قدر وسیع ہے کہ اس کو ماضی کے بزرگوں کے اقوال اور حالات کے علم سے ہی تحقیق کیا جاسکتا ہے اس کی ایک مثال میں آپ کو پیش کر رہا ہوں۔

قاہرہ کے ایک سرکاری ہسپتال میں بہ یک وقت دو عورتوں کے یہاں ولادت ہوئی ایک کے یہاں لڑکا اور ایک کے یہاں لڑکی غلطی سے نرس دونوں کی کلانی پر ماں کے نام کی چٹ لگانا بھول گئی اور دونوں عورتوں نے اپنی اولاد کو زینہ بتا کر حصول کا دعویٰ کیا۔ وہاں ایک دیندار مسلمان ڈاکٹر بھی تھے۔ صدر ڈاکٹر نے اس سے معلوم کیا کہ کیا بھائی تمہارے قرآن میں اس مسئلہ کا کوئی حل ہے انہوں نے ایک دن کی مہلت لی اور قاہرہ یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے پروفیسر سے رجوع کیا۔ ان کا جواب غور فرما ہیں۔

بھائی ویسے تو اس کی کوئی تفصیل قرآن میں نہیں ہے البتہ وراثت کے معاملے میں لڑکے کا حصہ دو گنا ہوتا ہے اب دیکھ لو جس ماں کی چھاتی میں دودھ زائد ہو وہ لڑکے کی ماں ہے۔ تحقیق کے بعد ایک ماں کی چھاتی میں دوسری سے دو گنا دودھ نکلا اور وہی لڑکے کی ماں قرار پائی۔ ایسے واقعات معجزاتی شمار ہوتے ہیں لیکن قرآنی آیات اور احادیث کی تاثیر اپنی جگہ مسلمہ امور ہیں۔ مثلاً ولادت کا وقت اگر پورا ہو گیا ہو اور دروزہ ہو رہے ہوں تو موطا امام مالک کے ہاتھ میں دیتے ہی ولادت ہو جاتی ہے یا اذ السماء انشقت تا و تخلت پڑھنے اور دم کرنے سے یا اس کو کاغذ پر لکھ کر عورت کی ران پر رکھنے سے ولادت ہو جاتی ہے۔ قرآن ایسی سب باتوں کی تحقیق کے لیے تعقلوں اور تدبروں کی دعوت دیتا ہے لیکن یہ بھی خیال رہے کہ اس میدان میں لن ترانیوں اور تفسیر بالرأے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے بہت احتیاط کی ضرورت ہے لہذا کسی روحانی شخصیت کے زیر سایہ رہ کر ہی یہ کام کیا جاسکتا ہے۔

نیاز مند

حکیم ظل الرحمن

بی۔ ۲۹، جوہری فارم جامعہ نگر

نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

Ph.:65357010, 9891084798



وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْقُرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا  
إِنَّمَا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَاتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا فَاتَّبِعْ

سَبِيلَهُ ۝ ٩٢ ۝ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ

وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ۝ ٩٣ ۝ قَالُوا يَا

الْقُرْنَيْنِ إِنَّا يَا جُوجَ وَمَا جُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ

نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ ٩٤ ۝ قَالَ مَا

مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

رَدْمًا ۝ ٩٥ ۝ اتُّونِي زُبْرَ الْحَدِيدِ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ

انفخوا حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ اتُّونِي أَفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝ ٩٦ ۝

فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ۝ ٩٧ ۝ قَالَ

هَذَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ وَكَانَ

وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ۝ ٩٨ ۝

حَرَمٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ ٩٩ ۝ حَتَّىٰ إِذَا

فَتَحَتْ يَا جُوجَ وَمَا جُوجَ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ۝ ١٠٠ ۝

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ



## ترجمہ مولانا محمود حسن صاحب

تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو۔ کہ اب پڑھتا ہوں تمہارے آگے۔ اس کا کچھ احوال۔ ہم نے اسکو جمایا تھا ملک میں اور دیا تھا ہم نے اس کو ہر چیز کا سامان (۳) پھر پیچھے پڑا ایک سامان کے (۴) یہاں تک کہ جب پہنچا سورج ڈوبنے کی جگہ پایا کہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی ندی میں (۵) اور پایا اس کے پاس لوگوں کو۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین یا تو تو لوگوں کو تکلیف دے یا رکھ ان میں خوبی (۶) بولا جو کوئی ہوگا بے انصاف سو ہم اس کو سزا دیں گے پھر لوٹ جائیگا اپنے رب کے پاس وہ عذاب دیگا اس کو برا عذاب اور جو کوئی یقین لایا اور کیا اس نے بھلا کام تو اس کا بدلہ بھلائی ہے اور ہم حکم دیں گے اس کو اپنے کام میں آسانی (۷) پھر لگا ایک سامان کے پیچھے (۸) یہاں تک کہ جب پہنچا سورج نکلنے کی جگہ پایا اس کو کہ نکلتا ہے ایک قوم پر کہ نہیں بنا دیا ہم نے ان کے لئے آفتاب سے ورے کوئی حجاب (۹) یوں ہی ہمارے قابو میں آچکی ہے اس کے پاس کی خبر (۱۰) پھر لگا ایک سامان کے پیچھے (۱۱) یہاں تک کہ جب پہنچا دو پہاڑوں کے بیچ پائے ان سے ورے ایسے لوگ جو لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات (۱۲) بولے اے ذوالقرنین یہ یا جوج و ماجوج دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں سو تو کہے تو ہم مقرر کر دیں تیسرے واسطے کچھ محصول اس شرط پر کہ بنا دے تو ہم میں اور ان میں ایک آڑ (۱۳) بولا جو مقدور دیا ہے مجھ کو میرے رب نے وہ بہتر ہے سو مدد کرو میری محنت میں بنا دوں تمہارے اور ان کے بیچ میں ایک دیوار موٹی (۱۴) لا دو مجھ کو تختے لوہے کے یہاں تک کہ جب برابر کر دیا دونوں پہاڑوں تک پہاڑ کی کہا دھونکو یہاں تک کہ جب کر دیا اس کو آگ کہا لاو میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا ہوا تانبہ (۱۵)

نوٹ مرتب: سورہ سبأ۔ پارہ ۲۲۔ رکوع ۸۔ آیت ۱۲ میں سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ذکر ہے ”اور بنا دیا ہم نے اس کے واسطے چشمہ پگھلے ہوئے تانبہ کا۔ لہذا پگھلے ہوئے تانبہ پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ پھر نہ چڑھ سکیں اس پر اور نہ کر سکیں اس میں سوراخ (۱۶) بولا یہ مہربانی ہے میرے رب کی پھر جب آئے وعدہ میرے رب کا گرا دے اس کو ڈھا کر اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا (۱۷)۔

اور چھوڑ دیں گے ہم خلق کو اس دن ایک دوسرے میں گھستے اور پھونک ماریں گے۔ صور میں بھر جمع کر لائیں گے ہم ان سب کو اور دکھلا دیں گے ہم دوزخ اس دن کافروں کو (۱۸)

سورۃ انبیاء۔ پارہ ۱۷۔ رکوع ۷۔ آیت ۹۵-۹۶

اور مقرر ہو چکا ہے ہر بستی پر کہ جس کو ہم نے غارت کر دیا کہ وہ پھر کر نہیں آئیں گے یہاں تک کہ جب کھول دے جائیں یا جوج ماجوج اور وہ ہر اوچان سے پھلتے چلے آئیں۔



## حاشیہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب بابتہ ذوالقرنین

### برترجمہ مولانا محمود حسن صاحب

(۳) اس بادشاہ کو ذوالقرنین اس لئے کہتے ہیں کہ دنیا کے دونوں کناروں (مشرق و مغرب) پر پھر گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لقب اسکندر رومی کا ہے اور بعض کے نزدیک کوئی مقبول خدا پرست دیندار بادشاہ تھا جو اس سے پہلے گذرا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں متعدد وجوہ و دلائل سے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ مجموعہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا اور ان کی دعا کی برکت سے حق تعالیٰ نے خارق عادت سامان و وسائل عطا فرمائے تھے جن کے ذریعہ سے اس کو مشرق و مغرب کے سفر اور محیر العقول فتوحات پر قدرت حاصل ہوئی۔ حضرت خضر اس کے وزیر تھے شاید اسی لیے قرآن نے حضرت خضر کے قصہ کے ساتھ اس کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ قدیم شعراء عرب نے اپنے اشعار میں ذوالقرنین کا نام بڑی عظمت سے لیا ہے اور اس کے عرب ہونے پر فخر کرتے رہے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین عبد تاریخ سے پہلے کا کوئی جلیل القدر عرب بادشاہ ہے شاید اسکندر کو بھی اسی کی ایک گونہ مشابہت سے ذوالقرنین کہنے لگے ہوں۔

(۵) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”ذوالقرنین کو شوق ہوا کہ دیکھے دنیا کی آبادی کہاں تک بسی ہے سو مغرب کی طرف اس جگہ پہنچا کہ دلدل تھی نہ گذر آدمی کا نہ کشتی کا اللہ کے ملک کی حد نہ پاسکا۔ مرتب: شاہ صاحب کی تحریر کا کوئی حوالہ عثمانی صاحب نے نہیں دیا ہے۔“

(۸) قرآن و حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ ذوالقرنین کے یہ سب سفر فتوحات ملک گیری کے لئے تھے ممکن ہے کہ محض سیر و سیاحت کے طور پر ہوں۔ اثنائے سفر میں ان اقوام پر بھی گذر ہوا ہو جو اس کے زیر حکومت آچکی تھیں اور بعض اقوام نے ایک طاقتور بادشاہ سمجھ کر ظالموں کے مقابلے میں فریاد کی ہو جس کا ذوالقرنین نے اپنی غیر معمولی قوت سے سدباب کر دیا جیسا کہ آگے یا جوج ماجوج کے قصے میں آتا ہے واللہ اعلم۔

(۱۲) تنبیہ: اس قوم اور یا جوج ماجوج کے ملک میں یہ دو پہاڑ حائل تھے جن پر چڑھائی ممکن نہ تھی البتہ دونوں پہاڑوں کے درمیان میں ایک درہ کھلا ہوا تھا اسی سے یا جوج ماجوج آتے اور ان لوگوں کو لوٹ مار کر چلے جاتے تھے۔



(۱۳) تنبیہ: یاجوج ماجوج کون ہیں کس ملک میں رہتے ہیں۔ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سد (آہنی دیوار) کہاں ہے یہ وہ سوالات ہیں جن کے متعلق مفسرین و مورخین کے اقوال مختلف رہے ہیں میرا خیال یہ ہے (واللہ اعلم) کہ یاجوج ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے جیسا کہ کعب احبار نے فرمایا اور نووی نے فتاویٰ میں جمہور علماء سے نقل کیا ہے ان کا سلسلہ نسب باپ کی طرف سے آدم علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے مگر ماں کی طرف سے حوا سے نہیں ملتا گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوں۔ کیا عجب ہے کہ دجال اکبر جسے تمیم داری نے کسی جزیرہ میں قید کر رکھا ہے اسی قوم کا ہو جب حضرت مسیح علیہ السلام جو محض ایک آدم زاد خاتون (مریم صدیقہ) کے لطن سے بتوسط فتحہ ملکیہ پیدا ہوئے نزول من السماء کے بعد دجال کو ہلاک کریں گے۔ اس وقت یہ قوم یاجوج ماجوج دنیا پر خروج کریں گی اور آخر کار حضرت مسیح کی دعا سے غیر معمولی موت کریں گی۔

اس وقت یہ قوم کہاں ہے اور ذوالقرنین کی آہنی دیوار کس جگہ پر واقع ہے۔ سو جو شخص ان سب اوصاف کو پیش نظر رکھے گا جن کا ثبوت اس قوم اور دیوار آہنی کے متعلق قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ملتا ہے اس کو کہنا پڑیگا کہ جن قوموں۔ ملکوں۔ اور دیواروں کا لوگوں نے اپنی رائے سے پتہ دیا ہے یہ مجموعہ اوصاف ایک میں بھی پایا نہیں جاتا لہذا وہ خیالات صحیح معلوم نہیں ہوتے احادیث صحیحہ کا انکا ریا نصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہیں۔ یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام خشکی و تری پر محیط ہو چکے ہیں واجب التسلیم نہیں ہے۔

مرتب: مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی یہ تشریحات ان کے ذاتی خیالات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور ان کے لئے کوئی بنیادی ثبوت نہ ہونے کی بنا پر ان کو کوئی علمی وزن دنیا بھی ممکن نہیں ہے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حضرت قتادہ کی حدیث کہ انہوں نے دیوار ذوالقرنین خود دیکھی ہے اور وہ ایسی ہے ایسی ہے ار رسول کریم صلعم کی اس پر تصدیق کہ قتادہ درست کہتے ہیں کے بعد یہ کہنا کہ ہمیں اب تک اس دیوار کا علم نہیں کسی طور پر بھی مناسب قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔



## ترجمہ و تفسیر بیان القرآن از مولانا اشرف علی صاحب تھانوی

ترجمہ:

اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ میں اس کا ذکر ابھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ ہم نے ان کو روئے زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان دیا تھا۔ چنانچہ وہ ایک راہ پر ہوئے۔ یہاں تک کہ جب غروب آفتاب کے موقع پر پہنچے تو آفتاب ان کو ایک سیاہ رنگ کے پانی میں ڈوبتا ہوا دکھلائی دیا اور اس موقع پر انہوں نے ایک قوم دیکھی۔ ہم نے کہا کہ ذوالقرنین خواہ سزا دو اور خواہ ان کے بارے میں نرمی کا معاملہ اختیار کرو۔ ذوالقرنین نے عرض کیا کہ لیکن جو ظالم رہے گا سو اس کو تو ہم لوگ سزا دیں گے پھر وہ اپنے مالک حقیقی کے پاس پہنچایا جائیگا پھر وہ اسکو سخت سزا دیگا۔ اور جو شخص ایمان لے آوے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس کے لئے بدلے میں بھلائی ملے گی۔ اور ہم اپنے برتاؤ میں اس کو آسان بات کہیں گے۔

پھر ایک راہ پر ہوئے۔ یہاں تک کہ جب طلوع آفتاب کے موقع پر پہنچے تو آفتاب کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کے لئے ہم نے آفتاب کے اوپر کوئی آڑ نہیں رکھی یہ قصہ اسی طرح ہے اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا ہم کو اس کی پوری خبر ہے۔

پھر ایک اور راہ پر ہوئے۔ یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان میں پہنچے تو ان پہاڑوں سے اس طرف ایک قوم کو دیکھا جو کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچتے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے ذوالقرنین قوم یا جوج و ما جوج اس سرزمین میں بڑا فساد مچاتے ہیں سو کیا ہم لوگ آپ کے لئے کچھ چندہ جمع کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان میں کوئی روک بنا دیں۔ ذوالقرنین نے جواب دیا کہ جس مال میں میرے رب نے مجھکو اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے سو ہاتھ پاؤں سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان میں خوب مضبوط دیوار بنا دوں گا۔ تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ۔ یہاں تک کہ جب ان کے دونوں سروں کو برابر کر دیا تو حکم دیا کہ دھونکو یہاں تک کہ جب اس کو لال انکارا کر دیا۔ تو حکم دیا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبالاؤ کہ اس پر ڈال دوں سونہ تو یا جوج و ما جوج اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب دے سکتے تھے۔ ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی ایک رحمت ہے پھر جس وقت میرے رب کا وعدہ آوے گا تو اس کو ڈھا کر برابر کر دیگا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔



تفسیر:- اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں (اس کے پوچھنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ان کی تاریخ قریب قریب گم تھی اور اسی لئے جو امور ان کے متعلق قرآن میں مصرح نہیں کہ اصل قصہ سے زائد تھے وہ آج تک مختلف فیہ ہیں اور اسی واسطے انہوں نے اس کو سوال کے لئے تجویز کیا تھا پس اس کا جواب بھی کامل دلیل ہے نبوت کی) آپ فرمادیجئے کہ میں اس کا ذکر ابھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں (آگے حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی حکایت شروع ہوئی کہ وہ ذوالقرنین ایک ایسے جلیل القدر بادشاہ گزرے ہیں کہ) ہم نے ان کو روئے زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان (کافی) دیا تھا (جس سے وہ اپنے شاہی ارادوں کو پورا کر سکیں) چنانچہ وہ (بارادہ فتوحات ملک مغرب) ایک راہ پر ہوئے (اور راہ سے سفر کرنا شروع کیا) یہاں تک کہ جب (سفر کرتے کرتے اور درمیانی بلاد و امصار کو فتح کرتے کرتے) غروب آفتاب کے موقع پر (یعنی بہت مغرب میں منہائی آبادی پر) پہنچے تو آفتاب ان کو ایک سیاہ رنگ کے پانی میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا (مراد اس سے غالباً سمندر ہے کہ اس کا رنگ اکثر جگہ سیاہ ہے اور سمندر میں گو حقیقتاً غروب نہیں ہوتا لیکن جہاں سمندر سے آگے نگاہ نہ جاتی ہو تو بادی النظر میں ہی غروب ہوتا معلوم ہوگا) اور اس موقع پر انہوں نے ایک قوم دیکھی (جن کے کافر ہونے پر اگلی آیت اما من ظلم الخ ولالت کرتی ہے) ہم نے (الہامایا اس زمانہ کی شریعت کے واسطے سے) یہ کہا کہ اے ذوالقرنین (اس قوم کے بارے میں دو اختیار ہیں) خواہ (ان کو ابتدا سے ہی قتل وغیرہ کے ذریعہ سے) سزا دو اور خواہ ان کے بارے میں نرمی کا معاملہ اختیار کرو یعنی اول دعوت ایمان کر لو اور ابتداء قتل کرنا شاید اسلئے جائز ہو کہ ان کو کسی ذریعہ سے دعوت پہنچ چکی ہوگی لیکن دوسری صورت کو بوجہ ترجیح کے اتخاذ حسن سے تعبیر فرمایا ذوالقرنین نے عرض کیا کہ (بہت اچھا اول دعوت ایمان ہی کروں گا) لیکن بعد دعوت ایمان کے (جو ان میں) ظالم (کافر) رہے گا سو اس کو تو ہم لوگ (قتل وغیرہ کی) سزا دیں گے (اور یہ سزا تو دنیا میں ہوگی) پھر (مرنے کے بعد) وہ اپنے مالک حقیقی کے پاس پہنچایا جائے گا پھر وہ اس کو (دوزخ کی) سخت سزا دیگا اور جو شخص (میری دعوت ایمان کے بعد) ایمان الے آوے گا اور (قواعد دینیہ کے موافق) نیک عمل کریگا تو اس کے لئے (آخرت میں بھی) بدلے میں بھلائی ملے گی اور ہم (بھی دنیا میں) اپنے برتاؤ میں اسکو آسان (اور نرم) بات کہیں گے (یعنی قوی سختی بھی اس کے ساتھ روانہ رکھیں گے اور فعلی سختی تو بدرجہ اولیٰ روانہ رکھی جاوے گی)۔

ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کوئی مقبول بزرگ بادشاہ ہیں خواہ نبی ہوں یا ولی ہوں کسی



دوسرے نبی کے تتبع یا پھر ولایت کی صورت میں یہ مکالمت بطور الہام ہوئی ہو یا کسی نبی کے ذریعہ سے اور شاید ذوالقرنین ان کا لقب اس لئے ہوا ہو کہ قرن جانب کو کہتے ہیں اور تثنیہ سے مراد تکریر ہو چونکہ انہوں نے جوانب ارض پر تسلط حاصل کیا تھا اس لئے ذوالقرنین لقب ہو گیا واللہ اعلم اور ذوالقرنین کے دو سفر آئندہ میں یہ مضمون تخریر بین التعذیب اولاً استخاذاً کا مذکور نہیں شاید ایک جگہ ذکر کر کے بقیہ مواقع کو سامعین کے مقالیسہ پر چھوڑ دیا ہو اور ان کے معاملہ میں بھی یہی مکالمت ہوئی ہو یا خود مکالمت کو ان کے مقالیسہ پر چھوڑ دیا ہو کہ یہی برتاؤ وہاں کر لیں گے۔ پھر (ممالک مغربہ فتح کر کے ممالک مشرقیہ فتح کرنے کے ارادے سے مشرق کی طرف) ایک (دوسری) راہ پر ہوئے یہاں تک کہ جب (مسافت قطع کر کے) طلوع آفتاب کے موقع پر (یعنی جہت مشرق میں منہائی آبادی پر) پہنچے تو آفتاب کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا (یعنی وہاں ایک ایسی قوم آباد تھی) جن کے لئے ہم نے آفتاب کے ادھر کوئی آڑ نہیں رکھی (ظاہراً یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مکان وغیرہ بنانا نہ جانتے تھے کہ آفتاب کی گرمی سے پناہ لے سکیں) یہ قصہ اسی طرح تھا۔

یہ تاکید و تحقیق ہے مضمون کی کہ ہم جو کچھ بیان کر رہے ہیں اور ہمارا علم مطابق واقعہ کے ہے اور ذلك کا مشار الیہ صرف واقعہ سفر مشرق ہو یا پہلا واقعہ سفر مغرب بھی۔ شاید اس سے زیادت تشبیہ ہو نبوت محمدیہ پر کہ دیکھو اخبار ماضیہ مندرسہ کو کس طرح ٹھیک ٹھیک بیان فرماتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ہم بتلاتے ہیں۔

سفر سوم:- پھر (مغرب و مشرق فتح کر کے) ایک اور راہ پر ہوئے (چونکہ آبادی شمالی حصہ میں زیادہ ہے اس لئے غالباً گمان ہے کہ اس سے سمت شمال مراد ہو مفسرین نے یہی سمت لکھی ہے) یہاں تک کہ جب (مسافت قطع کر کے ایک ایسے مقام پر جو) دو پہاڑوں کے درمیان میں (تھا) پہنچے تو ان پہاڑوں سے اس طرف ایک قوم کو دیکھا جو (غایت اجنبیت لغت و قلت فہم کی وجہ سے) کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچتے (یعنی غیر زبان ہونے کی وجہ سے تو بات نہیں سمجھتے اور وحشی اور قلیل الفہم ہونے کی وجہ سے سمجھ کے لگ بھگ بھی نہیں پہنچے ورنہ عاقل آدمی رموز و قرائن سے کچھ قریب قریب سمجھ لیتا ہے مگر کسی مترجم کے ذریعہ سے) انہوں نے (ذوالقرنین سے) عرض کیا کہ اے ذوالقرنین قوم یا جوج ماجوج (جو اس گھاٹی کے اس طرف رہتے ہیں ہماری) اس سرزمین میں (کبھی کبھی آکر) بڑا فساد مچاتے ہیں (یعنی ہم پر مار دھاڑ کرتے ہیں اور ہم کو مقابلہ کی طاقت نہیں) سو کیا (آپ اجازت دیتے ہیں کہ) ہم لوگ آپ کے لئے کچھ چندہ جمع کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان میں کوئی



روک بنا دیں (کہ وہ پھر آنے نہ پائیں) ذوالقرنین نے جواب دیا کہ جس مال میں میرے رب نے مجھکو (تصرف کرنے کا) اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے سو (مال کی تو مجھکو ضرورت نہیں البتہ) ہاتھ پاؤں سے میری مدد کرو (تو) میں تمہارے اور اس کے درمیان میں خوب مضبوط دیوار بنا دوں۔ (اچھا تو) تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ (دام سرکار سے ملیں گے اور ضرورت کی اور بھی چیزیں منگوائی ہوگی مگر رکن اعظم اور اس وحشی ملک میں کمیاب چیز یہی تھی اس لئے ذکر میں اس ایک تخصیص کی گئی چنانچہ سب سامان کیا گیا اور دونوں پہاڑوں کے درمیان بنیاد کھود کر اس کو پتھروں وغیرہ سے بھرا کر اوپر سے ہی لوہے کی چٹانوں کے رڈے رکھنے شروع کئے) یہاں تک کہ جب (رڈے ملاتے ملاتے) ان (دونوں) پہاڑوں کے دونوں سروں کے بیچ (کے خلا) کو (پہاڑوں کے) کے برابر کر دیا تو حکم دیا کہ دھوں کو (دھونکنا شروع ہو گیا) یہاں تک کہ جب (دھونکتے دھونکتے) اس کو لال انکارا کر دیا تو (اس وقت) حکم دیا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ (جو پہلے سے تیار کر لیا ہوگا) اس کو اوپر ڈال دوں (یعنی ڈلوادوں) چنانچہ تانبا لایا گیا (اور آلات کے ذریعہ سے اوپر سے چھوڑ دیا گیا کہ تمام درزوں میں گھس کر سب چادریں ایک ذات ہو کر ایک ڈال کی دیوار آہنی بن گئی طول و عرض خدا کو معلوم) سو (اس کے غایت ارتفاع و ملاست کے سبب) نہ تو یا جوج ماجوج اس پر چڑھ سکتے اور (غایت استحکام کے سبب) نہ اس میں نقب دے سکتے تھے (اور دیوار بنانے کے وقت وہ لوگ اس موقع سے بہت دور تھے کیونکہ اس طرف وسیع زمین ہے) ذوالقرنین نے (جب اس دیوار کو تیار دیکھا جس کا تیار ہونا معمولی کام نہ تھا تو بطور شکر کے) کہا کہ یہ (تیاری دیوار کی) میرے رب کی ایک رحمت ہے (مجھ پر بھی کہ میرے ہاتھ سے ایسا کام لیا اور اس دیوار سے باہر بسنے والوں کے لئے بھی کہ یا جوج ماجوج کے شر سے محفوظ ہو گئی) پھر جس وقت میرے رب کا وعدہ آوے گا) تو اس کو ڈھا کر (زمین کے) برابر کر دے گا اور میرے رب کا ہر وعدہ برحق ہے (اور اپنے وقت پر ضرور واقع ہوتا ہے) یا تو یہ مضمون حضرت ذوالقرنین نے اس مجمل بناء پر فرما دیا کہ ہر شے فانی ہے اور یا ممکن ہے کہ ان کو وحی سے اگر وہ نبی ہوں یا الہام یا کسی نبی کے اخبار سے مفصل وقت اس کے انہدام کا کہ قرب قیامت ہے معلوم ہو گیا ہو جیسا کہ حدیثوں میں مصرح و مشرّح سے اور یہ بات حضرت ذوالقرنین نے شاید اس لئے فرما دی ہو کہ آدمی کسی حال میں حق تعالیٰ سے غافل اور کسی سامان پر مغرور نہ ہو بلکہ نعمت پر شکر کرے اور فنا کو پیش نظر رکھے اور جاننا چاہئے کہ مصنفین و مؤلفین نے اس سد یا جوج ماجوج کی تعین کے متعلق اپنے اپنے مقالات و خیالات جمع کئے ہیں اور اس کے مصداق میں اپنی اپنی کہی ہے لیکن قرآن و حدیث میں



جو اس کے چند اوصاف معلوم ہوتے ہیں ایک یہ کہ اس کا بانی کوئی بندہ مقبول ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ جلیل القدر بادشاہ ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ دیوار آہنی ہے۔ چوتھے یہ کہ اس کے دونوں سرے دو پہاڑوں سے ملے ہیں۔ پانچویں یہ کہ اس دیوار کے اس طرف جو یا جوج ماجوج ہیں وہ ابھی باہر نہیں نکل سکے۔ چھٹے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس میں تھوڑا سا سوراخ ہو گیا ہے۔ ساتویں یہ کہ وہ لوگ ہر روز اسے چھیلتے ہیں اور پھر وہ باذنہ تعالیٰ ویسی ہی دبیز ہو جاتی ہے۔ اور قرب قیامت میں جب چھیل چکیں گے تو کہیں گے کہ انشاء اللہ تعالیٰ کل بالکل آ رہا کر دیں گے۔ چنانچہ اس روز پھر وہ دبیز نہ ہوگی اور اگلے روز اس کو توڑ کر نکل پڑیں گے۔ آٹھویں یہ کہ یا جوج ماجوج کی قوت باوجود آدمی ہونے کے آدمیوں سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے اور تعداد میں بھی بہت زیادہ ہیں۔ نویں یہ کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں نکلیں گے اور اس وقت عیسیٰ علیہ السلام بوجی الہی خاص خاص لوگوں کو لیکر کوہ طور پر چلے جائیں گے باقی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں بند ہو جائیں گے۔ دسویں یہ کہ وہ دفعۃً غیر معمولی موت سے مر جائیں گے اول کے پانچ اوصاف قرآن سے اور اخیر کے پانچ اوصاف احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتے ہیں پس جو شخص ان سب اوصاف کو پیش نظر رکھے گا اس کو معلوم ہوگا کہ جتنی دیواروں کا لوگوں نے رائی سے پتہ دیا ہے یہ مجموعہ اوصاف ایک میں بھی پایا نہیں جاتا پس وہ خیالات صحیح نہیں معلوم ہوتے اور حدیثوں کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ خود دین کے خلاف ہے۔ رہا یہ شبہ مخالفین کا کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا مگر کہیں اس کا پتہ نہیں ملا اور اسی شبہ کے جواب کے لئے ہمارے مؤلفین نے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے لیکن اس کا صحیح جواب وہ ہے جس کو صاحب روح المعانی نے اختیار کیا ہے حاصل ترجمہ اس کا یہ ہے کہ ہم کو اس کا موقع معلوم نہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام خشکی، تری کو محیط ہو چکے ہیں واجب التسلیم نہیں اور عقلاً یہ جائز ہے کہ امریکہ کی طرح سمندر کے درمیان میں کوئی حصہ زمین کا ایسا ہو جہاں اب تک رسائی نہ ہوئی ہو اور عدم وجدان سے وجود لازم نہیں آتا اور جب مخبر صادق نے جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اس دیوار کی مع اس کے اوصاف کے خبر دی ہے تو ہم پر واجب ہے کہ تصدیق کریں جس طرح اور امور ممکنہ کی خبر دی ہے اور تصدیق ضروری ہے اور ایسے مشککین کے کلام فضول کی طرف التفات کرنے کا منشا محض ضعف دین اور قلت یقین ہے اور قرآن میں سفر جنوب کا ذکر نہ ہونا شاید اس وجہ سے ہو کہ اس سفر کا اتفاق نہ ہوا ہو یا کسی وجہ سے ذکر نہ کیا ہو ربط اوپر آخر قصہ میں ذوالقرنین کا قول جو مشعر اس دیوار کو فناء کا اور مشیر خروج یا جوج ماجوج کی طرف ہے حکایت کیا گیا ہے



آگے حق تعالیٰ اپنی طرف سے خروج مذکور کے وقت خاص حالت اور عموماً دنیا کا فنا ہو کر پھر تانیا پیدا ہونا اور اُس کے بعد جزا اور سزا کا معاملہ اور جو امور و اعمال جزا اور سزا کے اسباب ہیں۔ اجمالاً ان کا بیان فرماتے ہیں۔ غرض فنائے خاص کی مناسبت سے فنائی عام اور اُس کی مناسبت سے بقاء ثانی اور اُس کی مناسبت سے جزا اور سزا اور اُس کی مناسبت سے موجبات جزا اور سزا کا ذکر کیا گیا ہے۔

### بیان فناء و بقاء و سزا و جزا یوم لقاء

اور ہم اُس روز (یعنی جب اُس دیوار کے انہدام کا وقت موعود آوے گا اور یا جوج ماجوج کا خروج ہوگا تو اُس روز ہم اُن کی یہ حالت کریں گے کہ ایک میں ایک گڈٹڈ ہو ہو جاویں گے (بوجہ اس کے کہ کثرت سے ہوں گے اور ایک دم سے نکل پڑیں گے) اور (یہ قیامت کے قریب زمانہ میں ہوگا پھر بعد چندے قیامت کا سامان شروع ہوگا حتیٰ کہ ایک بار اول صور پھونکا جاویگا جس سے تمام عالم فنا ہو جاویگا پھر) صور (دوبارہ) پھونکا جاویگا (جس سے سب زندہ ہو جاویں گے) پھر ہم کو ایک ایک کر کے (میدان محشر میں) جمع کر لیں گے۔



## از معارف القرآن ج ۵

ترجمہ-۱: اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو۔ کہہ کہ اب پڑھتا ہوں تمہارے آگے اسکا کچھ احوال۔ ہم نے ان کو جمایا تھا ملک میں اور دیا تھا ہم نے اس کو ہر چیز کا سامان، پھر پیچھے پڑا ایک سامان کے، یہاں تک کہ جب پہنچا سورج ڈوبنے کی جگہ پایا کہ وہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی ندی میں اور پایا اسکے پاس لوگوں کو ہم نے کہا اے ذوالقرنین یا تو تو لوگوں کو تکلیف دے اور یا رکھ ان میں خوبی، بولا جو کوئی ہوگا بے انصاف سو ہم اس کو سزا دیں گے، پھر لوٹ جائیگا اپنے رب کے پاس وہ عذاب دیگا اس کو بڑا عذاب، اور جو کوئی یقین لایا اور کیا اس نے بھلا کام سوا سکا بدلا بھلائی ہے، اور ہم حکم دیں گے اسکو اپنے کام میں آسانی کا۔

ترجمہ-۲: پھر لگا ایک سامان کے پیچھے، یہاں تک کہ جب پہنچا سورج نکلنے کی جگہ پایا اس کو کہ نکلتا ہے ایک قوم پر کہ نہیں بنا دیا ہم نے ان کے لئے آفتاب سے ورے کوئی حجاب، یوں ہی ہے اور ہمارے قابو میں آچکی ہے اس کے پاس کی خبر،

ترجمہ-۳: پھر لگا ایک سامان کے پیچھے، یہاں تک کہ جب پہنچا دو پہاڑوں کے بیچ پائے ان سے ورے ایسے لوگ جو لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات، بولے اے ذوالقرنین! یہ یا جوج و ما جوج دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں سو تو کہے تو ہم مقبرہ کر دیں تیرے واسطے کچھ محصول اس شرط پر کہ بنا دے تو ہم میں اور ان میں ایک آڑ، بولا جو مقدور دیا مجھ کو میرے رب نے وہ بہتر ہے سو مدد کرو میری محنت میں بنا دوں تمہارے اور ان کے بیچ ایک دیوار موٹی، لا دو مجھ کو تختے لوہے کے، یہاں تک کہ جب برابر کر دیا دونوں پہاڑوں تک پہاڑ کی کہا دھونکو، یہاں تک کہ جب کر دیا اس کو آگ، کہا لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا ہوا تانبا، پھر نہ چڑھ سکیں اس پر اور نہ کر سکیں اس میں سوراخ، بولا یہ ایک مہربانی ہے میرے رب کی پھر جب آئے وعدہ میرے رب کا اگر اے اس کو ڈھا کر اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا۔

ترجمہ-۴: اور چھوڑ دیں گے ہم خلق کو اس دن ایک دوسرے میں گھستے اور پھونک ماریں گے صور میں پھر جمع کر لائیں گے ہم ان سب کو اور دکھلا دیں گے ہم دوزخ اس دن کافروں کو سامنے، جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے اور نہ سن سکتے تھے،

خلاصہ تفسیر

ذوالقرنین کا پہلا سفر: آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں اس پوچھنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ان کی



تاریخ قریب قریب گم تھی، اور اسی لیے اس قصہ کے جو امور قرآن میں مذکور نہیں کہ وہ اصل قصہ سے زائد تھے، ان امور کے متعلق آج تک اہل تاریخ میں اختلافات شدید پائے جاتے ہیں، اسی وجہ سے قریش مکہ نے بمشورہ یہود مدینہ اس قصہ کا سوال کے لیے انتخاب کیا تھا، اس لیے اس قصہ کی تفصیلات جو قرآن میں مذکور ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی واضح دلیل ہے (آپ فرمادیتے تھے کہ میں اس کا ذکر ابھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں) آگے حق تعالیٰ کی طرف سے اسکی حکایت شروع ہوئی کہ ذوالقرنین ایک ایسے جلیل القدر بادشاہ ہو گزرے ہیں کہ) ہم نے ان کو روئے زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان (کافی) دیا تھا (جس سے وہ اپنے شاہی منصوبوں کو پورا کر سکیں) چنانچہ وہ (بارادہ فتوحات ملک مغرب) ایک راہ پر ہوئے (اور سفر کرنا شروع کیا) یہاں تک کہ جب (سفر کرتے کرتے درمیانی شہروں کو فتح کرتے ہوئے) غروب آفتاب کے موقع (یعنی جانب مغرب میں انتہائی آبادی) پر پہنچے تو آفتاب ان کو ایک سیاہ پانی میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا، (مراد اس سے غالباً سمندر ہے کہ اس کا پانی اکثر جگہ سیاہ نظر آتا ہے، اور اگرچہ آفتاب حقیقتاً سمندر میں غروب نہیں ہوتا مگر سمندر سے آگے نگاہ نہ جاتی ہو تو سمندر میں ہی ڈوبتا ہوا معلوم ہوگا،

يَسْئَلُونَكَ (یعنی وہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں) یہ لوگ سوال کرنے والے کون ہیں، روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قریش مکہ تھے، جن کو یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور حقانیت کا امتحان کرنے کے لیے تین سوال بتلائے، روح کے متعلق اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں، ان میں دو کا جواب آچکا ہے، اصحاب کہف کا قصہ ابھی گزرا ہے، اور روح کا سوال پچھلی سورہ کے آخر میں گزر چکا ہے، یہ تیسرا سوال ہے کہ ذوالقرنین کون تھا اور اس کو کیا حالات پیش آئے (بحر محیط)

ذوالقرنین کا نام ذوالقرنین کیوں ہوا، اس کی وجہ میں بے شمار اقوال اور سخت اختلافات ہیں، بعض نے کہا ان کی دو زلفیں تھیں اس لیے ذوالقرنین کہلائے، بعض نے کہا کہ مشرق و مغرب کے ممالک پہ حکمران ہوئے اس لیے ذوالقرنین نام رکھا گیا، کسی نے یہ بھی کہا کہ ان کے سر پر کچھ ایسے نشانات تھے جیسے سینگ کے ہوتے ہیں، بعض روایات میں یہ ہے کہ ان کے ان کے سر پر دونوں جانب چوٹ کے نشانات تھے اس لیے ذوالقرنین کہا گیا، واللہ اعلم، مگر اتنی بات متعین ہے کہ قرآن نے خود ان کا نام ذوالقرنین نہیں رکھا، بلکہ یہ نام یہود نے بتلایا انکے یہاں اس نام سے ان کی شہرت ہوگی، واقعاً ذوالقرنین کا جتنا حصہ قرآن کریم نے بتلایا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ:-



"وہ ایک صالح عادل بادشاہ تھے جو مشرق و مغرب میں پہنچے اور ان کے ممالک کو فتح کیا اور ان میں عدل و انصاف کی حکمرانی کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ہر طرح کے سامان اپنے مقاصد پورا کرنے کے لیے عطا کر دیئے گئے تھے، انھوں نے فتوحات کرتے ہوئے تین اطراف میں سفر کئے، مغرب اقصیٰ تک اور مشرق اقصیٰ تک، پھر جانب شمال میں کوہستانی سلسلے تک، اسی جگہ انھوں نے دو پہاڑوں کے درمیانی درے کو ایک عظیم الشان آہنی دیوار کے ذریعہ بند کر دیا جس سے یاجوج ماجوج کی تخت و تاراج سے اس علاقہ کے لوگ محفوظ ہو گئے"

یہود نے جو سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور نبوت کا امتحان کرنے کے لیے پیش کیا تھا، وہ اس جواب سے مطمئن ہو گئے، انھوں نے مزید سوالات نہیں کئے، کہ انکا نام ذوالقرنین کیوں تھا، یہ کس ملک اور کس زمانہ میں تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سوالات کو خود یہود نے بھی غیر ضروری اور فضول سمجھا، اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم تاریخ و قصص کا صرف اتنا حصہ ذکر کرتا ہے جس سے کوئی فائدہ دین یا دنیا کے متعلق ہو، یا جس پر کسی ضروری چیز کا سمجھنا موقوف ہو، اس لئے نہ قرآن کریم نے ان چیزوں کو بتلایا اور نہ کسی صحیح حدیث میں اس کی یہ تفصیلات بیان کی گئیں، اور نہ قرآن مجید کی کسی آیت کا سمجھنا ان چیزوں کے علم پر موقوف ہے، اسی لئے سلف صالحین صحابہ و تابعین نے بھی اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

اب معاملہ صرف تاریخی روایات کا یا موجودہ تورات و انجیل کا رہ گیا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ موجودہ تورات و انجیل کو بھی مسلسل تحریفات نے ایک آسمانی کتاب کی حیثیت میں نہیں چھوڑا، ان کا مقام بھی اب زیادہ سے زیادہ ایک تاریخ ہی کا ہو سکتا ہے، اور زمانہ قدیم کی تاریخی روایات زیادہ تر اسریلی قصوں کہانیوں سے ہی پڑے ہیں، جنکی نہ کوئی سند ہے، نہ وہ کسی زمانے کے عقلاء و حکماء کے نزدیک قابل اعتماد پائی گئی ہیں، حضرات مفسرین نے بھی اس معاملہ میں جو کچھ لکھا وہ سب انہیں تاریخی روایات کا مجموعہ ہے، اسی لیے ان میں اختلافات بے شمار ہیں، اہل یورپ نے اس زمانہ میں تاریخ کو بڑی اہمیت دی، اس پر تحقیق و تفتیش میں بلاشبہ بڑی محنت و کاوش سے کام لیا، آثار قدیمہ کی کھدائی اور وہاں کے کتبات وغیرہ کو جمع کر کے ان کے ذریعہ قدیم واقعات کی حقیقت تک پہنچنے میں وہ کام انجام دیئے جو اس سے پہلے زمانہ میں نظر نہیں آتے، لیکن آثار قدیمہ اور ان کے کتبات سے کسی واقعہ کی تائید میں تو مدد مل سکتی ہے مگر خود ان سے کوئی واقعہ پورا نہیں پڑھا جاسکتا، اس کے لیے تو تاریخی روایات ہی بنیاد بن گئی ہیں، اور ان معاملات میں زمانہ قدیم کی تاریخی روایات کا حال ابھی معلوم ہو چکا ہے، کہ ایک کہانی



سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں، قدیم و جدید علماء تفسیر نے بھی اپنی کتابوں میں یہ روایات ایک تاریخی حیثیت سے ہی نقل کی ہیں، جن کی صحت پر کوئی قرآنی مقصد موقوف نہیں، یہاں بھی اسی حیثیت سے بقدر ضرورت لکھا جاتا ہے، اس واقعہ کی پوری تفتیش و تحقیق مولانا حفیظ الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب قصص القرآن میں لکھی ہے، تاریخی ذوق رکھنے والے حضرات اس کو دیکھ سکتے ہیں، (قصص القرآن کی تفصیلات آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں)۔

بعض روایات میں ہے کہ پوری دنیا پر سلطنت و حکومت کرنے والے چار بادشاہ ہوئے ہیں، دو مؤمن اور دو کافر، مؤمن بادشاہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین ہیں، اور کافر نمرود اور بخت نصر ہیں۔

ذوالقرنین کے معاملہ میں یہ عجب اتفاق ہے کہ اس نام سے دنیا میں متعدد آدمی مشہور ہوئے ہیں، اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہر زمانہ کے ذی القرنین کے ساتھ لقب سکندر بھی شامل ہے، حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے ایک بادشاہ سکندر کے نام سے معروف و مشہور ہے جسکو سکندر یونانی، مقدونی، رومی وغیرہ کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، جسکا وزیر ارسطو، اور جسکی جنگ دارا سے ہوئی، اور اسے قتل کر کے اس کا ملک فتح کیا، سکندر کے نام سے دنیا میں معروف ہونے والا آخری شخص یہی تھا، اسی کے قصے دنیا میں زیادہ مشہور ہیں، بعض لوگوں نے اس کو بھی قرآن میں مذکور ذوالقرنین کہ دیا، یہ سراسر غلط ہے، کیونکہ یہ شخص آتش پرست مشرک تھا، قرآن کریم نے جس ذوالقرنین کا ذکر کیا ہے، ان کے نبی ہونے میں تو علماء کا اختلاف ہے، مگر مؤمن صالح ہونے پر سب کا اتفاق ہے، اور خود قرآن کی نصوص اس کی شاہد ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں بحوالہ ابن عساکر اسکا پورا نسب نامہ لکھا ہے، جو اوپر جا کر حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملتا ہے، اور فرمایا کہ یہی وہ سکندر ہے جو یونانی مصری مقدونی ناموں سے معروف ہے، جس نے اپنے نام پر شہر اسکندریہ آباد کیا، اور روم کی تاریخ اسی کے زمانہ سے چلتی ہے، اور یہ سکندر ذی القرنین اول سے ایک طویل زمانہ کے بعد ہوا ہے، جو دو ہزار سال سے زائد بتلایا جاتا ہے، اسی نے دارا کو قتل کیا اور شاہان فارس کو مغلوب کر کے ان کا ملک فتح کیا، مگر یہ شخص مشرک تھا، اس کو قرآن میں مذکور ذوالقرنین قرار دینا سراسر غلطی ہے۔

حدیث و تاریخ کے امام ابن کثیر کی اس تحقیق سے ایک تو یہ مغالطہ رفع ہوا کہ یہ اسکندر جو حضرت مسیح علیہ السلام سے تین سو سال پہلے گذرا ہے، اور جسکی جنگ دارا اور ملوک فارس سے ہوئی، اور



بانی اسکندر یہ ہے، یہ وہ ذوالقرنین نہیں جس کا قرآن کریم میں ذکر آیا ہے، یہ مغالطہ بعض اکابر مفسرین کو بھی لگا ہے، ابو حیان نے بحر محیط میں اور علامہ آلوسی نے روح المعانی میں اسی کو ذوالقرنین مذکور فی القرآن کہہ دیا ہے۔

دوسری بات وَ اِنَّهٗ كَانَ نَبِيًّا کے جملے سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابن کثیر کے نزدیک انکا نبی ہونا راجح ہے، اگرچہ جمہور کے نزدیک راجح وہ قول ہے جو خود ابن کثیر نے بروایت ابی الطفیل حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے کہ نہ وہ نبی تھے نہ فرشتہ بلکہ ایک نیک صالح مسلمان تھے اسی لیے بعض علماء نے یہ توجیہ کی کہ اِنَّهٗ كَانَ کی ضمیر ذوالقرنین کی طرف نہیں خضر علیہ السلام کی طرف راجح ہے، وہ ہوالا قرب۔

اب مسئلہ یہ رہتا ہے کہ پھر وہ ذوالقرنین جن کا ذکر قرآن میں ہے کون ہیں، اور کس زمانہ میں ہوئے ہیں، اس کے متعلق بھی علماء کے اقوال بہت مختلف ہیں، ابن کثیر کے نزدیک ان کا زمانہ اسکندر یونانی مقدونی سے دو ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم الخلیل علیہ الصلاۃ والسلام کا زمانہ ہے، اور ان کے وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے، ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں سلف صالحین سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ذوالقرنین پیادہ پانچ کے لیے پہنچے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انکے آنے کا علم ہوا تو مکہ سے باہر نکل کر استقبال کیا، اور حضرت خلیل علیہ السلام نے انکے لیے دعاء بھی کی اور کچھ وصیتیں و نصیحتیں بھی ان کو فرمائیں، (البدایہ ص ۱۰۸ ج ۲) اور تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ ازرقی نقل کیا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ طواف کیا، پھر قربانی دی۔

اور ابو ریحان بیرونی نے اپنی کتاب الآثار البقیہ عن القرون الخالیہ میں کہا ہے کہ یہ ذوالقرنین جن کا ذکر قرآن میں ہے ابو بکر بن سمی بن عمر بن افریقیس حمیری ہے، جس نے زمین کے مشارق و مغارب کو فتح کیا، اور تیج حمیری یعنی نے اپنے اشعار میں اس پر فخر کیا ہے کہ میرے دادا ذوالقرنین مسلمان تھے، ان کے اشعار یہ ہیں۔

قد کان ذوالقرنین جدی مسلماً : ملکاً علانی العرض غیر مبعث

یہ روایت بحر محیط میں ابو حیان نے نقل کی ہے، ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ میں ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ ذوالقرنین تبا بعہ یمن میں سب سے پہلا تیج ہے، اور یہی وہ شخص ہے جس نے بیر سبع کے بارے میں حضرت ابراہیم کے حق میں فیصلہ دیا تھا (البدایہ ص ۱۰۵ ج ۲) ان تمام روایات میں ان کی شخصیت اور نام و نسب کے بارے میں اختلاف ہونے کے باوجود ان کا زمانہ حضرت ابراہیم کا







اسرائیل کی پیشگوئیوں سے پھر تاریخی روایات سے اس پر کافی شواہد پیش کیے ہیں، جو صاحب مزید تحقیق کے درپے ہوں وہ اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں، میرا مقصد ان تمام روایات کے نقل کرنے سے صرف اتنا تھا کہ ذوالقرنین کی شخصیت اور ان کے زمانہ کے بارے میں علماء امت اور ائمہ تاریخ و تفسیر کے اقوال سامنے آجائیں، ان میں سے راجح کس کا قول ہے یہ میرے مقصد کا جز نہیں، کیونکہ جن امور کا نہ قرآن کریم نے دعویٰ کیا نہ حدیث نے ان کو بیان کیا، ان کے معین و مبین کرنے کی ذمہ داری بھی ہم پر نہیں، اور ان میں جو قول بھی راجح اور صحیح قرار پائے مقصد قرآنی ہر حال میں حاصل ہے، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم،

### خلاصہ تفسیر آیات ۲۔

پھر (ممالک مغربیہ فتح کر کے مشرقی ممالک فتح کرنے کے ارادہ سے مشرق کی طرف) ایک راہ پر ہوئے یہاں تک کہ جب طلوع آفتاب کے موقع پر (یعنی جانب مشرق میں منہائی آبادی پر) پہنچے تو آفتاب کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کے لئے ہم نے آفتاب کے ادھر کوئی آڑ نہیں رکھی تھی (یعنی اس جگہ ایک ایسی قوم آباد تھی جو دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی مکان یا کوئی خیمہ وغیرہ بنانے کے عادی نہ تھے، بلکہ شاید لباس بھی نہ پہنتے ہوں، جانوروں کی طرح کھلے میدان میں رہتے تھے) یہ قصہ اسی طرح ہے، اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ (سامان وغیرہ) تھا ہم کو اس کی پوری خبر ہے، (اس میں امتحان نبوت کے لئے ذوالقرنین کے متعلق سوال کرنے والوں کو اس پر تنبیہ ہے کہ ہم جو کچھ بتا رہے ہیں وہ علم و خبر کی بنیاد پر ہے، عام تاریخی کہانیوں کی طرح نہیں، تاکہ نبوت محمدیہ کی حقانیت واضح ہو جائے)

### معارف و مسائل

ذوالقرنین نے مشرق کی جانب جو قوم آباد پائی، اس کا یہ حال قرآن کریم نے ذکر فرمایا وہ دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی سامان، خیمہ، لباس وغیرہ کے ذریعہ نہ کرتے تھے، لیکن ان کے مذہب و اعمال کا کوئی ذکر نہیں فرمایا، اور نہ یہ کہ ذوالقرنین نے ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ لوگ بھی کافر ہی تھے، اور ذوالقرنین نے ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جو مغربی قوم کے ساتھ اوپر مذکور ہو چکا ہے، مگر اس کے بیان کرنے کی یہاں اس لیے ضرورت نہیں سمجھی کہ پچھلے واقعہ پر قیاس کر کے اس کا بھی علم ہو سکتا ہے (کذافی بحر المحیط عن ابن عطیہ)



پھر (مغرب و مشرق فتح کر کے) ایک اور راہ پر ہولے (قرآن میں اس سمت کا نام نہیں لیا مگر آبادی زیادہ جانب شمال ہی ہے، اس لئے مفسرین نے اس سفر کو شمالی ممالک کا سفر قرار دیا تاریخی شہادتیں بھی اس کی مؤید ہیں) یہاں تک کہ جب ایسے مقام پر جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا پہنچے تو ان پہاڑوں سے اس طرف ایک قوم کو دیکھا جو (زبان و لغت سے ناواقف و حشیانہ زندگی کی وجہ سے) بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچتے تھے (ان الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف زبان سے ناواقفیت نہ تھی، کیوں کہ سمجھ بوجھ ہو تو غیر زبان والے کی باتیں بھی کچھ اشارے کنائے سے سمجھی جاسکتی ہیں، بلکہ وحشیانہ زندگی نے سمجھ بوجھ سے بھی دور رکھا تھا مگر شاید پھر کسی ترجمان کے واسطے سے) انہوں نے عرض کیا اے ذوالقرنین قوم یا جوج و ماجوج (جو اس گھاٹی کے اس طرف رہتے ہیں ہماری) اس سرزمین میں (کبھی کبھی آکر) بڑا فساد مچاتے ہیں (یعنی قتل و غارتگری کرتے ہیں اور ہم میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں) سو کیا ہم لوگ آپ کے لئے چندہ کر کے کچھ رقم جمع کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی روک بنا دیں (کہ وہ اس طرف نہ آنے پائیں) ذوالقرنین نے جواب دیا کہ جس مال میں میرے رب نے مجھ کو (تصرف کرنے کا) اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے (اس لئے چندہ جمع کرنے اور مال دینے کی ضرورت نہیں، البتہ ہاتھ پاؤں کی طاقت سے) (یعنی محنت مزدوری) سے میری مدد کرو تو میں تمہارے اور ان کے درمیان خوب مضبوط دیوار بنا دوں گا، (اچھا تو) تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ (قیمت ہم دینگے، ظاہر یہ ہے کہ اس اہنی دیوار بنانے کے لئے اور بھی ضرورت کی چیزیں منگوائی ہوں گی، مگر یہاں وحشی ملک میں سب سے زیادہ کم یاب چیز لوہے کی چادریں تھیں، اس لئے ان کے ذکر کرنے پر اکتفاء کیا گیا، سب سامان جمع ہو جانے کے بعد دونوں پہاڑوں کے درمیان اہنی دیوار کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا، یہاں تک کہ جب (اس دیوار کے رڈے ملاتے ملاتے) ان (دونوں پہاڑوں) کے دونوں سروں کے بیچ (کے خلاء) کو (پہاڑوں کے) برابر کر دیا تو حکم دیا کہ دھونکو (دھونکنا شروع ہو گیا) یہاں تک کہ جب (دھونکتے دھونکتے) اس کو لال انکارا کر دیا تو حکم دیا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ (جو پہلے سے تیار کر لیا ہوگا) کہ اس پر ڈال دوں (چنانچہ یہ پگھلا ہوا تانبا لایا گیا اور آلات کے ذریعے اوپر سے چھوڑ دیا گیا کہ دیوار کی تمام درزوں میں گھس کر پوری دیوار ایک ذات ہو جائے، اس کا طول اور عرض خدا کو معلوم ہے) تو (اس کی بلندی اور چکناہٹ کے سبب) نہ تو یا جوج ماجوج اس پر چڑھ سکتے اور نہ اس میں (غایت استحکام کے سبب



کوئی) نقب لگا سکتے تھے، ذوالقرنین نے (جب اس دیوار کو تیار دیکھا جس کا تیار ہونا کوئی آسان کام نہ تھا تو بطور شکر کے) (کہا کہ میرے رب کی ایک رحمت ہے مجھ پر بھی کہ میرے ہاتھوں یہ کام ہو گیا اور اس قوم کے لئے بھی جس کو یا جوج ماجوج ستاتے تھے) پھر جس وقت رب کا وعدہ آئیگا (یعنی اس کی فنا کا وقت آئیگا) تو اس کو ڈھا کر (زمین کے) برابر کر دیگا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے (اور اپنے وقت پر ضرور واقع ہوتا ہے)۔

## یا جوج ماجوج کون ہیں اور کہاں ہیں، سدّ ذوالقرنین کس جگہ ہے؟

ان کے متعلق اسرائیلی روایات اور تاریخی کہانیوں میں بہت بے سرو پا عجیب و غریب باتیں مشہور ہیں جن کو بعض حضرات مفسرین نے بھی تاریخی حیثیت سے نقل کر دیا ہے مگر وہ خود ان کے نزدیک بھی قابل اعتماد نہیں، قرآن کریم نے ان کا مختصر سا حال اجمالاً بیان کیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقدر ضرورت تفصیلات سے بھی امت کو آگاہ کر دیا، ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کی چیز صرف اتنی ہی ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ میں آگئی ہے، اس سے زائد تاریخی اور جغرافیائی حالات جو مفسرین محدثین اور مورخین نے ذکر کئے ہیں وہ صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی، ان میں جو اہل تاریخ کے اقوال مختلف ہیں وہ قرآن اور قیاسات اور تخمینوں پر مبنی ہیں ان کے صحیح یا غلط ہونے کا کوئی اثر قرآنی ارشادات پر نہیں پڑتا،

میں اس جگہ پہلے وہ احادیث نقل کرتا ہوں جو اس معاملہ میں محدثین کے نزدیک صحیح یا قابل اعتماد ہیں اس کے بعد بقدر ضرورت تاریخی روایات بھی لکھی جاویں گی،

یا جوج ماجوج کے متعلق روایات حدیث:- قرآن و سنت کی تصریحات سے اتنی بات تو بلاشبہ ثابت ہے کہ یا جوج ماجوج انسانوں کی ہی قوم میں ہیں، عام انسانوں کی طرح نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، کیوں کہ قرآن کریم کی نص صریحہ ----- یعنی طوفان نوح علیہ السلام کے بعد جتنے انسان زمین پر باقی ہیں اور رہیں گے وہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں ہونگے، تاریخی روایات اس پر متفق ہیں وہ یافث کی اولاد میں ہیں،

اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی اسی حال میں ہونگے کہ حق تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ میں اپنے بندوں میں ایسے لوگوں کو نکالوں گا جن کے مقابلہ کی کسی کو طاقت نہیں، آپ مسلمانوں کو جمع کر کے کوہ طور پر چلے جائیں (چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام ایسا ہی کریں گے) اور حق تعالیٰ یا جوج ماجوج کو کھول



دیں گے، تو وہ ورعتِ سیر کے سبب ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے دکھائی دیں گے ان میں سے پہلے لوگ بحیرہ طبریہ سے گذریں گے، اور اس کا سب پانی پی کر ایسا کر دیں گیکہ جب ان میں سے دوسرے لوگ اس بحیرہ سے گذریں گے تو دریا کی جگہ کو خشک دیکھ کر کہیں گے کہ کبھی یہاں پانی ہوگا،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کو ہ طور پر پناہ لیں گے، اور دوسرے مسلمان اپنے قلعوں اور محفوظ جگہوں میں پناہ لیں گے، کھانے پینے کا سامان ساتھ ہوگا، مگر وہ کم پڑ جائگا، تو ایک بیل کے سر کو سودینار سے بہتر سمجھا جائگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے مسلمان اپنی تکلیف دفع ہونے کے لئے حق تعالیٰ سے دعاء کریں گے (حق تعالیٰ دعاء قبول فرمائنگے) اور ان پر وہائی صورت میں ایک بیماری بھیجیں گے، اور یا جوج ماجوج تھوڑی دیر میں سب کے سب مرجائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کو ہ طور سے نیچے آئیں گے تو دیکھیں گے کہ زمین میں ایک بالشت جگہ بھی ان کی لاشوں سے خالی نہیں (اور لاشوں کے سڑنے کی وجہ سے) سخت تعفن پھیلا ہوگا، (اس کیفیت کو دیکھ کر دوبارہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی حق تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ یہ مصیبت بھی دفع ہو، حق تعالیٰ قبول فرمائیں گے) اور بہت بھاری بھر کم پرندوں کو بھیجیں گے، جن کی گردنیں اونٹ کی گردنوں کی مانند ہوں گی، (وہ ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی پھینک دیں گے) بعض روایات میں ہے کہ دریا میں ڈال دیں گے پھر حق تعالیٰ بارش برسائیں گے، کوئی شہر اور جنگل ایسا نہ ہوگا جہاں بارش نہ ہوئی ہوگی، ساری زمین دھل جائیگی اور شیشہ کی مانند صاف ہو جائے گی پھر حق تعالیٰ حکم فرمائیں گے کہ اپنے پیٹ سے پھلوں اور پھولوں کو اگادے، اور (ازسرنو) اپنی برکات کو ظاہر کر دے (چنانچہ ایسا ہی ہوگا اور اس قدر برکت ظاہر ہوگی) کہ ایک انار ایک جماعت کے کھانے کے لئے کفایت کریگا، اور لوگ اس کے چھلکے کی چھتری بنا کر سایہ حاصل کریں گے، اور دودھ میں اس قدر برکت ہوگی کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک بہت بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگا، اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلے کے سب لوگوں کو کافی ہو جائے گا، اور ایک بکری کا دودھ پوری برادری کو کافی ہو جائے گا، (یہ غیر معمولی برکات اور امن و آمان کا زمانہ چالیس سال رہنے کے بعد قیامت کا وقت آجائے گا تو) اس وقت حق تعالیٰ ایک خوش گوار ہوا چلائیں گے جس کی وجہ سے سب مسلمانوں کی بغلوں کے نیچے ایک خاص بیماری ظاہر ہو جائے گی، اور سب کے سب وفات پا جائیں گے، اور باقی صرف شریر و کافر رہ جائیں گے جو زمین پر کھلم کھلا حرام کاری جانوروں کی طرح کریں گے ایسے ہی لوگوں پر قیامت آئے گی



ہے وہ یہ کہ بحیرہ طبریہ سے گزرنے کے بعد یا جوج ماجوج بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ جبل النمر پر چڑھ جائیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو سب کو قتل کر دیا ہے، لو اب ہم آسمان والوں کا خاتمہ کریں، چنانچہ وہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے اور وہ تیر حق تعالیٰ کے حکم سے خون آلود ہو کر انکی طرف واپس آئیں گے (تاکہ وہ احمق یہ سمجھ کر خوش ہوں کہ آسمان والوں کا بھی خاتمہ کر دیا،

۳۔ بخاری و مسلم نے حضرت زینب بنت جحش ام المؤمنینؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ (ایک روز) نیند سے ایسی حالت میں بیدار ہوئے کہ چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا اور آپ کی زبان مبارک یہ جملے تھے،

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، خرابی ہے عرب کی اس شر سے جو قریب آچکا ہے، آج کے دن یا جوج و ماجوج کی روم یعنی سد میں اتنا سوراخ کھل گیا ہے اور آپ نے عقد تسعین یعنی انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر حلقہ بنا کر دکھلا دیا"

ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ اس ارشاد پر ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ کیا ہم ایسے حالات میں ہلاک ہو سکتے ہیں جبکہ ہمارے اندر صالحین لکھے جو ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہلاک ہو سکتے ہیں، جبکہ خبث (یعنی شر) کی کثرت ہو جائے (مثلاً فی الحسین عن ابی ہریرہؓ کذافی البدایہ والنہایہ لابن کثیر) اور سد یا جوج میں بقدر حلقہ سوراخ ہو جانا اپنے حقیقی معنی میں بھی ہو سکتا ہے، اور مجازی طور پر سد ذوالقرنین کے کمزور ہو جانے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے، (ابن کثیر ابو حیان)

۴۔ مسند احمد، ترمذی ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا جوج ماجوج ہر روز سد ذوالقرنین کو کھودتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اس آہنی دیوار کے آخری حصہ تک اتنے قریب تک پہنچ جاتے ہیں کہ دوسری طرف کی روشنی نظر آنے لگے، مگر یہ کہ کر لوٹ جاتے ہیں کہ باقی کوکل کھود کر پار کر دینیں گے، مگر اللہ تعالیٰ اس کو پھر ویسا ہی درست مضبوط کر دیتے ہیں، اور اگلے روز نئی محنت پھر اس کے کھودنے میں کرتے ہیں، یہ سلسلہ کھودنے میں محنت کا اور پھر منجانب اللہ اس کی درستی کا اس وقت تک چلتا رہیگا جس وقت تک یا جوج ماجوج کو بند رکھنے کا ارادہ ہے، اور جب اللہ تعالیٰ ان کو کھولنے کا ارادہ فرمائیں گے تو اس روز جب محنت کر کے آخری حد میں پہنچا دینگے اس دن یوں کہیں گے اگر اللہ نے چاہا تو کل ہم اس کو پار کر لیں گے (اللہ کے نام اور اس کی مشیت پر موقوف رکھنے سے آج توفیق ہو جائے گی) تو اگلے روز دیوار کا باقی ماندہ حصہ اپنی حالت پر ملے گا اور وہ اس کو توڑ کر پار کر لیں گے،











، (آیت قرآن) اس وقت یہ یاجوج ماجوج کی بے پناہ قومیں بیک وقت پہاڑوں کی بلندیوں سے اترتی ہوئی سرعتی رفتار کے سبب ایسی معلوم ہوں گی کہ گویا یہ پھسل پھسل کر گر رہے ہیں، اور یہ لاتعداد وحشی انسان عام انسانی آبادی اور پوری زمین پر ٹوٹ پڑیں گے اور انکے قتل و غارت گری کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا، اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بامر الہی اپنے ساتھی مسلمانوں کو لیکر کوہ طور پر پناہ لینگے، اور عام دنیا کی آبادیوں میں جہاں کچھ قلعے یا محفوظ مقامات ہیں وہ ان میں بند ہو کر اپنی جانیں بچائیں گے، کھانے پینے کا سامان بند ہو جانے کے بعد ضروریات زندگی انتہائی گراں ہو جائے گی باقی انسانی آبادی کو یہ وحشی قومیں ختم کر ڈالیں گی، ان کے دریاؤں کو چاٹ جائیں گی، (حدیث نمبر ۱)

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انکے رفقاء کی دعا سے پھر یہ ٹڈی دل قسم کی بے شمار قومیں بیک وقت ہلاک کر دی جائیں گی، انکی لاشوں سے ساری زمین پٹ جائے گی، ان کی بدبو کی وجہ سے زمین پر بسا مشکل ہو جائے گا (حدیث نمبر ۲)

(۶) پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انکے رفقاء کی دعا سے انکی لاشیں دریا بردیا غائب کر دی جائے گی اور عالم گیر بارش کے ذریعے پوری زمین کو دھو کر پاک صاف کر دیا جائے گا (حدیث نمبر ۳)

(۷) اس کے بعد تقریباً چالیس سال امن و آمان کا دور دورہ ہوگا، زمین اپنی برکات اگل دیگی، کوئی مفلس محتاج نہ رہے گا، کوئی کسی کو نہ ستائے گا، سکون و اطمینان آرام و راحت عام ہوگی (حدیث نمبر ۴)

(۸) اس امن و آمان کے زمانے میں بیت اللہ کا حج و عمرہ جاری رہے گا (حدیث نمبر ۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات اور روضہ اقدس میں دفن روایات حدیث سے ثابت ہے، اس کی بھی یہی صورت ہوگی کہ وہ حج یا عمرہ کے لئے حجاز کا سفر کریں گے (کما رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ، التصریح) اس کے بعد مدینہ طیبہ میں وفات ہوگی، روضہ اقدس میں دفن کیا جائے گا،

(۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر زمانے میں بذریعہ وحی خواب آپ کو دکھلایا گیا کہ سید ذوالقرنین میں ایک سوراخ ہو گیا ہے جس کو آپ نے عرب کے لئے شر و فتنہ کی علامت قرار دی، اس دیوار میں سوراخ ہو جانے کو بعض محدثین نے اپنی حقیقت پر محمول کیا ہے، اور بعض نے اس کا مطلب بطور استعارہ اور مجاز کے یہ قرار دیا ہے کہ اب یہ سید ذوالقرنین کمزور ہو چکی ہے، خروج یاجوج ماجوج کا وقت قریب آ گیا ہے اور اس کے آثار عرب قوم کا تنزل و انحطاط کے رنگ میں ظاہر ہونگے، واللہ اعلم، اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر دجال کو قتل کر کے اس کے فتنہ کو ختم کریں گے،



مگر اس کے متصل ہی یا جوج ماجوج کا خروج ہوگا جو پوری دنیا میں فساد اور قتل و غارتگری کریں گے، مگر ان کا زمانہ بھی چند ایام ہی ہونگے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے یہ سب بیک وقت ہلاک ہو جائیں گے، غرض حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانے کے آخر میں اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے شروع میں دو فتنے دجال اور یا جوج ماجوج کے ہونگے، جو تمام زمین کے لوگوں کو تہہ و بالا کر دیں گے، ان ایام معدودہ سے پہلے اور بعد میں پوری دنیا کے اندر عدل و انصاف اور امن و سکون اور برکات ثمرات کا دور دورہ ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام کے سوا کوئی کلمہ اور مذہب زمین پر نہ رہیگا، زمین اپنے خزانوں و دفائن اگل دیگی، کوئی فقیر و محتاج نہ رہے گا، درندے اور زہریلے جانور بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں گے،

یا جوج ماجوج اور سید ذوالقرنین کے متعلق یہ معلومات تو وہ ہیں جو قرآن اور احادیث نبویہ نے امت کو بتلا دیئے ہیں، اسی پر عقیدہ رکھنا ضروری اور مخالفت ناجائز ہے، باقی رہی اس کی جغرافیائی بحث کہ سید ذوالقرنین کس جگہ واقع ہے، اور قوم یا جوج ماجوج کون سی قوم ہے، اور اس وقت کہاں کہاں بستی ہے، اگرچہ اس پر نہ کوئی اسلامی عقیدہ موقوف ہے، اور نہ قرآن کی کسی آیت کا مطلب سمجھنا اس پر موقوف ہے، لیکن مخالفین کی ہفتوات کے جوابات اور مزید بصیرت کے لئے علماء امت نے اس سے بحث فرمائی ہے، اس کا کچھ حصہ نقل کیا جاتا ہے،

قرطبی اپنی تفسیر میں بحوالہ سدی نقل کیا ہے کہ یا جوج ماجوج کے بائیس قبیلوں میں سے ایک قبیلوں کو سید ذوالقرنین سے بند کر دیا لیکن ایک قبیلہ سید ذوالقرنین کے اس طرف رہ گیا، وہ ترک ہیں، اس کے بعد قرطبی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کے متعلق جو باتیں بتلائی ہیں وہ یا جوج ماجوج سے ملتی ہوئی ہیں، اور آخر زمانہ میں مسلمانوں کی ان سے جنگ ہونا صحیح مسلم کی حدیث میں ہے، پھر فرمایا کہ اس زمانہ میں ترک قوم بڑی بھاری تعداد مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلی ہوئی ہے، جن کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، وہی مسلمانوں کو ان کے شر سے بچا سکتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی یا جوج ماجوج ہیں یا کم از کم ان کا مقدمہ ہیں (قرطبی، ص ۵۸ ج ۱۱) (قرطبی کا زمانہ چھٹی صدی ہجری ہے، جس میں فتنہ تار تار ظاہر ہوا اور اسلامی خلافت کو تباہ و برباد کیا، ان کا عظیم فتنہ تاریخ اسلام میں معروف اور تار تار یوں کا مغول ترک میں سے ہونا مشہور ہے)۔ مگر قرطبی نے ان کو یا جوج ماجوج کے مشابہ اور ان کا مقدمہ قرار دیا ہے، ان کے فتنہ کو وہ خروج یا جوج ماجوج نہیں بتایا جو علامات قیامت میں سے ہے، کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث مذکور میں اس کی تصریح ہے، کہ وہ خروج حضرت



عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کے زمانے میں ہوگا،

اسی لئے علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں ان لوگوں پر سخت رد کیا ہے، جنہوں نے تاتار ہی کو یاجوج ماجوج قرار دیا، اور فرمایا کہ ایسا خیال کرنا کھلی ہوئی گمراہی ہے، اور نصوص حدیث کی مخالفت ہے، البتہ یہ انہوں نے بھی فرمایا کہ بلاشبہ یہ فتنہ یاجوج ماجوج کے فتنہ کے مشابہ ضرور ہے، (روح ص ۴۴ ج ۱۶) اس سے ثابت ہوا کہ اس زمانے میں جو بعض مؤرخین موجودہ روس یا چین یا دونوں کو یاجوج ماجوج قرار دیتے ہیں، اگر اس سے ان کی مراد وہی ہوتی جو قرطبی اور آلوسی نے فرمایا، کہ ان کا فتنہ یاجوج ماجوج کے مشابہ ہے تو یہ کہنا کچھ غلط نہ ہوتا، مگر اسی کو وہ خروج یاجوج ماجوج قرار دینا جس کی خبر قرآن و حدیث میں بطور علالتِ قیامت دی گئی، اور اس کا وقت نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بتلایا گیا یہ قطعاً غلط اور گمراہی اور نصوص حدیث کا انکار ہے،

مشہور مؤرخ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اقلیم سادس کی بحث میں یاجوج ماجوج اور سد ذوالقرنین اور ان کے محل و مقام کے متعلق جغرافیائی تحقیق اس طرح فرمائی ہے:-

"ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں مغرب کی جانب ترکوں کے وہ قبائل آباد ہیں جو قنجاق اور چرکس کہلاتے ہیں، اور مشرق کی جانب یاجوج ماجوج کی آبادیاں ہیں، اور ان دونوں کے درمیان کوہ قاف حدِ فاصل ہے جس کا ذکر گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے، کہ وہ بحرِ محیط سے شروع ہوتا ہے، جو چوتھی اقلیم کے مشرق میں واقع ہے اور اس کے ساتھ شمال کی جانب اقلیم کے آخر تک چلا گیا ہے، اور پھر بحرِ محیط سے جدا ہو کر شمال مغرب میں ہوتا ہوا یعنی مغرب کی جانب جھکتا ہوا پانچویں اقلیم کے نوے حصہ میں داخل ہو جاتا ہے، یہاں سے وہ پھر اپنی پہلی سمت کو مڑ جاتا ہے، حتیٰ کہ ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے، اور یہاں پہنچ کر جنوب سے شمال مغرب کو ہوتا ہوا گیا ہے، اور اسی سلسلہ کوہ کے درمیان سدِ سکندری واقع ہے، اور ساتویں اقلیم کے نوے حصہ کے وسط ہی میں وہ سدِ سکندری ہے، جس کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں، اور جسکی اطلاع قرآن نے بھی دی ہے،

اور عبداللہ بن خردازبہ نے اپنی جغرافیہ کی کتاب میں واثق باللہ خلیفہ عباسی کا وہ خواب نقل کیا ہے، جس میں اس نے یہ دیکھا تھا کہ سدِ کھل گئی ہے، چنانچہ وہ گھبرا کر اٹھا اور دریافت حال کے لئے سلام ترجمان کو روانہ کیا، اس نے واپس آ کر اسی سد کے حالات و اوصاف بیان کئے (مقدمہ ابن خلدون ص ۷۹)

واثق باللہ خلیفہ عباسی کا سد ذوالقرنین کی تحقیق کرنے کے لئے ایک جماعت کو بھیجا اور انکا



تحقیق کر کے آنا بن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے، اور یہ کہ یہ دیوار لوہے سے تعمیر کی گئی ہے، اس میں بڑے بڑے دروازے بھی ہیں جن پر قفل پڑا ہوا ہے، اور یہ شمال مشرق میں واقع ہے اور تفسیر کبیر و طبری نے اس واقع کو بیان کر کے یہ بھی لکھا ہے کہ جو آدمی اس دیوار کا معائنہ کر کے واپس آنا چاہتا ہے تو رہنما اس کو ایسے چٹیل میدانوں میں پہنچاتے ہیں جو شرق قد کے محاذات میں ہے، (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۵۱۳)

حضرت الاستاذ حجۃ الاسلام سیدی حضرت مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیاة عیسیٰ علیہ السلام نے یاجوج ماجوج اور سدّ ذوالقرنین کا حال اگرچہ ضمنی طور پر بیان فرمایا ہے مگر جو کچھ بیان کیا ہے وہ تحقیق و روایت کے اعلیٰ معیار پر ہے، آپ نے فرمایا کہ مفسد اور وحشی انسانوں کی تاخت و تاراج سے حفاظت کے لئے زمین پر ایک نہین بہت سی جگہوں میں سدّین (دیواریں) بنائی گئی ہیں جو مختلف بادشاہوں نے مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں بنائی ہیں، ان میں سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے، جس کا طول ابو حیان اندلسی (دربار ایران کے شاہی مورخ) نے بارہ سو میل بتلایا ہے، اور یہ کہ اس کا بانی فغفور بادشاہ چین ہے، اور اس کی بناء کی تاریخ ہبوط آدم علیہ السلام تین ہزار چار سو ساٹھ سال بعد بتلائی، اور یہ کہ اس دیوار چین کو مغل لوگ اٹکوا وہ اور ترک لوگ بوقورقہ کہتے ہیں، اور فرمایا اس طرح کی اور بھی متعدد دیواریں سدّین مختلف مقامات پر پائی جاتی ہیں،

ہمارے خواجہ تاس مولانا حفظ الرحمن سہواری نے اپنی کتاب قصص القرآن میں حضرت شیخ کے اس بیان کی تاریخی توضیح بڑی تفصیل و تحقیق سے لکھی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

یاجوج ماجوج کی تاخت و تاراج اور شر و فساد کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ ایک طرف کاشیا کے نیچے بسنے والے ان کے ظلم و ستم کا شکار تھے تو دوسری جانب تبت و چین کے باشندے بھی ہر وقت ان کی زد میں تھے، انہی یاجوج ماجوج کے شر و فساد سے بچنے کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر متحدہ سدّ تیار کی گئی ہیں، ان میں سب سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے،

دوسری سدّ وسط ایشیا میں بخارا اور ترمذی کے قریب واقع ہے، اور اس کے محل وقوع کا نام در بند ہے، سدّ مشہور مغل بادشاہ تیمور لینگ کے زمانہ میں موجود تھی، اور شاہ روم کے خاص ہمنشین سیلابر جرمنی نے بھی اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے، اور اندلس کے بادشاہ کسٹیل کے قاصد کلاچو نے بھی



اپنے سفرنامہ میں اس کا ذکر کیا ہے، یہ ۱۴۰۳ء میں اپنے بادشاہ کا سفیر ہو کر جب تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس جگہ سے گزرا ہے، وہ لکھتا ہے کہ باب الحدید کی سدّ موصل کے اس راستہ پر ہے جو شمر قند اور ہندوستان کے درمیان ہے (از تفسیر جواہر القرآن طنطاوی ص ۱۹۸ ج ۹)

تیسری سدّ روسی علاقہ داغستان میں واقع ہے، یہ در بند اور باب الابواب کے نام سے مشہور ہے، یا قوت حموری نے معجم البلدان میں، ادریسی نے جغرافیہ میں اور بستانی نے دائرۃ المعارف میں اس کے حالات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

"داغستان میں در بند ایک روسی شہر ہے، یہ شہر بحر خزر (کاسپین) کے غربی کنارے پر واقع ہے، اس کا عرض البلد ۳-۴۳ اور طول البلد ۱۵-۴۸ ہے، اور اس کو در بند نوشیرواں بھی کہتے ہیں، اور باب الارباب کے نام سے بہت مشہور ہے۔"

چوتھی سدّ اسی باب الابواب سے مغرب کی جانب کاکیشیا کے بہت بلند حصوں میں ہے، جہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک درّہ درّہ داریال کے نام سے مشہور ہے، اس جگہ یہ چوتھی سدّ جو قفقاز یا جبل قوقایا کوہ قاف کی سدّ کہلاتی ہے، بستانی نے اس کے متعلق لکھا ہے:-

"اور اسی کے (یعنی سدّ باب الابواب کے) قریب ایک اور سدّ ہے جو غربی جانب بڑھتی چلی گئی ہے، غالباً اس کو اہل فارس نے شمالی بروں سے حفاظت کی خاطر بنایا ہوگا، کیونکہ اس کے بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہو سکا، بعض نے اس کی نسبت سکندر کی جانب کر دی ہے، اور بعض نے کسریٰ و نوشیرواں کی طرف اور یا قوت کہتا ہے کہ یہ تانبا پگھلا کر اس سے تعمیر کی گئی ہے، (دائرۃ المعارف جلد ۸، ص ۹) معجم البلدان جلد ۸، ص ۹"

چونکہ یہ سب دیواریں شمال ہی میں ہیں، اور تقریباً ایک ہی ضرورت کے لئے بنائی گئی ہیں، اس لئے ان میں سے سدّ ذوالقرنین کون سی ہے، اس کے متعین کرنے میں اشکالات پیش آئے ہیں، اور بڑا اختلاف ان آخری دو سدّوں کے معاملے میں پیش آیا، کیونکہ دونوں مقامات کا نام بھی در بند ہے، اور دونوں جگہ سدّ بھی موجود ہے، مذکور الصدر چار سدّوں میں سے دیوار چین سب سے زیادہ بڑی اور سب سے زیادہ قدیم ہے، اس کے متعلق تو سدّ ذوالقرنین ہونے کا کوئی قائل نہیں اور وہ بجائے شمال کے مشرق اقصیٰ میں ہے، اور قرآن کریم کے اشارہ سے اس کا شمال میں ہونا ظاہر ہے،

اب معاملہ باقی تین دیواروں کا رہ گیا جو شمال ہی میں ہیں، ان میں سے عام طور پر مورخین مسعودی، اصطخری حموری وغیرہ اس دیوار کو سدّ ذوالقرنین بتاتے ہیں جو داغستان یا کاکیشیا کے علاقہ



باب الابواب کے در بند میں بحرِ خضر پر واقع ہے، بخارا اور ترمذی کے در بند اور اس کی دیوار کو جن مورخین نے سدّ ذوالقرنین کہا ہے وہ غالباً لفظ در بند کے اشتراک کی وجہ سے ان کو اختلاط ہوا ہے، اب تقریباً اس کا محل وقوع متعین ہو گیا کہ علاقہ داغستان کاکیشیا کے در بند باب الابواب میں یا اس سے بھی اوپر جبل قفقاز یا کوہ قاف کی بلندی پر ہے، اور ان دونوں جگہوں پر سدّ کا ہونا مورخین کے نزدیک ثابت ہے،

ان دونوں میں سے حضرت الاستاد مولانا سید محمد انور شاہ قدس سرہ نے عقیدۃ الاسلام میں کوہ قاف قفقاز کی سدّ کو ترجیح دی ہے کہ یہ سدّ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی ہے، (عقیدۃ الاسلام ص ۲۹۷) آجکل تاریخ و جغرافیہ کے ماہرین اہل یورپ اس وقت ان شمالی دیواروں میں سے کسی کا موجود ہونا تسلیم نہیں کرتے اور نہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اب بھی یاجوج ماجوج کا راستہ بند ہے، اس بناء پر بعض اہل اسلام مورخین نے بھی یہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا ہے کہ یاجوج ماجوج جن کے خروج کا قرآن وحدیث میں ذکر ہے وہ ہو چکا ہے، بعض نے چھٹی صدی ہجری میں طوفان بن کراٹھنے والی قوم تاتار ہی کو اس کا مصداق قرار دے دیا ہے، بعض نے اس زمانے میں دنیا پر غالب آجانے والی قوموں روس اور چین اور اہل یورپ کو یاجوج ماجوج کہہ کر اس معاملہ کو ختم کر دیا ہے، مگر جیسا کہ اوپر بحوالہ روح المعانی بیان ہو چکا ہے کہ یہ سراسر غلط ہے، احادیث صحیحہ کے انکار کے بغیر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جس خروج یاجوج ماجوج کو قرآن کریم نے بطور علامت قیامت بیان کیا، اور جس کے متعلق صحیح مسلم کی حدیث نو اس بن سمان وغیرہ میں اس کی تصریح ہے کہ یہ واقعہ خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور قتل دجال کے بعد پیش آگاہ واقعہ ہو چکا کیوں کہ خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ اب تک نہیں ہوا،

البتہ یہ بات بھی قرآن وسنت کی کسی نص صریح کے خلاف نہیں ہے کہ سدّ ذوالقرنین اس وقت ٹوٹ چکی ہو، اور یاجوج ماجوج کی بعض قومیں اس طرف آچکی ہوں، بشرطیکہ اس کو تسلیم کیا جائے کہ ان کا آخری اور بڑا ہلہ جو پوری انسانی آبادی کو تباہ کرنے والا ثابت ہوگا وہ ابھی نہیں ہوا، بلکہ قیامت کی ان بڑی علامات کے بعد ہوگا جن کا ذکر اوپر آچکا ہے یعنی خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ،

حضرت الاستاذ حجۃ الاسلام علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اس معاملہ میں یہ ہے کہ اہل یورپ کا یہ کہنا تو کوئی وزن نہیں رکھتا کہ ہم نے ساری دنیا چھان ماری ہے ہمیں اس دیوار کا پتہ نہیں لگا،



کیوں کہ اول تو خود انھیں لوگوں کی یہ تصریحات موجود ہیں کہ سیاحت اور تحقیق کے انتہائی معراج پر پہنچنے کے باوجود آج بھی بہت سے جنگل اور دریا اور جزیرے ایسے باقی ہیں جنکا ہمیں علم نہیں ہو سکا، دوسرے یہ بھی احتمال بعید نہیں کہ اب وہ دیوار موجود ہونے کے باوجود پہاڑوں کے گھرنے اور باہم مل جانے کے سبب ایک پہاڑ ہی کی صورت اختیار کر چکی ہو، لیکن کوئی نص قطعی اس کے بھی منافی نہیں کہ قیامت سے پہلے یہ سد ٹوٹ جائے، یا کسی دور دراز کے طویل راستہ سے یا جوج ماجوج کی کچھ قومیں اس طرف آسکیں،

اس سید ذوالقرنین کے تا قیامت باقی رہنے پر بڑا استدلال تو قرآن کریم کے اس لفظ سے کیا جاتا ہے کہ

ذوالقرنین کا یہ قول کہ جب میرے رب کا وعدہ آپہونچے گا (یعنی خروج یا جوج ماجوج کا وقت آجائے گا) تو اللہ تعالیٰ اس اہنی دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کر دیں گے، اس آیت میں وعدہ ربی کا مفہوم ان حضرات نے قیامت کو قرار دیا ہے، حالانکہ الفاظ قرآن اس بارے میں قطعی نہیں، کیونکہ وعدہ ربی کا صریح مفہوم تو یہ ہے کہ یا جوج ماجوج کا راستہ روکنے کا جو انتظام ذوالقرنین نے کیا ہے یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہمیشہ اسی طرح رہے، جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے کہ ان کا راستہ کھل جائے تو یہ دیوار منہدم و مسمار ہو جائے گی، اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ بالکل قیامت کے متصل ہو، چنانچہ تمام حضرات مفسرین نے وعدہ رب کے مفہوم میں دونوں احتمال ذکر کئے ہیں، تفسیر بحر محیط میں ہے

والوعدیحتمل ان یراربه یوم القیاسۃ وان یراد به وقت خروج ویا جوج و ماجوج

اس کی تحقیق یوں بھی ہو سکتی ہے کہ دیوار منہدم ہو کر راستہ ابھی کھل گیا ہو، اور یا جوج ماجوج کے حملوں کی ابتدا ہو چکی ہو، خواہ اس کی ابتدا چھٹی صدی ہجری کے تاتار سے قرار دی جائے یا اہل یورپ اور روس و چین کے غلبہ سے، مگر یہ ظاہر ہے کہ ان متمدن قوموں کے خروج اور فساد کو جو آئینی اور قانونی رنگ میں ہو رہا ہے وہ فساد نہیں قرار دیا جاسکتا، جس کا پتہ قرآن و حدیث دے رہے ہیں کہ خالص قتل و غارت گری اور ایسی خون ریزی کے ساتھ ہوگا کہ تمام انسانی آبادی کو تباہ و برباد کر دیگا، بلکہ اس کا حاصل پھر یہ ہوگا کہ انہی مفسد یا جوج ماجوج کی کچھ قومیں اس طرف آ کر متمدن بن گئیں، اسلامی ممالک کے لئے بلاشبہ وہ فساد عظیم اور عظیمہ ثابت ہوئیں مگر ابھی ان کی وحشی قومیں جو قتل و خون ریزی کے سوا کچھ نہیں جانتیں وہ تقدیری طور پر اس طرف نہیں آئیں اور بڑی تعداد ان کی ایسی ہی ہے، ان کا خروج قیامت کے بالکل قریب میں ہوگا،



دوسرا استدلال ترمذی اور مسند احمد کی اس حدیث سے کیا جاتا ہے جس میں مذکور ہے کہ یا جوج ماجوج اس دیوار کو روزانہ کھودتے رہتے ہیں، مگر اوّل تو اس حدیث ابن کثیر نے معلول قرار دیا ہے، دوسرے اس میں بھی اس کی کوئی تصریح نہیں کہ جس روز یا جوج ماجوج انشاء اللہ کہنے کی برکت سے اس کو پار کر لیں گے وہ قیامت کے متصل ہی ہوگا، اور اس کی بھی اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں کہ سارے یا جوج ماجوج اسی دیوار کے پیچھے رکے ہوئے رہیں گے، اگر ان کی کچھ جماعتیں یا قومیں کسی دور دراز کے راستہ سے اس طرف آجائیں، جیسا کہ آج کل کے طاقتور بحری جہازوں کے ذریعہ ایسا ہو جانا کچھ مستبعد نہیں، اور بعض مورخین نے لکھا بھی ہے کہ یا جوج ماجوج کو طویل بحری سفر کر کے اس طرف آنے کا راستہ مل گیا ہے، تو اس حدیث سے اس کی بھی نفی ہوتی،

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن و سنت میں کوئی ایسی دلیل صریح اور قطعی نہیں ہے کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ سدّ ذوالقرنین قیامت تک باقی رہے گی، یا ان کے ابتدائی اور معمولی حملے قیامت سے پہلے اس طرف کے انسانوں پر نہیں ہو سکیں گے، البتہ وہ انتہائی خوف ناک اور تباہ کن حملہ جو پوری انسانی آبادی کو برباد کر دیگا، اس کا وقت بالکل قیامت کے متصل وہی ہوگا جس کا ذکر بار بار آچکا ہے، حاصل یہ ہے کہ قرآن و سنت کی نصوص کی بنا پر نہ یہ قطعی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ سدّ یا جوج ماجوج ٹوٹ چکی ہے اور راستہ کھل گیا ہے، اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ از روئے قرآن و سنت اس کا قیامت تک قائم رہنا ضروری ہے، احتمال دونوں ہی ہیں، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و حقیقۃً الحلال،

خلاصہ تفسیر - ۴:

اور ہم اس روز (یعنی جب اس دیوار کے انہدام کا یوم موعود آگے اور یا جوج ماجوج کا خروج ہوگا تو اس روز ہم) ان کی یہ حالت کریں گے کہ ایک میں ایک گڈٹڈ جائیں گے، کیوں کہ یہ کثرت سے ہونگے اور بیک وقت نکل پڑیں گے اور سب ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں ہونگے (اور) یہ قیامت کے قریب زمانے میں ہوگا، پھر بعد چندے قیامت کا سامان شروع ہوگا، ایک بار اوّل صور پھونکا جائے گا جس سے تمام عالم فنا ہو جائے گا، پھر (دوبارہ) پھونکا جائے گا (جس سے سب زندہ ہو جائیں گے) پھر ہم سب کو ایک ایک کر کے (میدانِ حشر میں) جمع کر لیں گے اور دوزخ کو اس روز کافروں کے سامنے پیش کر دیں گے جن کی آنکھوں پر (دنیا میں) ہماری یاد سے (یعنی دینِ حق کے دیکھنے سے) پردہ پڑا ہوا تھا اور (جس طرح یہ حق کو دیکھتے نہ تھے اسی طرح اس کو) وہ سن بھی نہ سکتے تھے (یعنی حق کو معلوم کرنے کے ذرائع دیکھنے اور سننے کے سبب راستے بند کر رکھے تھے۔



## اقتباسات از تفسیر ماجدی جلد ۳

اور آپ سے لوگ ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

ذوالقرنین۔ طرز سوال سے خود ہی یہ نکل آیا کہ ذوالقرنین کا لقب قرآن کا دیا ہوا نہیں بلکہ یہ کوئی ایسی شخصیت تھی جس سے یہود خوب واقف تھے، اور عرب میں یہ نام چلا ہوا تھا۔  
عرب کا خیال یہ تھا کہ دنیا میں چار بادشاہ آفاق گیر ہوئے ہیں، اور ان ہی میں ایک ذوالقرنین تھا۔

وقال ابن الکلبی ملک الارض اربعة نفر۔۔۔۔۔ سلیمان بن داؤد و ذوالقرنین۔۔۔۔۔  
و نمرود و بخت نصر۔ (المختبر ۳۹۳)

قرن کے لفظی معنی سینگ یا شاخ کے ہیں۔ اس لئے ذوالقرنین کے لفظی معنی ہوئے دو سینگوں والا اور ایک معنی قوت کے بھی لئے گئے ہیں۔

مجاورہ یہود میں قرن یا سینگ، علامت شوکت و اقتدار کے تھے۔ چنانچہ روایات یہود ہیں کہ جب حضرت موسیٰ کوہ طور سے توریث لے کر واپس ہوئے ہیں، تو آپ کے سر پر دو سینگ بھی نمودار تھے۔ بلکہ آپ کی جو قدیم قلمی تشبیہیں ملی ہیں، ان میں سے بعض اسی صورت سے ہیں۔ اور توریث کے متعدد مقامات پر اس مجاز کو بہ طور حقیقت کے بیان کیا ہے۔ مثلاً:   
”اور یوسف کے حق میں کہا کہ اس کی سرزمین خداوند کے حضور متبرک ہووے۔۔۔۔۔ اس کی شاندار ایسی ہے جیسے اس کے نیل کو یلوٹھے کی اور اس کے دو سینگ گینڈے کے اسے سینگ (اشاء۔ ۳۳: ۱۳ اد ۱)“

”میرا دل خداوند سے خوش ہے، خداوند کی وجہ سے میرا سینگ اونچا ہوا، میرا منہ میرے دشمنوں کے سامنے کھولا گیا۔“ (سموئیل۔ ۱: ۲)

”اس دن میں ایسا کروں گا کہ اسرائیل کے خاندان کا سینگ بھونٹے گا اور تجھے ان کے درمیان منہ کی کشادگی عطا کروں گا۔“ (حزقی ایل۔ ۲۹: ۲۱)

ذوالقرنین کا یہ لقب کیوں پڑا، اور اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے، اس کے جواب میں کثرت سے اقوال و روایات نقل ہوئے ہیں۔ ایک مشہور توجیہ، جس کی بنیاد خلافت پیر فروع پر بتائی جاتی ہے، یہ ہے کہ ذوالقرنین مشرق و مغرب کی سیر کئے ہوئے تھا۔ (توجیہ ص ۱۰۰)   
 (توجیہ ص ۱۰۰)   
 (توجیہ ص ۱۰۰)



اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ یہ ذوالقرنین تھا کون؟ ظاہر ہے کہ جس شخصیت کی تصریح سے قرآن بھی قاصر ہو اور حدیث صحیح بھی اور تاریخ میں بھی کوئی واضح و متعین جواب نہ ملتا ہوا، اس کے متعلق صرف کچھ قرائن و قیاسات ہی قائم کر سکتے ہیں، کسی قطعی و حتمی تحقیق کی کوئی صورت ہی نہیں۔

۱۔ ملوک حمیر یمن میں سے ایک پر قوت بادشاہ الصعب بن قرین بن الہمال گزرا ہے۔ عرب اس کو ذوالقرنین کہتے تھے، اور ان کے مورخوں کا خیال یہ تھا کہ یہی قرآنی ذوالقرنین ہے۔

۲۔ ملک حیرہ (سرحد ایران و عرب) کے خاندان نجمیہ کا فرماں روا منذر ابن امری القیس جو منذر الاکبر بھی کہلاتا ہے، وہ بھی اسی لقب کا حامل ہے۔ اسلئے کہ اس کی پیشانی کے دونوں طرف گھونگر والے کاکل تھے۔ اس کی مدت سلطنت ۴۹ سال رہی، اور اس کی ماں کا نام ماء السماء تھا۔

بلکہ قدیم و مشہور لغوی ابن درید (صاحب الجہرۃ) نے امری القیس کا یہ شعر بھی اسی کی شان میں نقل کیا ہے۔

☆ اصدنشاخص ذی القرنین حتی  
تولتی عارض الملک الہمام

ابن درید نے ساتھ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ یہ ذوالقرنین قرآنی نہیں ہے۔ اور یہی لسان نے بھی نقل کر دیا ہے۔

۳۔ مفسرین کا بڑا گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ قرآنی ذوالقرنین، یونان کا مشہور کشور کشا اسکندر مقدومی (۳۵۶ ق۔ م تا ۳۲۳ ق۔ م) ہوا ہے۔

یعنی اسکندر الدومی۔ (بیضاوی)

اسمہ اسکندر (جلالین)

الاسکندر الذی ملک الدنیا (مدارک)

قیل اسمہ اکسندرین فیلقوس (معالم)

وذوالقرنین هو الاسکندر الیونانی ذکرہ ابن اسحق (لجر)

بلکہ امام رازی نے تو یہ حکم قطیعت کے ساتھ لگا دیا ہے۔

و جب القطع بان المواد بذی القرنین هو الاسکندر بن فیلبوس

الیونانی۔ (کبیر)

اور اہل لغت نے یہ تشریح بطور ایک مسلمہ کے نقل کر دی ہے۔

لقب اسکندر الدومی (جوہری)



وذو القرنين المذكور في التتزيل هو الا سكندر الرومي (قاموس - تاج)  
 وذو القرنين الموصوف في التتزيل لقب لا سكندر اللدومي (السان)  
 ذى القرنين هو الا سكندر (نهایہ)

اور یہی راہ تاریخ ویر کے بعض مشاہیر نے بھی اختیار کی ہے۔

اسمہ الاسکندر و هو الذی بنی الا سکندریتہ فنسبت الیہ (ابن ہشام - اسلام  
 حمزہ بن عبدالمطلب)

وقال الطبری فی الاسکندر هو اسکندر روس بن قیلقومس (الروض  
 الانف - للسہلی)

۳۔ مفسرین ہی کے ایک گروہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسکندر سے مراد یہ مشہور سکندر مقدونی نہیں،  
 بلکہ ایک قدیم تر سکندر ہے جو موحد تھا، اور حضرت ابراہیمؑ کا ہم عصر یعنی سکندر مقدونی سے دو ہزار  
 سال قبل۔ (ابن کثیر)

لیکن تاریخ اس سکندر کے ذکر سے خاموش ہے۔

۵۔ لقب ذوالقرنین کا پانچواں مصداق ایران کے بادشاہ عظیم فورس کو مانا گیا ہے جس کے نام  
 کے تلفظ مختلف زبانوں میں سائیس، گوروش اور کخسر وہیں، اس کی وفات ۵۳۹ ق۔ م میں ہوئی ہے۔  
 یہ فارس اور میڈیا و ملکوں کا متفقہ بادشاہ تھا، اور اپنے زمانہ کا بڑا مشہور فاتح و کشور کشا ہوا ہے۔

موافق و مخالف محسوسوں پر نظر کرنے کے بعد ان سطور کے راقم آتم کو مفسرین کے سواد اعظم کی  
 رائے قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے، جس نے ذوالقرنین کا مصداق سکندر یونانی کو قرار دیا ہے۔ البتہ  
 تذبذب اس بنا پر ہے کہ سکندر کے موحد و صاحب ایمان ہونے کی کوئی واضح شہادت نہیں ملتی۔ اور یہ ذرا  
 مستبعد ہی ہے کہ قرآن مجید محل مدح پر ذکر ایسے بادشاہ کا کرے، جو نعمت تو حید سے محروم ہو۔ تاریخی  
 روایتیں جو اس کے حق میں ملتی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ وہ وقت کے دین تو حید (یہودیت) کا ہمدرد تھا اور معبد  
 یہود کی عظمت کرتا تھا مشرک بادشاہوں کے عالم طریقہ کے برخلاف۔

باقی دلائل و شواہد کے لحاظ سے گنجائش اس فریق کے حق میں بھی ہے، جو ذوالقرنین فورس  
 اعظم ایرانی کو قرار دیتا ہے۔ (واللہ اعلم)

مرشد تھا نوی نے فرمایا کہ مال بلکہ خزان و جاہ یہاں تک کہ سلطنت کا حاصل ہو جانا بھی  
 منافی کمال نہیں۔



اب تاریخ و جغرافیہ کی شہادت یہ ہے کہ سکندر کی ابتدائی فتوحات کی سمت (یعنی سمت مغرب میں) ایک بڑی جھیل آکر یڈا کے نام سے جنوبی سر بیا (موجودہ یوگوسلاویہ) میں واقع ہے، مناسبتاً سے کوئی ۵۰ میل جانب مغرب، اس کا پانی جن زمین دوز چشموں سے آتا ہے، وہ بڑے گندے ہیں یا سیاہی مائل یہاں تک کہ جو دریا اس جھیل سے نکلا ہے اس کا نام بھی دریائے سیاہ (Black Drin) ہے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

وجد: یہاں اپنے پہلے معنی میں ہے، یعنی اس گندے چشمہ کے کنارہ ایک قوم آباد تھی۔  
یعنی سزا دو تو ان کے کفر سابق کی بنا پر وہ بھی ٹھیک ہے اور انھیں نرمی سے دعوت ایمان دو تو وہ بھی ان کی توقع ایمان کی بنا پر مناسب ہے۔ اس کا فیصلہ ذوالقرنین ہی پر چھوڑ دیا گیا ہے جیسا کہ ہر ایسے موقع پر امام مسلمین یا امیر مومنین پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

هذا التحییر علی معنی الاجتہاد فی اصلح الامرین (کبیر)

قلنا: یہ ارشاد خداوندی الہاماً ہی ہوا ہوگا، جبکہ ذوالقرنین بنی نہ تھے۔

قال القشیری ابو نصران کان تبیا فہو وحی وان لمریکن نبیا فہو الہام (قرطبی)  
قول خداوندی کے اس طرز استعمال کی مثالیں قرآن مجید میں کثرت سے ملتی ہیں۔  
ذوالقرنین نے کہا کہ اچھا تو میں ابھی نرمی کا طریقہ اختیار کرتا ہوں اور پہلے ان لوگوں کو دعوت ایمان ہی دیتا ہوں۔

من ظلمہ: ظلم یہاں ایمان کے مقابل اور اس لئے کفر کے معنی میں ہے اور ظالم کافر کے معنی ہیں۔  
کذلک: تحقیق و تاکید کے لئے آتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ ہم بیان کر رہے ہیں اصل حقیقت اور واقعہ ہے، اور ہم کو ذوالقرنین اور اس کے ساز و سامان کی پوری اطلاع ہے۔ (اور اب کی بھی سمت مشرق ہی تھی)

قرآن مجید میں اس سمت کی بابت کوئی اشارہ نہیں۔ قدیم مفسرین نے اپنے وقت کی جغرافیائی معلومات پر اعتماد کر کے لکھ دیا ہے کہ سمت شمال مراد ہے۔ لیکن اس پر کوئی دلیل نقلی یا عقلی قائم نہیں کی ہے۔ ان کے قیاس کی بنیاد و تمام تر یہ ہے کہ قدیم جغرافیہ میں انسانی آبادی عموماً شمال ہی کے سمت دکھائی گئی ہے۔ اغلب یہ ہے کہ اس تیسرے جنگی سفر کی سمت بھی مشرق ہی تھی اور چونکہ سمت مشرق کا ذکر ابھی اوپر آچکا ہے اس لئے کسی مزید تصریح و تعیین کے ضرورت نہ تھی۔

یعنی ذوالقرنین اور اس کے لشکریوں کی زبان ان کے لئے بالکل اجنبی تھی۔



عجب نہیں جو یہ ترکستانی قبائل ہوں، جن کی زبان، تلفظ، لب و لہجہ سب یونانیوں کے لئے اجنبی تھا۔

بین السدین: سد کے اصلی معنی دو چیزوں کے درمیان اوٹ یا رکاوٹ کے ہیں۔ اور اس کے عموم میں پہاڑ درہ وغیرہ سب شامل ہیں۔ یہاں مراد پہاڑ لی گئی ہے۔ (تا کہ وہ پھر ہمارے ملک میں نہ آنے پائیں)۔

یا جوج و ماجوج: بہ ظاہر یہ وہ منگولی قبیلے معلوم ہوتے ہیں، جو پہاڑوں کی دوسری طرف آباد تھے، اور کبھی کبھی موقع پا کر یلغار کرتے ہوئے ترکوں کے درمیان گھس آتے تھے۔

یا جوج اور ماجوج کا اشتقاق اہل لغت نے مادہ اُج سے کیا ہے، جس کے معنی آگ کے شعلہ مارنے اور پانی کے تموج و تلاطم کے ہیں، ان کے یہ نام کی شدت شورش کی بنا پر پڑے۔ بعض نے انھیں اسماء عجیبی بھی کہا ہے۔

عہد عتیق کے صحیفہ حزقی ایل کے باب ۳۸ و ۳۹ میں یا جوج و ماجوج کا ذکر بار بار آیا ہے، اور پیشین گوئیاں بھی درج ہیں، لیکن کچھ تفصیلات بیان نہیں ہوئی ہیں۔ بائبل کے شارحین بھی آج تک ان کی تعیین میں مضطرب ہیں۔ کوئی یا جوج و ماجوج کو دو قومیں قرار دیتا ہے، اور کوئی کہتا ہے کہ یا جوج قوم کا نہیں مقام کا نام ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یا جوج یافت بن نوح کی نسل سے ہے۔ عام طور پر ان لوگوں کی سکونت ایشیا کوچک اور آرمینیا میں سمجھی گئی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ وہی قومیں ہیں جو سیتھین (Saythins) یا تورانی کہلاتی ہیں۔ بہر حال بائبل اور اس کی شروح سے قرآنی یا جوج و ماجوج پر کچھ زیادہ روشنی نہیں پڑتی۔

قرآنی اشاروں سے تو بس پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی شورہ پشت وہ شورش پسند پہاڑی قبیلے تھے۔ اور جو آبادیاں ان کی تاخت کی زد میں تھیں انھوں نے ذوالقرنین سے عرض کیا کہ ہم ان سے سخت پریشان ہیں، کہئے لو ہم چندہ فراہم کر دیں، اور آپ ہمارے ان کے درمیان ایسی حد فاصل قرار دیں جسے توڑ کر یہ حملہ آور نہ ہو سکیں۔

اور مفسرین بیضاوی نے اپنی فارسی کتاب نظام التواریخ (مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۳۰ء) میں سد یا جوج ماجوج کو اصلاً منسوب اسی سکندر یونانی کی طرف کیا ہے، گو آگے چل کر یہ قول بھی نقل کر دیا ہے کہ یہ سکندر وہ نہ تھا جو ذوالقرنین کہلاتا ہے۔ "سکندر الملقب بذی القرنین" کے تحت میں ہیں:-

"سینوہ سال در جملہ جہان بگردید و تمامت معمورہ زمین در تحت امور خود آورد، چند شہر بنا کر



دراز آن جملہ آن شہرستان مرو و ہرات و اصفہان و اسکندریہ و سد یا جوج و ماجوج گویند این اسکندر غیر از ذوالقرنین بووہ است۔“

یاجوج و ماجوج کے سلسلہ میں بہت کم لوگوں کو اس کا علم ہوگا کہ ان کی بڑی بڑی دیوہیکل مورتیاں شہر لندن میں شہر کی مرکزی نیم سرکاری مشہور عمارت گلڈ ہال کے عین صدر پھاٹک پر بہ طور محافظ و دربان کے مدت دراز سے نصب چلی آرہی تھیں۔ اور ابھی مارچ ۱۹۵۳ء کی بات ہے کہ یہ مورتیاں ہٹا دی گئیں۔

بعض اہل قلم نے بڑا لطیف استدلال ان دیوپیکر مورتیوں کے وجود سے مغربی قوموں اور یاجوج ماجوج کی باہمی مماثلت و مناسبت پر کیا ہے۔

فقہاء نے یہاں دو مسئلے مستنبط کئے ہیں ایک یہ کہ بادشاہ کو جائز ہے کہ رعایا کی درخواست پر اس کی رفاہ عام اور تحفظ کے سامان کو یہ معاوضہ و اجرت درست کرائے۔ دوسرے یہ کہ معاوضہ و اجرت جس طرح مال سے صحیح ہے محنت یا کام سے بھی صحیح ہے چنانچہ ذوالقرنین نے کہا ہے کہ کام تم کرو، دیوار میں بنوائے دیتا ہوں۔ اس میں معاوضہ کی صورت کام سے بھی آگئی اور مال سے بھی۔  
روما: روم کہتے ہیں بہت نچتہ اور سنگین و مضبوط قسم کے حجاب کو۔

چنانچہ سامان جمع ہو گیا اور کام شروع ہو گیا۔ قرآن مجید (جیسا کہ ہر بلخ ادب و انشاء کا دستور ہے) ایسے صریح مقامات پر صراحت کو حشو سمجھ کر حذف کر جاتا ہے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بنیادیں وغیرہ تو پتھر سے بھری گئی ہوں گی اور اوپر سے اس درہ کو لوہے کی چادروں کے دروازہ سے بند کیا گیا ہوگا۔

نزول قرآن کے صدیوں بعد سیاحوں کے مشاہدہ میں ایک اہنی دیوار مقام 'در بند' میں آئی۔ اور اس کا نام 'سد سکندری' ہی مشہور تھا اور وہ پھاٹک باب الحدید ہی کہلاتا تھا۔ یہ 'در بند' وہ نہیں جو بحر قزدین کے مشرقی ساحل پر علاقہ قفقاز میں واقع ہے جیسا کہ بعض مفسرین جدید کو دھوکا ہوا ہے۔ بلکہ یہ وہ 'در بند' ہے جو علاقہ وسط ایشیا کے مشرقی حصہ میں ضلع حصار میں واقع ہے۔ اس کا ذکر مشہور یورپین سیاح مارکو پولو نے اپنے سفر نامہ میں بھی کیا ہے۔ نیز انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع یازد ۱۱، ہم جلد ۱۳، ۵۲۶ پر ہے۔

ظاہر ہے کہ سارے کام آلات جبر ثقیل وغیرہ اعلیٰ درجہ کی مٹیوں کی مدد سے انجام پائے ہوں گے، اور ذوالقرنین کے تحت میں بڑے بڑے ماہرین فن انجینیر اور مہندس ہوں گے۔



ساوے بین الصدفین: یعنی جو خلابدونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیان رہ گیا تھا اسے پہاڑوں کے برابر کر دیا۔

جعلہ ناراً: یعنی خوب لال انگارہ کر دیا جیسا کہ لوہا خوب تپنے کے بعد ہو جاتا ہے۔

(اور اس دیوار کی بلندی و استحکام کے باعث ان وحشی و جنگجو قوموں کی تاخت و تاراج سے

امن ہو گیا)

ان ظہر وہ: کے لفظی معنی یہ ہیں کہ اس پر غالب نہ آسکے۔ اور دیوار پر غالب آنے سے مراد یہاں اس پر چڑھ سکتا ہے۔

(جو بہر نوع و بہر صورت پورا ہو کر ہی رہتا ہے)

ذوالقرنین کے قول کا مطلب یہ ہے کہ سر دست تو میں نے ان موزیوں کے شر سے تم کو محفوظ کر دیا ہے، باقی جب اس کے فنا کا وقت آئیگا تو یہ دیوار سنگ و آہن بھی باوجود اس استحکام کے زمین دوز ہو کر نیست و نابود ہو جائے گی، اور جس طرح ہر شے فانی ہے، یہ بھی اپنے وقت پر فنا ہو کر رہے گی۔

وعدتی: ای وقت و وعدہ تعالیٰ۔ (روح)

وعدتی: پروردگار کا وعدہ یعنی اس وعدہ کے پورا ہونے کا وقت۔

یہ کس روز؟ یومئذ سے کس روز کی طرف اشارہ ہے؟ بظاہر مراد اس دیوار کے ہدم کے دن سے ہے، یا اس وقت کے قرب سے ہے۔

لیکن بعض نے اس سے یوم قیامت مراد لیا ہے، اور یہ مفہوم بھی سیاق قرآنی سے کچھ زیادہ بعید نہیں، اس صورت میں بعضہمہ میں ضمیر ہمہ بجائے یا جوج و ما جوج کے خلق کی جانب ہو جائے گی۔ یومئذ کی جودونوں تفسیریں نقل ہوئیں ان میں باہم کوئی منافات نہیں، ہدم دیوار کا وقوع عن قرب قیامت ہی میں تو ہوگا۔

یموج فی بعض: کا صحیح ترجمہ لہریں مارنا ہی ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہ قومیں سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتی ہوئی موجوں کی طرح ایک دوسرے سے گتھی ہوئی، ایک دوسرے پر پلپٹی پڑتی ہوئی، نکل پڑیں گی۔

موج سے تشبیہ اس لحاظ سے بھی ہو سکتی ہے کہ ایک قوم دوسرے سے ڈرتی ہوئی سہمتی ہوئی اس سے چمٹ جائے گی۔ قدیم مفسرین اس پہلو سے یکسر نا آشنا نہیں۔ اور آج کی فرنگی قوموں پر تو یہ پوری طرح صادق ہے۔



## از تلخیص تفہیم القرآن جناب مولانا موودوی صاحب

ویسئلونک عن ذی القرنین کا عطف لامحالہ پچھلے قصے ہی پر ہے۔ اس سے خود بخود یہ اشارہ نکلتا ہے کہ قصہ موسیٰ و خضر بھی لوگوں کے سوال ہی کے جواب میں سنایا گیا ہے اور یہ بات ہمارے اس قیاس کی تائید کرتی ہے کہ سورے کے یہ تینوں اہم قصے دراصل کفار مکہ نے اہل کتاب کے مشورے سے امتحاناً دریافت کیے تھے۔

یہ مسئلہ قدیم زمانے سے اب تک مختلف فیہ رہا ہے کہ یہ ”ذوالقرنین“ جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے، کون تھا۔ قدیم زمانے میں بلعموم مفسرین کا میلان سکندر کی طرف تھا، لیکن قرآن میں اس کی جو صفات و خصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ مشکل ہی سے سکندر پر چسپاں ہوتی ہیں۔ جدید زمانے میں تاریخی معلومات کی بنا پر مفسرین کا میلان زیادہ تر ایران کے فرماں روا خورس (خسرو یا سائرس) کی طرف ہے، اور یہ نسبت زیادہ قرین قیاس ہے، مگر بہر حال ابھی تک یقین کے ساتھ کسی شخصیت کو اس کا مصداق نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

قرآن مجید جس طرح اس کا ذکر کرتا ہے اس سے ہم کو چار باتیں وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہیں:

اس کا لقب ذوالقرنین (لغوی معنی ”دو سینگوں والا“) کم از کم یہودیوں میں، جن کے اشارے سے کفار نے اس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا، ضرور معروف ہونا چاہیے۔ اس لیے لامحالہ ہمیں یہ معلوم کرنے کے لیے اسرائیلی لٹریچر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کہ وہ ”دو سینگوں والے“ کی حیثیت کس شخصیت یا سلطنت کو جانتے تھے۔ (۲) وہ ضرور کوئی بڑا فرماں روا اور فاتح ہونا چاہیے جس کی فتوحات مشرق سے مغرب تک پہنچی ہوں، اور تیسری جانب شمال یا جنوب میں بھی وسیع ہوئی ہوں۔ ایسی شخصیتیں نزول قرآن سے پہلے چند ہی گزری ہیں اور لامحالہ انہی میں سے کسی میں اس کی دوسری خصوصیات ہمیں تلاش کرنی ہونگی۔ (۳) اس کا مصداق ضرور کوئی ایسا فرمانروا ہونا چاہیے جس نے اپنی مملکت کو یا جوج و ماجوج کے حملوں سے بچانے کے لیے کسی پہاڑی درے پر ایک مستحکم دیوار بنائی ہو۔ اس علامت کی تحقیق کے لیے ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہوگا کہ یا جوج و ماجوج سے مراد کونسی قومیں ہیں، اور پھر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ان کے علاقے سے متصل کونسی ایسی دیوار کبھی دنیا میں بنائی گئی ہے اور وہ کس نے بنائی ہے۔ (۴) اس میں مذکورہ بالا خصوصیات کے ساتھ ایک یہ خصوصیت بھی پائی جانی چاہیے کہ وہ خدا پرست اور عادل فرمانروا ہو، کیونکہ قرآن یہاں سب



سے بڑھ کر اس کی اسی خصوصیت کو نمایاں کرتا ہے۔

ان میں سے پہلی علامت آسانی کے ساتھ خورس پر چسپاں کی جاسکتی ہے، کیونکہ بائبل کے صحیفہ دانی ایل میں دانیال نبی کا جو خواب بیان کیا گیا ہے اس میں وہ یونانیوں کے عروج سے قبل میڈیا اور فارس کی متحدہ سلطنت کو ایک مینڈھے کی شکل میں دیکھتے ہیں جس کے دو سینگ تھے۔ یہودیوں میں اس ”دوسینگوں والے“ کا بڑا چرچا تھا کیونکہ اسی کی ٹکر نے آخر کار بابل کی سلطنت کو پاش پاش کیا اور نبی اسرائیل کو اسیری سے نجات دلائی۔ (سورہ نبی اسرائیل، حاشیہ ۸)۔ دوسری علامت بڑی حد تک اس پر چسپاں ہوتی ہے، مگر پوری طرح نہیں۔ اس کی فتوحات بلاشبہ مغرب میں ایشیائے کوچک اور شام کے سوا حل تک اور مشرق میں باختر (بلخ) تک وسیع ہوئیں، مگر شمال یا جنوب میں اس کی کسی بڑی مہم کا سراغ ابھی تک تاریخ سے نہیں ملا ہے، حالانکہ قرآن صراحت کے ساتھ ایک تیسری مہم کا بھی ذکر کرتا ہے۔ تاہم اس مہم کا پیش آنا بعید از قیاس نہیں ہے، کیونکہ تاریخ کی رو سے خورس کے سلطنت شمال میں کاکیشیا (قفقاز) تک وسیع تھی۔ تیسری علامت کے بارے میں یہ تو قریب قریب متحقق ہے کہ یاجوج و ماجوج سے مراد روس اور شمالی چین کے وہ قبائل ہیں جو تاتاری، منگولی، ہن اور سٹیپھین وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں اور قدیم زمانے سے متمدن ممالک پر حملے کرتے رہے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ ان کے حملوں سے بچنے کے لیے قفقاز کے جنوبی علاقے میں در بند اور داریال کے استحکامات تعمیر کیے گئے تھے۔ لیکن یہ ابھی تک ثابت نہیں ہو سکا ہے کہ خورس ہی نے یہ استحکامات تعمیر کیے تھے۔ آخری علامت قدیم زمانے کے معروف فاتحوں میں اگر کسی پر چسپاں کی جاسکتی ہے تو وہ خورس ہی ہے۔ کیونکہ اس کے دشمنوں تک نے اس کے عدل کی تعریف کی ہے اور بائبل کی کتاب عزرا اس بات پر شاہد ہے کہ وہ ضرور ایک خدا پرست اور خدا ترس بادشاہ تھا جس نے نبی اسرائیل کو ان کی خدا پرستی کی بنا پر بابل کی اسیری سے رہا کیا اور اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کے لیے بیت المقدس میں دوبارہ ہیكل سلیمانی کی تعمیر کا حکم دیا۔ اس بنا پر ہم یہ تو ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ نزول قرآن سے پہلے جتنے مشہور فاتحین عالم گزرے ہیں ان میں سے خورس ہی کے اندر ذوالقرنین کی علامات زیادہ پائی جاتی ہیں، لیکن تعین کے ساتھ اس کو ذوالقرنین قرار دے دینے کے لیے ابھی مزید شہادتوں کی ضرورت ہے۔ تاہم دوسرا کوئی فاتح قرآن کی بتائی ہوئی علامات کا اتنا بھی مصداق نہیں ہے جتنا خورس ہے۔ تاریخی بیان کے لیے صرف اتنا ذکر کافی ہے کہ خورس ایک ایرانی فرمانروا تھا جس کا عروج ۵۴۹ ق م کے قریب زمانے میں شروع ہوا۔ اس نے چند سال کے عرصے میں میڈیا (الجبال) اور لیڈیا (ایشیائے کوچک) کی سلطنتوں کو مسخر کرنے کے بعد



۵۲۹ ق م میں بابل کو بھی فتح کر لیا جس کے بعد کوئی طاقت اس کے راستہ میں مزاحم نہیں رہی۔ اس کے فتوحات کا سلسلہ سندھ اور صغد (موجودہ ترکستان) سے لے کر ایک طرف مصر اور لیبیا تک اور دوسری طرف تھریس اور مقدونہ تک وسیع ہو گیا اور شمال میں اس کی سلطنت قفقاز (کاکیشیا) اور خوارزم تک پھیل گئی۔ عملاً اس وقت کی پوری مہذب دنیا اس کی تابع فرمان تھی۔ غروب آفتاب کی حد سے مراد جیسا کہ ابن کثیر نے لکھا ہے: اقصیٰ مایسلك فیہ من الارض من فاحیة المغرب ہے نہ کہ آفتاب غروب ہونے کی جگہ۔ مراد یہ ہے کہ وہ مغرب کی جانب ملک پر ملک فتح کرتا ہوا خشکی کے آخری سرے تک پہنچ گیا جس کے آگے سمندر تھا۔ یعنی وہاں غروب آفتاب کے وقت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سورج سمندر کے سیاہی مائل گدے پانی میں ڈوب رہا ہے۔ اگر فی الواقع ذوالقرنین سے مراد خورس ہی ہو تو یہ ایشیا کے کوچک کا مغربی ساحل ہو گا جہاں بحر اخبین چھوٹی چھوٹی خلیجوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس قیاس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ قرآن یہاں بحر کے بجائے عین کا لفظ استعمال کرتا ہے جو سمندر کے بجائے جھیل یا خلیج ہی پر زیادہ صحت کے ساتھ بولا جاسکتا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات براہ راست وحی یا الہام کے ذریعہ ہی سے ذوالقرنین کو خطاب کر کے فرمائی ہو، حتیٰ کہ اس سے ذوالقرنین کا نبی یا محدث ہونا لازم آئے۔ بلکہ یہ ارشاد زبان حال کے واسطے سے بھی ہو سکتا ہے، اور یہی قرین قیاس ہے۔ ذوالقرنین اس وقت فتح یاب ہو کر اس علاقے پر قابض ہوا تھا۔ مفتوح قوم اس کے بس میں تھی۔ اللہ نے اس صورت حال میں اس کے ضمیر کے سامنے یہ سوال رکھ دیا کہ یہ تیرے امتحان کا وقت ہے۔ یہ قوم تیرے آگے بے بس ہے۔ تو ظلم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، اور شرافت کا سلوک کرنا چاہے تو یہ بھی تیرے اختیار میں ہے۔ یعنی وہ ممالک فتح کرتا ہوا مشرق کی جانب ایسے علاقے تک پہنچ گیا جہاں مہذب دنیا کی سرحد ختم ہو گئی تھی اور آگے ایسی وحشی قوموں کا علاقہ تھا جو عمارتیں بنانا تو درکنار خیمے بنانا تک نہ جانتی تھیں۔ چونکہ آگے یہ ذکر آ رہا ہے کہ ان دونوں پہاڑوں کے اس طرف یا جوج ماجوج کا علاقہ تھا، اس لیے لامحالہ ان پہاڑوں سے مراد کاکیشیا کے وہ پہاڑی سلسلے ہی ہو سکتے ہیں جو بحر خزر (کیسپین) اور بحر اسود کے درمیان واقع ہیں۔

یعنی اس کی زبان ذوالقرنین اور اس کے ساتھیوں کے لیے قریب بالکل اجنبی تھی۔ سخت وحشی ہونے کے سبب سے نہ کوئی ان کی زبان سے واقف تھا اور نہ وہ کسی غیر زبان سے واقف تھے۔ یا جوج ماجوج سے مراد، جیسا کہ اوپر حاشیہ میں اشارہ کیا جا چکا ہے، ایشیا کے شمالی مشرقی علاقے کی وہ قومیں ہیں جو قدیم زمانے سے متمدن ممالک پر غارت گرانہ حملے کرتی رہی ہیں اور جن کے سیلاب وقتاً



فوقاً اٹھ کر ایشیا اور یورپ، دونوں طرف رخ کرتے رہے ہیں۔ بائبل کی کتاب پیدائش (باب ۱۰) میں ان کو حضرت نوح کے بیٹے یافت کی نسل میں شمار کیا گیا ہے، اور یہی بیان مسلمان مورخین کا بھی ہے۔ حزقی ایل کے صحیفے (باب ۳۸ و ۳۹) میں ان کا علاقہ روس اور تو بل (موجودہ تو بالسک) اور مسک (موجودہ ماسکو) بتایا گیا ہے۔ اسرائیلی مورخ یوسفوس ان سے مراد سیٹھین قوم لیتا ہے جس کا علاقہ بحر اسود کے شمال اور مشرق میں واقع تھا۔ جیروم کے بیان کے مطابق ماجوج کا کیشیا کے شمال میں بحر خزر کے قریب آباد تھے۔ ذوالقرنین نے کہا کہ فرمانروا ہونے کی حیثیت سے میرا یہ فرض ہے کہ اپنی رعایا کو غارت گروں کے حملے سے بچاؤں۔ اس کا کام کے لیے تم پر کوئی الگ ٹیکس لگانا میرے لیے جائز نہیں ہے۔ ملک کا جو خزانہ اللہ تعالیٰ نے میرے حوالے کیا ہے وہ اس خدمت کے لیے کافی ہے۔ البتہ ہاتھ پاؤں کی محنت سے تم کو میری مدد کرنی ہوگی۔ یعنی اگرچہ میں نے اپنی حد تک انتہائی مستحکم دیوار تعمیر کی ہے، مگر یہ لازوالی نہیں ہے۔ جب تک اللہ کی مرضی ہے، یہ قائم رہے گی، اور جب وہ وقت آئے گا جو اللہ نے اس کی تباہی کے لیے مقدر کر رکھا ہے تو پھر اس کو پارہ پارہ ہونے سے کوئی چیز نہ بچا سکے گی۔ ”وعدے کا وقت“ ذومعنی لفظ ہے۔ اس سے مراد اس دیوار کی تباہی کا وقت بھی ہے اور وہ ساعت بھی جو اللہ نے ہر چیز کی موت اور فنا کے لیے مقرر فرمادی ہے، یعنی قیامت۔ یہاں پہنچ کر ذوالقرنین کا قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہ قصہ اگرچہ کفار مکہ کے امتحانی سوال پر سنایا گیا ہے، مگر قصہ اصحاب کہف اور قصہ موسیٰ و خضر کی طرح اس کو بھی قرآن نے اپنے قاعدے کے مطابق اپنے مدعا کے لیے پوری طرح استعمال کیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ذوالقرنین، جس کی عظمت کا حال تم نے اہل کتاب سے سنا ہے، محض ایک فاحش ہی نہ تھا، بلکہ توحید اور آخرت کا قائل تھا۔ عدل اور انصاف اور فیاضی کے اصولوں پر عامل تھا۔



## موضح القرآن ترجمہ شاہ رفیع الدین ترجمہ اول

### ترجمہ دوم شاہ ولی السہ و حاشیہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب

سوال کرتے ہیں نکلو ذوالقرنین سے۔ کہ شتاب پڑھونگا میں اوپر تمہارے اس میں سے کچھ مذکور۔ تحقیق ہم نے قدرت دی تھی اس کو بیچ زمین کے اور دی تھی ہم نے اسکو ہر چیز سے راہ بس پیچھے چلا ایک راہ کے یہاں تک کہ جب پہنچا جگہ ڈوبنے سورج کی پایا اس کو ڈوبتا تھا۔ بیچ چشمہ کچھ کے اور پایا اس کے نزدیک ایک قوم کو کہا ہم نے اے ذوالقرنین یا یہ کہ عذاب کرے تو ان کو اور با کہ پکڑے بیچ ان کے بھلائی کہا اے ہر جو شخص ظالم ہے بس البتہ عذاب کریں گے ہم اس کو پھر پھیرا جائیگا طرف رب اپنے کے بس عذاب کریگا عذاب بڑا اور اے ہر جو شخص ایمان لایا اور عمل کیے اچھے بس واسطے اس کے بطریق جزا کے لیے نیکی البتہ کہیں گے ہم اس کو کام اپنے سے آسانی۔

پھر پیچھے چلا اور راہ کے یہاں تک کہ جب پہنچا جگہ نکلنے سورج کی پایا اس کو نکلتا ہے اوپر ایک قوم کے کہ نہیں کیا ہم نے واسطے ان کے ورے اس سے پردہ۔ اسی طرح تھا اور تحقیق گھیر لیا تھا ہم نے ساتھ اس چیز کے کہ نزدیک اس کے تھے خبر داری کر۔

پھر پیچھے پڑا اور راہ کے یہاں تک کہ جب پہنچا درمیان دو پہاڑوں کے پایا ورے ان دونوں سے ایک قوم کو کہ نہیں نزدیک تھے کہ سمجھیں بات کو کہا انہوں نے اے ذوالقرنین تحقیق یا جوج ماجوج فساد کرنے والے ہیں۔ ہم زمین کے پس آیا کر دیویں ہم واسطے تیرے کچھ مال اوپر اس بات کے کہ کر دیوے تو درمیان میں ہمارے اور درمیان ان کے ایک دیوار۔

کہا جو کچھ قدرت دی ہے مجھ کو بیچ اس کے رب میرے نے بہتر ہے بس مدد کرو میرے ساتھ قوت کے کہ کر دوں میں درمیان تمہارے اور درمیان ان کے دیوار موٹی۔ لاؤ میرے پاس ٹکڑے لوہے کے یہاں تک کہ جب برابر کر دیا درمیان دونوں پہاڑوں کے کہا پھونکو یعنی دھونکو یہاں تک کہ جب کر دیا اس کو آگ کہا لے آؤ میرے پاس ڈالوں اوپر اس کے تانبا گلا ہوا بس نہ کر سکیں کہ چڑھ آویں اوپر اس کے اور نہ کر سکیں کہ سوراخ اس میں کہا یہ مہربانی ہے پروردگار میرے کی بس جب آویگا وعدہ پروردگار میرے کا کر دیگا اس کو ریزہ ریزہ اور ہے وعدہ رب میرے کا سچ۔

اور چھوڑ دیا ہم نے بعض کے ان کو اس دن کہ جوح مارتے ہیں بیچ بعض کے اور پھونکا جائیگا بیچ صور کے



بس اکٹھا کریں گے ہم ان کو اٹھا۔

اس بادشاہ کو ذوالقرنین کہتے ہیں کہ اس واسطے کہ دنیا کے دونوں سرے پر پھر گیا تھا ذوالقرنین کو شوق ہوا کہ دیکھیں دنیا کی بستی کہاں تک ہے سو مغرب کی طرف اس جگہ پہنچا جہاں دلدل تھی نہ گزرا آدمی کا نہ کشتی کا اللہ کے ملک کی حد نہ پاسکا۔

شاید وہ لوگ جنگلی ہونگے کہ گھر بنایا اور چھت ڈالنا ان میں دستور نہ ہوگا۔

ماجون یا جوج عرب کی زبان میں نام ہے ایک قوم کا جو دو دادوں کی اولاد ہیں۔ ایک یا جوج کی ایک ما جوج کی نہیں معلوم ان کے ملک میں ان کا کیا نام تھا ترکوں کے ملک سے لگتے تھے اور قوم میں ترکوں کے بھائی تھے۔

حضرت کے وقت میں روپے کے برابر سوراخ اس میں پڑ گیا اور حضرت عیسیٰ کے وقت ان کے نکلنے کا وعدہ ہے سب دنیا کو لڑائی سے عاجز کریں گے آسمان پر تیر چلائیں گے وہ لہو بھرے آئینے آخر حضرت عیسیٰ کی بددعا سے وہ یکبارگی سارے مر جائیں گے۔



## عہد نامہ قدیم۔ توریت اور صحائف موسیٰ

### کتاب خزقی ایل۔ باب ۳۸

اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ اے آدم زاد جوج کی طرف جو ما جوج کی سر زمین کا ہے اور روش اور مسک اور تویل کا فرمانروا ہے متوجہ ہو اور اس کے خلاف نبوت کر اور کہ خداوند خدایوں فرماتا ہے کہ دیکھ اے جوج روش اور مسک اور تویل کے فرمانروا میں تیرا مخالف ہوں اور میں تجھے پھر ادونگا اور تیرے جبروں میں آنکڑے ڈالکر تجھے اور تیرے تمام لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو سب سے آگے مسلح لشکر ہیں جو پھر بیان اور سپریں لیے ہوئے ہیں اور سب کے سب تیغ زن ہیں کھینچ نکالونگا اور ان کے ساتھ فارس اور کوش اور فوطہ جو سب کے بعد سپر بردار ہیں اور خود پوش ہیں۔ جمر اور اس کا تمام لشکر اور شمال کی دور اطراف کے ہابل تجرمہ ان کا تمام لشکر یعنی بہت سے لوگ جو تیرے ساتھ ہیں تو تیار ہو اور اپنے لئے تیاری کر تو اور تیری جماعت جو تیرے پاس فراہم ہوئی ہے اور تو ان کا پیشوا ہو اور بہت دنوں کے بعد تو یاد کیا جائیگا اور آخری برسوں میں اس زمین پر جو تلوار کے غلبہ سے چھڑائی گئی ہے اور جس کے لوگ بہت سی قوموں کے درمیان فراہم کیے گئے ہیں اسرائیل کے پہاڑوں پر جو قدیم سے ویران تھے چڑھ آئیگا لیکن وہ تمام اقوام سے آزاد ہے اور وہ سب کے سب امن و امان سے سکونت کریں گے تو چڑھائی کریگا اور آندھی کی طرح آئیگا تو بادل کی مانند زمین کو چھپائیگا۔ اور تیرا تمام لشکر اور بہت سے لوگ تیرے ساتھ۔ خداوند خدایوں فرماتا ہے کہ اس وقت یوں ہوگا بہت سے مضمون تیرے دل میں آئیں گے تو ایک بڑا منصوبہ باندھیں گے اور کہیں گے کہ میں دیہات کی سر زمین پر حملہ کرونگا میں ان پر حملہ کرونگا جو راحت و آرام سے بستے ہیں جن کی فصیل ہے نہ اڑینگے اور نہ پھاٹک تا کہ تو لوٹے اور مال چھین لے اور ان ویرانوں پر جو اب آباد ہیں اور ان لوگوں پر جو تمام قوموں میں سے فراہم ہوئے ہیں جو مویشی اور مال سے مالک ہیں اور زمین کی ناف پر بستے ہیں اپنا ہاتھ چلائے۔

سبا۔ دوان اور نریس کے سوداگر اور ان کے تمام جوان شیر بہر تجھ سے پوچھینگے کیا تو غارت کرنے آیا ہے کیا تو نے اپنا غول اس لیے جمع کیا ہے کہ مال چھین لے اور چاندی سونا لوٹے اور جو مویشی اور مال لے جائے اور بڑی غنیمت حاصل کرے اس لیے اے آدم زاد نبوت کر اور جوج سے کہ خداوند خدایوں فرماتا ہے کہ جب میری امت اسرائیل امن سے بسکی کیا تجھے خبر نہ ہوگی اور تو اپنی جگہ سے شمال کی دور اطراف سے آئیگا تو اور بہت سے لوگ تیرے ساتھ ہونگے جو سب کے سب گھوڑوں پر سوار ہونگے



ایک بڑی فوج اور بھاری لشکر۔ تو میری امت اسرائیل کے مقابلے کو نکلیگا اور زمین کو بادل کی طرح چھپالیگا۔ یہ آخری دنوں میں ہوگا اور میں تجھے اپنی سرزمین پر چڑھالاونگا تا کہ تو میں مجھے جانیں جس وقت میں اے جوج انکی آنکھوں کے سامنے تجھ سے اپنی تقدیس کراوں۔ خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ کیا تو وہی نہیں ہے جس کی بابت میں نے قدیم زمانہ میں اپنے خدمت گزار اسرائیلی نبیوں کی معرفت جنہوں نے ان ایام میں ساہا سال تک نبوت کی فرمایا تھا کہ میں تجھے ان پر چڑھالاونگا اور یوں ہوگا ان ایام میں جب جوج اسرائیل کی مملکت پر چڑھائی کریگا تو میرا قہر میرے چہرے سے نمایاں ہوگا۔ خداوند خدا فرماتا ہے کیونکہ میں نے اپنی غیرت اور آتش قہر میں فرمایا ہے کہ یقیناً اس روز اسرائیل کی سرزمین میں سخت زلزلہ آئیگا یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں اور آسمان کے چرندے اور میدان کے پرندے اور سب کیڑے مکوڑے جو زمین پر رہتے ہیں اور تمام انسان جو زمین پر ہیں میرے حضور تھر تھرا کھینگے اور پہاڑ گر پڑینگے اور کراڑے بیٹھ جائینگے اور ہر دیوار زمین پر گر پڑیگی اور میں اپنے سب پہاڑوں سے اس پر تلوار طلب کرونگا خداوند خدا فرماتا ہے اور ہر انسان کی تلوار اس کے بھائی پر چلیگی اور میں وبا بھیج کر اور خونریزی کر کے اسے سزا دوںگا اور اس پر اور اس کے لشکروں پر اور ان بہت سے لوگوں پر جو اس کے ساتھ ہیں شدت کا مینہ اور بڑے بڑے اولے اور آگ اور گندھک برساونگا اپنی بزرگی اور اپنی تقدیس کراونگا اور بہت سی قوموں کی نظر میں مشہور ہونگا۔ اور وہ جائینگے کہ خداوند میں ہو۔

مرتب: شجرہ نسب نوح سے یہ امر ثابت ہے کہ یا جوج اور ماجوج یافت کی نسل کے انسان ہیں۔  
مذکورہ اقتباس ہے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ امت اسرائیل کے دور کے لوگ ہیں۔

کتاب مقدس عہد نامہ جدید

باب ۲۰۔ آیت ۷ صفحہ ۲۵۔ کتاب مقدس (یوحنا عارف کا مکاشفہ)

جب ہزار برس پورے ہو چکینگے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائیگا اور ان فوجوں کو جو زمین کے چاروں طرف ہونگی یعنی یا جوج و ماجوج کو گمراہ کر کے لڑائی کے لیے جمع کرنے کو نکلیگا۔ ان کا شمار سمندر کے ریت کے برابر ہوگا اور وہ تمام زمین پر پھیل جائینگے اور مقدسوں کی لشکر گاہ اور عزیز شہر کو چاروں طرف گھیر لینگے پھر آسمان پر سے آگ نازل ہو کر انہیں کھا جائیگی اور انہیں گمراہ کرنے والا ابلیس آگ اور گندھک کی اس جھیل میں ڈالا جائیگا جہاں وہ حیوان اور جھوٹا نبی بھی ہوگا وہ رات دن ابدالابد عذاب میں رہینگے۔

مرتب: غالباً یہاں قیامت کے آخری دن کے ہزار برس مراد ہیں۔



## تفسیروں میں اسرائیلی روایات

از مولانا نظام الدین اسیر ادروی، استاذ جامعہ اسلامیہ بنارس

ذوالقرنین

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا إِنَّا مَكْنَانًا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا فَأَقْبَعَ سَبَبًا (سورۃ کہف ایت ۸۳۔ وما بعدہا)

قرآن میں ایک شخص کا ذکر کیا گیا ہے جسے ذوالقرنین کہا گیا جو اس کا نام نہیں بلکہ اسم صفت یا لقب معلوم ہوتا ہے، اس کا اصل نام کیا ہے، قرآن میں اس کا کہیں ذکر نہیں، اکثر علماء نے اس کا نام سکندر بتایا ہے، تاریخ میں اس نام کا ایک بادشاہ اور گذرا ہے اسلئے دونوں شخصیتوں کے کارناموں میں اکثر یہ دھوکہ ہوا ہے کہ ایک سکندر کے کارنامے کو دوسرے سکندر کا کارنامہ قرار دیا گیا ہے، ذوالقرنین کون تھے؟ ان کا زمانہ کون سا ہے؟ ان کو ذوالقرنین کیوں کہا گیا؟ ان امور میں مفسرین کی رائیں بہت مختلف ہیں۔

روایات: ابن جریر نے اپنی تفسیر میں دہب ابن منبہ کی روایت لکھی ہے، انہوں نے کہا کہ ذوالقرنین روم کے ایک شخص کا نام ہے وہ شہر کی ایک بوڑھی عورت کا اکلوتا لڑکا تھا، اس عورت کے اور دوسرے لڑکے نہیں تھے، اس کا نام سکندر تھا، اس کا نام ذوالقرنین اس لئے رکھ دیا تھا کہ اس کے سر کے دونوں طرف تانبے کی دو سینگیں تھیں، وہ نیک اور صالح شخص تھا، جب وہ سن شعور کو پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا، ذوالقرنین! میں تم کو اقوام عالم کی طرف بھیجنا چاہتا ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی زبانیں مختلف ہیں اور یہ ساری سطح ارضی پر بسنے والے ہیں، ان کی دو امتوں کے درمیان پوری سطح زمین کی لمبائی ہے اور اسکی دوسری دو امتوں کے درمیان پوری زمین کی چوڑائی ہے، ان چاروں کے بیچ میں جو وسط ارض ہے اس میں جن و انس بھی ہیں اور یا جوج ماجوج بھی۔

پھر اس کے بعد روایت میں ذوالقرنین کے اوصاف اور اسکو جو علم و حکمت دیا گیا اور ان تمام قوموں کے حالات جن کا سکندر سے مقابلہ ہوا بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔  
حدیث مرفوع:

علامہ ابن جریر طبری نے اس سلسلہ میں ایک حدیث مرفوع بھی نقل کی ہے وہ یہ ہے حدیث ابو کریب قال حدثنا زید بن جناب عن ابی لہیعہ قال حدثنی عبدالرحمن بن زید بن النعم عن شیخین عن نجیب الخ



یعنی دونوں شیخ عقبہ ابن عامر کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ ہم لوگ آپ کے پاس آئے ہیں تاکہ آپ ہم کو حضورؐ کی کوئی حدیث سنائیں۔ عقبہ نے کہا کہ ایک دن میں حضورؐ کی خدمت کر رہا تھا اور میں کسی ضرورت سے حضورؐ کے پاس سے باہر آیا تو مجھے کچھ اہل کتاب ملے ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ ہم لوگ حضورؐ سے کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں آپ ذرا ان سے اجازت لے لیجئے میں لوٹ کر پھر اندر گیا اور ان لوگوں کی درخواست دربار نبویؐ میں پیش کر دی آپ نے فرمایا کہ مرا علم اور ہے ان کا علم اور ہے، مجھے تو وہی علم ہے جو مجھے میرے خدا نے بتایا ہے، پھر فرمایا، وضو کے لئے پانی لاؤں میں پانی لے آیا، آپ نے وضو کیا پھر نماز پڑھی، جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ کے چہرہ مبارک پر مسرت کے آثار ظاہر ہوئے، آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو اندر لے آؤ، اور ان لوگوں کو بھی بلا لو جو میرے اصحاب میں سے نظر آجائیں، وہ لوگ آئے اور حضورؐ کے سامنے کھڑے ہو گئے، حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ چاہو تو تمہارے سوالوں کا وہ جواب دوں جو تمہاری کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں اور اگر چاہو تو میں تمہیں وہ باتیں بتاؤں جس کا علم مجھے دیا گیا ہے، ان لوگوں نے کہا، آپ کو جو خبر ملی ہے وہی بیان فرمائیے آپ نے فرمایا، تم لوگ ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرنے آئے ہو اور تمہاری کتابوں میں جو ذکر ہے اس کو جاننا چاہتے ہو۔ ذوالقرنین روم کا ایک نوجوان تھا اسکندریہ شہر اسی کا آباد کیا ہوا ہے، جب وہ اس شہر کو آباد کر چکا تو ایک فرشتہ آیا اور اس کو بلندی پر لے گیا اور پوچھا، تم کو کچھ نظر آرہا ہے؟ اس نے کہا، میں اپنا شہر دیکھ رہا ہوں اور شہر مدائن کو دیکھ رہا ہوں، پھر کچھ اور اونچائی پر لے گیا اور پھر پوچھا، اب کیا نظر آرہا ہے؟ اس نے کہا میں اپنا ہی شہر دیکھ رہا ہوں پھر فرشتہ نے کچھ اور بلندی پر لے جا کر اس سے پوچھا، اب کیا نظر آرہا ہے؟ اس نے کہا میں اپنا ہی شہر دیکھ رہا ہوں پھر فرشتہ نے کچھ اور بلندی پر لے جا کر اس سے پوچھا، اب کیا دیکھ رہے ہو؟ اس نے کہا صرف سطح زمین نظر آرہی ہے فرشتہ نے کہا، یہ سمندر ہے، جو ساری دنیا کو گھیرے ہوئے ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے تاکہ تم جاہلوں کو تعلیم دو اور اہل علم کو مضبوط کرو، پھر اسکود یوار کے پاس لے آیا، وہ دو چکنے پہاڑ ہیں، ہر چیز اس سے پھسل کر نیچے گر جاتی ہے پھر فرشتہ اس سے آگے لے گیا اور یا جوج ماجوج سے گذر کر دوسری امتوں تک پہنچا اس سرزمین میں بسنے والوں کے چہرے کتوں جیسے تھے اور وہ یا جوج ماجوج سے لڑتے رہتے تھے، فرشتہ پھر وہاں سے آگے بڑھا اور ایک دوسری امت پر اس کا گذر ہوا یہ ان لوگوں سے لڑتے رہتے تھے جن کے چہرے کتوں جیسے تھے پھر فرشتہ وہاں سے بھی آگے لے گیا اور دوسری امتوں سے ملاتا چلا گیا۔ (بحوالہ روح المعانی ج ۱۶ ص ۲۴)



علامہ آلوسی نے روایت کے ابتدائی حصہ کو نقل کر کے اپنی رائے لکھی ہے جس کے الفاظ ہیں لم تثبت حجة هذا الخبر (روح المعانی ج ۱۶ ص ۲۴) انہوں نے مزید لکھا ہے کہ تاریخی اعتبار سے ذوالقرنین کی شخصیت کو قطعی طور پر متعین کرنا اور اس کے عہد کی صحیح نشاندہی کرنا انتہائی مشکل ہے، قرآن نے جتنے حصے کو بیان کیا ہے صرف وہی اس کی زندگی کے حقیقی اور واقعی حالات ہیں اس کے علاوہ اس پر جو اضافہ کیا گیا ہے اس کو کوئی ثبوت نہیں اور خواہ مخواہ اس کو ایک افسانوی کردار بنا دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں آلوسی نے گیارہ اقوال نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ اگر تلاش کی جائے تو شاید اس سے بھی زیادہ وجوہ تسمیہ مل جائیں اور جتنی وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ بذات خود اس واقعی شخصیت اور حقیقی وجود کو طلسماتی اور توہماتی وجود بتاتی ہیں، نیز اس کو سکندر تسلیم کر کے دو سکندروں کی شخصیتوں اور کارناموں کو گڈڈ کر دیا ہے سکندر رومی اور سکندر یونانی کی شخصیتوں اور ان کے کارناموں میں خط امتیاز کھینچنا خود ایک عقدہ لانیجل اور معمہ ہو گیا ہے، کسی نے ایرانی بادشاہوں میں سے ایک کو ذوالقرنین ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کسی نے سلاطین حمیر میں سے ایک کو ذوالقرنین بنایا ہے۔ (روح المعانی ج ۱۶ ص ۲۴)

یہ ساری تفصیل آلوسی کی تفسیر کے سات بڑے صفحات میں پھیلی ہوئی ہے، ان تمام تفصیلات کے وجود قرآن نے جتنے حقائق بیان کر دیئے ہیں اسے زیادہ ایک لفظ بھی اپنی قطعی صداقت کے ساتھ نہیں آیا ہے اور نہ آسکتا ہے۔ (چوں ندیدند حقیقت، رہ فسانہ زدند)

یہ سب اسرائیلی داستانیں ہیں، ان افسانوں اور اہل کتاب کی کہانیوں کو افراد بہتان کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر دیا گیا، حدیث مرفوع جو ابن جریر کے حوالے سے اوپر نقل کی گئی ہے اس کا ایک راوی ابن لہعہ حدیث میں ضعیف ہے، روایت میں جو بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کہی جا رہی ہے تاریخ سے یقینی طور پر جھٹلاتی ہے، ذوالقرنین رومی نہیں تھا، روم کا یہ بادشاہ اسکندر ثانی کہا جاتا ہے اس کے باپ کا نام فیلبس مقدونی ہے اور اس کے وزیر کا نام ارسطاطالیس تھا اسی بادشاہ اسکندر ثانی نے اسکندر یہ شہر آباد کیا ہے، جسے مذکورہ روایت میں ذوالقرنین کا آباد کردہ بتایا گیا ہے۔ قرآن پاک میں اس سکندر کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، ذوالقرنین کی شخصیت دوسری ہے، سکندر ثانی بانی اسکندر یہ تو حید پرست نہیں تھا، ذوالقرنین ایک مرد مومن تھا، سارے مشرق و مغرب کو اس نے طے کیا تھا، قرآن نے اجمالی طور پر اس کے واقعات کو بیان کیا ہے، اس کا نام کیا تھا؟ وہ



کہاں کارہنے والا تھا؟ کس زمانے میں تھا؟ یہ باتیں قرآن پاک میں نہیں بیان کی گئی ہیں اور نہ احادیث صحیحہ میں ان کی نشاندہی کی گئی ہے، اسلئے صرف ان ہی باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے جتنی قرآن نے ہمیں بتائی ہیں۔

علامہ حافظ ابن کثیر نے اس روایت کی صحت سے بالکل انکار کیا ہے بلکہ روایت کرنے والوں کو ملامت بھی کی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو حضور کی طرف منسوب کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے روایت میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سب اخبار بنی اسرائیلی ہیں جن کا کوئی اعتبار اور وزن نہیں ہے۔

### یا جوج ماجوج

ذوالقرنین کے ذکر میں قرآن نے اس کا ایک بڑا کارنامہ یہ بتایا ہے کہ اس سے ایک علاقہ کے کچھ لوگوں نے یہ شکایت کی کہ پہاڑی کی دوسری سمت یا جوج ماجوج لوگ آباد ہیں جو ہمہ وقت انسانی آبادی پر تخت و تاراج اور قتل و غارتگری کرتے رہتے ہیں جس کہ وجہ سے ہماری زندگی انتہائی تلخ اور مصیبتوں میں گھری رہتی ہے ہم لوگ ان کی فساد انگیزی سے بہت ہی تنگ اور عاجز ہو چکے ہیں بڑا کرم ہوتا کہ آپ ہمیں ان لوگوں سے محفوظ کر دینے کی کوئی تدبیر کرتے اور انہوں نے از خود یہ تجویز پیش کی کہ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار کھینچ دیں تو ہم ان سے محفوظ ہو سکتے ہیں، ہم اس دیوار کے اخراجات پورا کرنے کے لئے تیار ہیں، سکندر نے یہ دیوار تعمیر کرائی جسے عام اصطلاح میں سد سکندری کے نام سے جانا جاتا ہے آیت مذکورہ میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے بہت ہی عجیب و غریب اور حیرتناک واقعات بیان کئے ہیں جو نہ عقل میں آتے ہیں اور نہ تجربات و مشاہدات اسکی شہادت دیتے ہیں اور نہ نقل صحیح سے اس کی تائیدی ہوتی ہے۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۲۰-۲۰۱)

اسرائیلی روایات: علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر میں حضرت حذیفہ کی ایک روایت نقل کی ہے، حضرت حذیفہ نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا جوج ماجوج کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یا جوج ماجوج ایک امت ہے ان کی ہر امت میں چار لاکھ امتیں ہیں، ان میں کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ ایک ہزار اولاد کو اپنے نطفہ سے نہیں پیدا کر لیتا ہے، پوری امت مسلح رہتی ہے، میں نے کہا یا رسول اللہ ان کی کچھ خاص خاص باتیں بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا، ان کی تین قسمیں ہیں، ان کی ایک صنف ”ارذ“ کی طرح ہے، میں نے کہا۔ ”ارذ“ کیا چیز ہوتی ہے، آپ نے فرمایا شام میں ایک



درخت ہوتا ہے اس کی لمبائی ایک سو بیس ہاتھ ہوتی ہے، حضورؐ نے مزید فرمایا کہ ان کے لئے نہ پہاڑ کا وٹ بنتا ہے نہ کوئی ہتھیار ان پر کام کرتا ہے، ان کی دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کے کان اتنے لمبے چوڑے ہوتے ہیں کہ ایک کان بچھا لیتے ہیں اور دوسرے کان کو اڑھ لیتے ہیں، ان کی راہ میں ہاتھی آجائے یا کوئی وحشی جانور، اونٹ یا سور کسی کو نہیں چھوڑتے ہیں، سب کو کھا جاتے ہیں اور ان میں جو مر جاتا ہے اس کو بھی چٹ کر جاتے ہیں، ان کی فوج کا اگلا حصہ شام میں ہوتا ہے اور پچھلا حصہ بحیرہ طبریہ یا مشرق کی نہروں سے پانی پیتا رہتا ہے۔

ابن جریر نے اس سلسلہ میں کچھ موقوف روایتیں بھی نقل کی ہیں، علامہ قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں اسی طرح کی کئی روایتوں کا ذکر کیا ہے، ان تمام روایتوں میں یا جوج و ماجوج کی محیر العقول خصوصیات بیان کی گئی ہیں، یہ قطعاً اسلام دشمن بددنیوں اور افتراء پردازوں کا گڑھا ہوا افسانہ ہے، ان بد بختوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی طرف منسوب کر کے اپنی بدترین جسارت کا مظاہرہ کیا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث مرفوع کو ابن جوزی اور دوسرے لوگوں نے موضوعات میں شمار کیا ہے، خود علامہ سیوطی نے اپنی کتاب الآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں اس روایت کو موضوعات میں لکھا ہے اس کے باوجود انہوں نے اسکو اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے اور وہاں اس کے موضوع ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے، حقیقت یہی ہے کہ یہ حدیث قطعاً موضوع اور گڑھی ہوئی ہے اس سلسلہ میں عبد اللہ بن مسعودؓ، عبد اللہ بن عمرؓ و عبد اللہ بن عمرؓ اور کعب احبار کی روایتیں اس لئے ذکر کی گئی ہیں تاکہ حدیث مرفوع کی اس سے تائید ہو جائے۔

کعب احبار کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ یا جوج ماجوج کی تین صنفیں ہیں، ایک صنف ”ارذ“ کی طرح ہے، ایک صنف چار ہاتھ لمبی ہوتی ہے اور چار ہاتھ چوڑی ہوتی ہے، تیسری صنف ان لوگوں کی ہے جو ایک کان کو بچھاتے ہیں اور دوسرے کان کو لحاف کی طرح اڑھ لیتے ہیں، ان کی خوراک عورتوں کا خون نفاس ہے۔

عبد اللہ بن عباس کی روایت میں ہے، انہوں نے کہا کہ یا جوج ماجوج کا قد ایک بالشت اور دو بالشت ہوتا ہے، ان میں جو سب سے لمبے قد والے ہیں ان کے قد تین بالشت ہوتے ہیں، یہ سب اولاد آدم یعنی انسانوں میں سے ہیں، کوئی دوسری مخلوق نہیں ہیں۔ عبد اللہ بن عباس نے کہا، رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے شب معراج قوم یا جوج ماجوج کے پاس لے جایا گیا تھا، میں نے ان



کو اسلام کی دعوت دی اور اللہ کی عبادت کرنے کی تبلیغ کی، مگر انہوں نے مجھے جواب دینے سے انکار کر دیا، وہ سب کے سب جہنمی ہیں، وہ تمام مشرک و کافر انسانوں اور شیطانوں کے ساتھ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔

عبداللہ بن عمر کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا جوج ماجوج اولاد آدم میں سے ہیں، اگر وہ عام انسانوں میں آباد ہوتے تو لوگوں کی زندگیاں اجیرن ہو جاتیں، ان میں کا کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا ہے جب تک اس کی ذریت میں ایک ہزار یا اس سے زائد افراد نہ پیدا ہو جائیں ان لوگوں کے تین فرقے ہیں تاویل، تادیس اور مسلک۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذوالقرنین نے جو دیوار کھڑی کر دی ہے اس کو یا جوج ماجوج روزانہ کھودتے ہیں اور جب اس حد تک کھود لیتے ہیں کہ ذرا سی اور کھدائی کے بعد سورج کی کرنیں اس پار آ جائیں گی تو لوٹ جاتے ہیں کہ اب کل کھدائی ہوگی لیکن وہ انشاء اللہ نہیں کہتے ہیں، جب دوسری صبح کو کھدائی کی جگہ پر آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ دیوار صحیح و سالم ہے اور جیسی تھی ویسی ہوگئی ہے اور دیوار میں کھدائی کا کوئی اثر اور نشان نہیں ہے، اور پھر کھدائی شروع کر دیتے ہیں اور شام کو بقیہ کھدائی کل کرنے کے ارادہ سے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور انشاء اللہ نہیں کہتے ہیں دوسرے دن آتے ہیں تو دیوار کو صحیح و سالم پاتے ہیں اس طرح وہ مسلسل کھدائی جاری رکھے ہوئے ہیں لیکن اس میں نقب بنانے میں کامیاب نہیں ہو رہے ہیں لیکن جب اللہ چاہے گا کہ وہ لوگوں کے درمیان آ جائیں تو اس شام کو واپس جاتے ہوئے کہیں گے کہ انشاء اللہ کل کھدائی پوری کر لی جائے گی اور جب دوسری صبح واپس آئیں گے تو کل کھدا ہوا حصہ بدستور رہے گا، بقیہ حصہ کی کھدائی کر کے وہ نکل پڑیں گے اور انسانی آبادی میں آ جائیں گے، وہ سارا پانی پی جائیں گے، لوگ مارے و ہشت کے چھپ چھپ کر گھروں میں بیٹھ جائیں گے، کوئی ان کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کریگا، وہ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے اور ان کے تیر خون میں تر ہو کر واپس ہونگے وہ کہیں گے کہ ہم نے سارے زمین والوں پر غلبہ حاصل کر لیا اور آسمان والوں پر بھی ہم غالب ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں ایک بیماری پیدا کر دیگا جسکی وجہ سے وہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے زمین کے درندے اتنی لاش دیکھ کر بدست ہو جائیں گے اور کھا کھا کر موٹے ہو جائیں گے اور اللہ کا شکر کریں گے (ترندی شریف ص ۲ ص ۱۱۲۲ الدر المنثور ج ۲ ص ۲۵۱)



ان روایتوں کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور امام ترمذی نے (سنن ترمذی مطبوعہ رحیمیہ دیوبند ج ۱۲ ابواب التفسیر ۱۲۴) الوعوانہ کی حدیث جو قتادہ سے نقل کی ہے ذکر کر کے لکھا ہے غریب لا یعرف الا من هذا الوجه اس کی سند عمدہ اور قوی ہے لیکن اس کے مفہوم اور متن کو حضور کی طرف رفع کرنے میں نکارت ہے کیونکہ قرآنی آیت اس سلسلہ میں بہت صریح ہے ما استظاعوا له نقبواہ دیوار کی مضبوطی اور استحکام کی وجہ سے اس میں سوراخ نہیں کر سکتے۔

کعب احبار سے بھی بالکل اسی مفہوم کی ایک روایت منقول ہے، یہ پہلے اہل کتاب رہے ہیں اس لئے بنی اسرائیل کے قصوں کے بڑے جاننے والے تھے، ہو سکتا ہے ابو ہریرہ نے کعب احبار ہی سے یہ روایت لی ہو کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کی نشست و برخاست کعب احبار کے یہاں تھی اور کعب احبار سے ان کی بات چیت تھی، ابو ہریرہ کے بیان کرنے کی وجہ سے دوسرے راویوں کو یہ وہم ہو گیا کہ یہ روایت مرفوع ہے اور انہوں نے روایت کو مرفوعاً بیان کر دیا ہے حافظ ابن کثیر کی یہی رائے ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اس سلسلہ میں ایک اور اسرائیلی روایت ہے کہ یاجوج ماجوج حضرت آدم کی اس منی سے پیدا ہوئے ہیں جو زمین پر گر کر مٹی میں مل گئی تھی، روایت بتاتی ہے کہ حضرت آدم سوئے ہوئے تھے، ان کو بد خوئی ہو گئی اس وجہ سے منی مٹی میں مل گئی۔ ان بد بختوں کو شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ انبیاء کو بد خوئی نہیں ہوتی کیونکہ یہ شیطان کی وسوسہ اندازی سے ہوتی ہے اور انبیاء شیطانی وسوسہ اندازی سے محفوظ ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے یہ انتہائی غریب قول ہے جس پر کوئی دلیل نہیں نہ عقل ہی اسے تسلیم کرتی ہے اور نہ نقل سے اسکی تائید ہوتی ہے، اہل کتاب اس سلسلہ میں جو کچھ بھی بیان کرتے ہیں کسی پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے ان کے پاس اس طرح کے بے سرو پا قصوں اور کہانیوں کا بڑا ذخیرہ ہے (البدایہ والنہایہ مطبوعہ بیروت ج ۲ ص ۱۱)۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اصحاب کہف، ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج حقائق ثابتہ ہیں قرآن نے ان کا ذکر کیا ہے لیکن ہم ان تمام خرافات اور بیہودہ بکواس سے قطعی انکار کرتے ہیں، سہل انگاری کی وجہ سے ان اسرائیلی روایتوں کی نشاندہی نہیں کی گئی، ان روایتوں نے سچی حقیقتوں کو محیر العقول افسانہ بنا دیا ہے، اسلامی روایات ان سے بری ہیں اللہ اور اللہ کا رسول بری ہے حافظ ابن کثیر نے اپنی مشہور عالم تاریخ میں ان تمام روایتوں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔



وہ روایت جس میں کہا گیا ہے کہ یاجوج ماجوج جو حضرت آدم کی اس منی سے پیدا ہوئے ہیں جو مٹی میں مل گئی تھی اور یہ حضرت حواء کے لطن سے نہیں ہیں جیسا کہ شیخ ابوزکریا نوادی نے شرح مسلم میں نقل کیا ہے اس روایت کی ہر ایک نے تضعیف کی ہے اور وہ اس لائق ہی ہے اس لئے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ اس حقیقت ثابتہ پر کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ اس حقیقت ثابتہ کے خلاف ہے کہ تمام انسان حضرت نوح کی ذریت سے ہیں اور طوفان نوح میں تمام کافر ہلاک ہو چکے تھے، ان کے قد و قامت کے سلسلہ میں جو مختلف باتیں کہی گئی ہیں کہ وہ کھجور کے درختوں کی طرح لنبے ہیں ان کی ایک صنف کا قد ایک بالشت یا دو بالشت ہے یا ایک کان بچھاتے ہیں اور دوسرا اوڑھ لیتے ہیں یہ سارے اقوال بے دلیل اور انکل بچوں کی باتیں ہیں اور لوگوں کی قیاس آرائیاں ہیں اسکی نہ کوئی حقیقت ہے نہ اس پر کوئی دلیل صحیح سچی بات یہ ہے کہ وہ عام انسانی شکل و صورت اور قد و قامت کے ہیں، حضور کا ارشاد ہے کہ حضرت آدم کا قد ساٹھ ہاتھ تھا بتدریج انسانی قد گھٹتا جا رہا ہے یہ حدیث قول فیصل ہے اور یہ بات جو کہی جاتی ہے کہ ان میں کا کوئی فرد اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اپنے خاندان کے ایک ہزار افراد کو نہیں دیکھ لیتا اگر یہ صحیح حدیث سے ثابت ہوتی تو ہم اس کو ضرور تسلیم کر لیتے ورنہ ہم قطعی طور پر اسکو رد کر دینگے طبرانی کی روایت جس میں ہے کہ ان کا ہر فرد مرنے سے پہلے ایک ہزار افراد کو چھوڑ جاتا ہے یا اس سے زیادہ کو اور ان کی تین امتیں ہیں تاویل تارلیس مسک یہ حدیث انتہائی غریب ہے اسکی سند ضعیف ہے اس میں شدید نکارہ ہے وہ حدیث جو اپنی جریر نے اپنی تاریخ میں لکھی ہے کہ حضور شب معراج میں ان کے پاس گئے اور ان کو دعوت اسلام دی اور انہوں نے قبول نہیں کیا یہ حدیث موضوع اور گڑھی ہوئی ہے اس کا وضع کرنے والا اپنے زمانہ کا سب سے بڑا جھوٹا ابو نعیم عمربن اسحاق ہے جس نے وضع حدیث کا خود بھی اعتراف کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ مطبوعہ پیرت مکتبہ المعارف ج ۲ ص ۱۱۰)

علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ کعب احبار کی وہ روایت جس میں کہا گیا ہے کہ یاجوج ماجوج حضرت آدم کی اس منی سے پیدا ہوئے ہیں جو مٹی میں مل گئی تھی اس لئے یہ اولاد میں سے تو ہیں لیکن بغیر حواء کے پیدا ہوئے ہیں، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کی پیدائش طوفان نوح سے پہلے ہوئی اور حضرت نوح کی کشتی میں سوار ہونے والوں میں یہ نہیں تھے، سوال یہ ہے کہ وہ کہاں محفوظ ہے؟ یہ بیہودا بکواس اور خرافات ہے، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ روایت سوائے کعب احبار کے اور کسی سے منقول نہیں ہے اور وہ حدیث مرفوع اس روایت کی تردید کرتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یاجوج ماجوج نوح علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں اور یہ قطعی ہے کہ حضرت نوح کی ذریت آدم



وحواء سے ہے اسلئے کعب احبار کے نام سے جو روایت ہے غلط اور جھوٹی ہے لیکن حدیث مرفوع سے وہ روایت مراد نہیں جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ نوح کے تین لڑکے تھے سام، حام، یافث، سام کی اولاد میں عرب ایران اور روم ہیں اور حام کی اولاد میں قبطنی، بربر اور حبش ہیں اور یافث کی اولاد میں یاجوج ماجوج اور ترک صقالیہ ہیں کیونکہ ابن حجر نے صاف لکھا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے البتہ تو رات میں ضرور اس کی تصریح موجود ہے کہ یاجوج ماجوج یافث کی اولاد میں ہیں۔ آخر بحث میں آلوسی نے انہیں تمام دلائل کا ذکر کیا ہے جو حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھے ہیں، اور ان کی وہی رائے ہے جو حافظ ابن کثیر کی رائے ہے۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۳۸-۳۹)

دور جدید کے مفسرین کی رائیں:

مفتی محمد شفیع صاحب کہتے ہیں کہ یاجوج ماجوج کے متعلق اسرائیلی روایات اور تاریخی کہانیوں میں بہت بے سرو پا اور عجیب و غریب باتیں مشہور ہیں جن مفسرین نے انہیں نقل کیا ہے انہوں نے بھی ان پر اعتماد نہیں کیا ہے اور صرف انہیں تفصیلات کو صحیح تسلیم کیا ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ میں آئی ہیں، اتنا یقینی ہے کہ وہ سب اولاد آدم میں سے ہیں اور یافث بن نوح کی اولاد میں ہیں اور عام انسانوں جیسے ہیں، ان کا خروج حضرت عیسیٰ کے زمانے میں ہوگا، یاجوج ماجوج نام صرف ان وحشی اور غیر متمدن خونخوار ظالم لوگوں کا ہے جو تمدن ناشنا ہیں۔ (معارف القرآن ج ۵ ص ۶۳۲)

مولانا دریا آبادی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یاجوج ماجوج یہ ظاہر ہے وہ منگولی قبیلے معلوم ہوتے ہیں جو پہاڑوں کی دوسری طرف آباد تھے وہ کبھی کبھی موقعہ پا کر یلغار کرتے ہوئے ترکوں کے درمیان گھس آتے تھے، یاجوج ماجوج کا اشتقاق اہل سنت نے مادہ اج سے کیا ہے جس کے معنی آگ کے شعلہ مارنے اور پانی کے تموج و تلاطم کے ہیں انکے یہ نام ان کی شدت شورش کی بنا پر پڑے شبھو ابالنار المضطر بتہ والمیاء المضمرة لکثرة اضطرابہم (مفردات امام راغب) بعض نے اسے عجی نام کہا ہے اسمان اعجیان بدلیل منع الصرف (کشاف) بائبل کی کتاب حزقیل کے باب ۳۸-۳۹ میں یاجوج ماجوج کا ذکر بار بار آیا ہے اور پیشگوئیاں بھی درج ہیں لیکن کچھ تفصیلات بیان نہیں ہوئی ہیں بائبل کے شارحین بھی آج تک ان کی تعیین میں مضطرب ہیں کوئی یاجوج ماجوج کو دو قومیں قرار دیتا ہے کوئی کہتا ہے کہ یاجوج ماجوج قوم کا نہیں مقام کا نام ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ یاجوج ماجوج بن یافث بن نوح کی نسل سے ہے، عام طور پر ان لوگوں کی سکونت ایشیا کوچک اور آرمینیا میں سمجھی گئی ہے، بعض نے کہا ہے کہ یہ وہی قومیں ہیں جو سیتھین کہلاتی ہیں، بہر حال بائبل اور اس کی شرح سے قرآنی یاجوج



ماجون پر کچھ زیادہ روشنی نہیں پڑتی ہے، قرآنی اشاروں سے تو بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی شورہ پشت اور شورش پسند پہاڑی قبیلے تھے اور جو آبادیاں ان کی تاخت کی زد میں تھیں انہوں نے ذوالقرنین سے عرض کیا کہ ہم ان سے سخت پریشان ہیں کہئے تو ہم چندہ فراہم کر دیں اور آپ ہمارے اور ان کی درمیان ایک ایسی حد فاصل قرار دے دیں جسے توڑ کر وہ ہم پر حملہ آور نہ ہو سکیں۔ (تفسیر ماجدی ص ۶۲۰)



## اقتباسات راہ اسلام

رسالہ شائع کردہ ایرانی کلچرل ہاؤس دہلی

ذوالقرنین:

ذوالقرنین کا نام سنتے ہی قاری کے ذہن میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہونے لگتے ہیں کہ ذوالقرنین کون ہے اور وہ پل کہاں ہے اور آیا دنیا کی نگاہوں نے ایسا کوئی پل کبھی دیکھا ہے؟ اور قرآن کریم میں ”عین حمہ“ نامی جس چشمہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ کہاں واقع ہے؟ اس قسم کے مختلف النوع سوالات کا جواب دینے سے پہلے قرآن کریم کی ان آیات کا مطالعہ لازمی ہے جو داستان ذوالقرنین کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ (آیات اور ان کا ترجمہ شروع کتاب میں ملاحظہ فرمائیں)

داستان ذوالقرنین:

داستان ذوالقرنین اس شخص سے منسوب ہے جس نے عرصہ دراز سے ماہرین فلسفہ و محققین کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا ہے اور جس کی شناخت کے لئے کافی کوشش کی جا چکی ہے کہ قرآن مجید نے جس ذوالقرنین کا ذکر کیا ہے و تاریخی اعتبار سے کون ہے؟ اور تاریخ کے نامور لوگوں میں سے ذوالقرنین کا اطلاق کس پر ہوتا ہے۔ مفسرین کے درمیان اس موضوع پر اکثر گفتگو رہی ہے اور اس سلسلے میں مختلف النوع نظریات سامنے آچکے ہیں اور ان میں سے تین نظریات بہت اہم ہیں لیکن ان نظریات کے تذکرہ سے قبل قرآن کریم میں منقول داستان ذوالقرنین کا اجمالی تجزیہ لازمی معلوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید نے اس آدمی کا نام و نسب اور ولادت و دیگر واقعات زندگی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے لیکن دیگر داستانوں کا ذکر کرتے وقت بھی قرآن مجید کا انداز بیان بالکل ایسا ہی رہا ہے اور کسی داستان کے تمام پہلوؤں کی طرف واضح اشارہ نہیں کیا ہے چنانچہ ذوالقرنین کے سلسلے میں بھی اس کے تین سفر کے تذکرہ پر ہی اکتفا کیا ہے۔ اپنے سفر کے پہلے مرحلہ میں وہ اس جگہ پہنچتا ہے جہاں آفتاب غروب ہوتا ہے۔ اس جگہ کا نام عین حمہ (حامیہ) ہے یہاں وہ ایک قوم کو دیکھتا ہے۔ دوسرے مرحلہ میں وہ مغرب سے مشرق کی طرف سفر کرتا ہے اور اس جگہ تک پہنچ جاتا ہے جہاں سے آفتاب طلوع ہوتا ہے، یہاں بھی اس کی ملاقات ایک قوم سے ہوتی ہے اور خداوند عالم نے اس قوم اور آفتاب کے درمیان کوئی پردہ نہیں رکھا ہے اور تیسرے مرحلہ میں وہ پہاڑوں کے درمیان پہنچتا ہے اور وہاں بھی اس کی ملاقات کچھ لوگوں سے ہوتی ہے ان لوگوں نے یا جوج و ماجوج کے شرکی شکایت کی اور یہ تجویز رکھی کہ وہ



کچھ بجٹ اس کے حوالے کرتے ہیں تاکہ وہ ان لوگوں کے درمیان ایک ایسی دیوار کھڑی کر دے جو ان کے علاقے میں یا جوج و ماجوج کے فساد کو آگے نہ بڑھنے دے۔ وہ ان لوگوں کی تجویز قبول کرتے ہوئے ایک ایسی دیوار بنانے کا وعدہ کر لیتا ہے جو ان کی خواہش کے مطابق ہو لیکن وہ کسی قسم کا ہدیہ قبول نہیں کرتا ہے اور ان لوگوں سے فقط لوگوں کے تعاون کا مطالبہ کرتا ہے اور اس کے بعد دیوار تیار کرنے کے لئے لازمی وسائل مثلاً لوہا وغیرہ کا ذکر کرتا ہے۔

قرآن مجید نے اس داستان کے ساتھ اس کی کچھ خصوصیات کا بھی ذکر کیا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس داستان میں جس آدمی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اپنی زندگی میں ذوالقرنین کے نام سے یاد کیا جانے لگا تھا اور قرآن مجید میں اس داستان کی شمولیت سے پہلے کا زمانہ تھا۔ داستان کے طرز بیان سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ عہد رسولؐ میں اس داستان کے نزول سے قبل ذوالقرنین کا نام لوگوں کی زبان پر تھا اور لوگ آنحضرتؐ سے اسکے بارے میں سوالات کیا کرتے تھے مثلاً قرآن مجید کے جملے ملاحظہ ہوں (یسلونک عن ذی القرنین) و (فلنا یا ذی القرنین) و (قالو یا ذی القرنین) آخری دونوں جملوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا نام یہی تھا اور لوگ اس کو اسی نام سے مخاطب کرتے رہے ہیں۔

اس شخص کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ خداوند عالم و قیامت پر ایمان رکھتا تھا اور دین حق کا پیرو تھا جیسا کہ قرآن کریم میں نقل کیا گیا ہے۔

(هذا رحمة من ربی فانا جاء و عد ربی جعله دكاء و کان و عد ربی حقاً) اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا (اما من ظافسوف نعد بشریر الی ربہ فیعد بہ عذاباً نکر آو امان آمن و عمل صالحاً۔ اس کے علاوہ اس آیت کریمہ سے (قلنا یا ذی القرنین امان نسذب و اما۔ فیسحر حسنا) پتہ چلتا ہے کہ خداوند عالم اسے مکمل اختیار دیدیتا ہے اور اس سے اس حقیقت کی نشاندہی بھی ہو جاتی ہے کہ اس کا دینی مرتبہ کیا تھا اور پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر نے اس کی تائید اور اس کی مدد بھی کی تھی۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جس کے لئے خداوند عالم نے دنیا و آخرت کی نیکی جمع کر دی تھی۔ دنیوی خیر و برکت یہ تھی کہ خداوند عالم نے اسے ایسی سلطنت کا مالک بنایا تھا کہ وہ مشرق سے مغرب کا سفر کر سکے اور کوئی چیز اس کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے اور اخروی سعادت ملنے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے لوگوں کے درمیان انصاف کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ہی ساتھ دنیا میں حق کے قیام کی کوشش کی اور لوگوں کے ساتھ الفت و محبت، عفو و درگزر، ترویج خیر اور دفع شرکار و یہ اختیار کیا



اور قرآن کریم کا یہ جملہ (انامکالہ فی الارض و آئیناہ من کل شیء سیاً) اس کے اس اخلاق حمیدہ کی دلیل ہے۔

تین اہم تاریخی نظریات:

(۱) بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ذوالقرنین سوائے اسکندر مقدونی کے اور کوئی نہیں ہے اسی وجہ سے لوگ اسے سکندر ذوالقرنین کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اس نے اپنے باپ کی وفات کے بعد روم، مراکش در مصر پر غلبہ حاصل کر لیا اور شہر اسکندریہ کی بنیاد رکھی اور اس کے بعد شام اور بیت المقدس کو بھی اپنی مملکت کا حصہ بنا لیا۔ وہاں سے وہ آرمینیا گیا، عراق و ایران کو فتح کیا۔ پھر وہ ہندوستان اور چین کی طرف روانہ ہوا اور وہاں سے خراسان واپس آ گیا اور بہت سے شہروں کی بنیاد رکھی اور عراق آیا اور بعد میں ”زور“ نامی شہر میں بیمار ہوا اور اس دنیا سے چلا گیا اور بعض لوگوں کے قول کے مطابق اس نے کل ۳۶ سال کی عمر پائی۔ اس کے مردہ جسم کو اسکندریہ لے گئے اور وہیں دفن کر دیا البتہ اسکندر کے کفر و ظلم کو نگاہ میں رکھتے ہوئے یہ قبول نہیں کیا جاسکتا ہے کہ یونانی بادشاہ سکندر مقدونی ہی ذوالقرنین ہے کیونکہ قرآن مجید کی آیات میں ذوالقرنین کے ایمان و انصاف پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ کی کسی کتاب میں یہ نہیں ملتا ہے کہ سکندر مقدونی نے یاجوج و ماجوج نام کی کوئی دیوار بھی تعمیر کرائی تھی جبکہ قرآن مجید میں اس کا بھی ذکر ملتا ہے۔

(۲) بعض مورخین یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ذوالقرنین ”یمن“ کے بادشاہوں میں سے ایک تھا۔ یمن کے بادشاہوں کو ”تبع“ کہتے تھے جس کی جمع ”تباعہ“ ہے اس یمنی بادشاہ نے پورے یمن پر حکومت کی ہے۔

چنانچہ ”اصمعی“ نے تاریخ عرب قبل الاسلام میں اور ”ابن ہشام“ نے اپنی معروف ترین تاریخ کی کتاب ”سیرہ“ میں اور ابوریحان البیرونی نے اپنی کتاب ”لائثار الباقیہ“ میں اس نظریہ کا دفاع کیا ہے۔ اور اس نظریہ کے مطابق ذوالقرنین نے جس دیوار کی تعمیر کرائی تھی وہ مشہور و معروف دیوار ”مارب“ ہے۔

(۳) اس سلسلے میں تیسرا اور جدید ترین نظریہ وہی ہے جس کا ذکر مشہور اسلامی دانشمند و ہندوستان کے سابق وزیر تعلیم ”مولانا ابوالکلام آزاد“ نے اس موضوع پر لکھی گئی اپنی محققانہ کتاب میں کیا ہے۔ ان کی نظر میں ”ذوالقرنین“ کوئی اور نہیں بلکہ ہخانشی بادشاہ ”کوروش اعظم“ ہے۔

جہاں تک پہلے اور دوسرے نظریہ کا سوال ہے کوئی ایسی تاریخی سند موجود نہیں ہے جس کی



روشنی میں اس کا تجزیہ کیا جاسکے۔ اس کا علاوہ قرآن مجید نے ذوالقرنین کی جو صفات بیان کی ہیں وہ نہ سکندر مقدونی میں نظر آتی ہیں اور نہ یمن کے کسی بادشاہ میں صرف یہی نہیں بلکہ سکندر مقدونی نے کوئی دیوار بھی نہیں بنوایا ہے نیز یمن میں موجود ”مارب“ نامی دیوار میں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی جو ذوالقرنین کے تعمیر کردہ اس دیوار سے مطابقت رکھتی ہوں جن کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ کیونکہ قرآنی آیات کے ذوالقرنین نے وحشی اقوام کے حملوں کی روک تھام کے لئے دیوار لوہے اور تانبے سے بنائی گئی تھی اور مارب نامی دیوار کی تعمیر اس زمانے میں راج تعمیراتی اشیاء کی مدد سے کی گئی تھی اور اس کا مقصد سیلاب کی روک تھام تھا جس کی طرف قرآن مجید نے سورہ ”سبا“ میں واضح اشارہ کیا ہے اور اسی دلیل کی بنیاد پر ہم فقط تیسرے نظریہ کا تجزیہ پیش کرتے ہیں لیکن اس سے قبل مندرجہ ذیل باتوں کی طرف متوجہ ہونا لازمی ہے۔

الف: سب سے زیادہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس کو ”ذوالقرنین یعنی دو صدیوں والا“ کیوں کہا گیا ہے۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ مشرقی و مغربی عوام تک پہنچا اسی بنیاد پر اس کو ذوالقرنین کہا گیا۔ عرب ”قرنی الشمس“ یعنی آفتاب کی دو شاخ سے اس کی توجیہ کرتے ہیں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس نے دو صدیوں تک حکومت کی اسی وجہ سے اس کو ذوالقرنین کے نام سے یاد کیا گیا۔ البتہ ان لوگوں کے درمیان اس موضوع پر سخت اختلاف ہے کہ صدی کتنے برسوں پر مشتمل تھی۔ اس سلسلے میں کوئی متفقہ عالمی فیصلہ منظر عام پر نہیں آیا۔

بعض لوگوں کا یہ اندازہ ہے کہ ”ذوالقرنین“ کے سر کے دونوں طرف سینگ جیسی کوئی چیز ابھری ہوئی تھی اسی وجہ سے وہ اس نام سے مشہور ہو گیا۔ اس کے علاوہ بعض مفکرین دانشور یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ایک مخصوص قسم کا تاج پہنتا تھا جس میں دو چھوٹی شاخیں باہر نکلی رہتی تھیں۔ بہر حال ذوالقرنین کے سلسلے میں اس قسم کے بیٹھارے افکار و عقائد ملتے ہیں لیکن اس مختصر سے مقالے میں ان خیالات کا تذکرہ ناممکن ہے۔

ب: قرآنی آیات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ ذوالقرنین ممتاز صفات کا حامل تھا۔

☆ خداوند عالم نے اس کے لئے کامیابوں کے تمام اسباب فراہم کر دیئے تھے۔

☆ اس نے اپنی حکومت کے دوران تین اہم حملے کئے۔ پہلا حملہ مغرب کی طرف، دوسرا مشرق کی طرف اور تیسرا ایک ایسے علاقے کی طرف جہاں اسے تنگ پہاڑی راستوں سے گزرنا پڑا اور ہر لشکر



کشی کے دوران اس کا مقابلہ ایک نئی قوم سے ہوتا رہا۔

☆ وہ ایک مومن و موحد و مہربان شخص تھا اور کبھی عدل و انصاف کی راہ سے منحرف نہیں ہوتا تھا اسی وجہ سے اسے پروردگار عالم کی خصوصی عنایات حاصل تھیں۔ وہ نیک لوگوں کا دوست و ساتھی اور ظالموں کا جانی دشمن تھا اور دنیوی مال و دولت سے کوئی لگاؤ نہ رکھتا تھا۔

☆ وہ خداوند عالم پر بھی ایمان رکھتا تھا اور روز قیامت پر بھی۔

☆ اس نے ایک اہم اور انتہائی مضبوط دیوار کی تعمیر کرائی اور اس کی تعمیر میں اینٹ، پتھر اور سیمنٹ کی جگہ لوہے اور تانبے کا استعمال کیا گیا۔ اس دیوار کی تعمیر کا مقصد یا جوج و ماجوج کے ظلم و ستم کے مقابلے میں کمزور و پسماندہ و مظلوم لوگوں کی مدد و حمایت تھا۔

☆ ذوالقرنین وہ آدمی تھا جو قرآن سے قبل لوگوں کے درمیان مشہور ہو چکا تھا اسی وجہ سے قریش و یہود نے پیغمبر سے اس کے بارے میں سوال کیا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ ”یسئلونک عن ذی القرنین۔ یعنی آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔“

ذوالقرنین کے سلسلے میں تیسرا مشہور و معروف قول یہ ہے کہ کوروش اعظم کا نام ہے۔ اس قول کی بنیاد دو اصولوں پر قائم ہے۔

پہلا اصول یہ ہے کہ ذوالقرنین کے سلسلے میں جن لوگوں نے سوال کیا تھا وہ یہودی تھے اور بعض تفسیروں کے بموجب یہودیوں کی تحریک پر قریش نے پیغمبر سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا تھا۔ بہر حال دونوں صورت میں حقیقت کا پتہ لگانے کے لئے یہودی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہو جاتا ہے۔ مشہور و معروف یہودی کتاب ”دانیال“ کی آٹھویں جلد میں مندرجہ ذیل عبارت ملتی ہے جو دانیال سے منقول ہے۔

”بل شعر“ دور حکومت (دانیال) میں مجھے ایک منظر دکھائی پڑا۔ پہلے مجھے جو منظر نظر آیا تھا اس کے بعد میں نے دوسرا منظر دیکھا اور میرے دیکھتے وقت ایسا کچھ محسوس ہوا کہ میں اس وقت ملک ”عیلام“ کے ”شوشان“ نامی محل میں تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ”اولائی“ نہر کے قریب ہوں۔ اور میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھی تو نہر کے سامنے ایک مینڈھا نظر آیا۔ اس کے دو سینگ ابھرے ہوئے تھے اور سینگ کافی لمبے تھے۔ میں نے اس ”مینڈھا“ کو مغرب و شمالی اور جنوب کی طرف سینگ مارتے ہوئے دیکھا۔ کوئی حیوان اس مینڈھا کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ چونکہ کوئی اس کا سامنا کرنے والا نہ تھا لہذا وہ اپنی من مانی کر رہا تھا اور اسی طرح وہ بڑا ہو گیا۔ اس کے بعد اسی کتاب میں ”دانیال“ ہی



سے یہ بات بھی منقول ہے کہ ”جب وہ خواب سے بیدار ہوئے تو حضرت جبرئیل تشریف لائے اور ان کے خواب کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا کہ ”دوسینگ والا جو مینڈھا آپ نے دیکھا ہے وہ مدائن و فارس کے بادشاہوں میں ایک ہے۔“

کچھ ہی دنوں بعد ایرانی حکومت کے میدان میں کوروش اعظم نمودار ہوا۔ اس نے مدائن و فارس کو ملا کر ایک عظیم سلطنت قائم کی اور جیسا کہ دانیال کی روایت میں کہا گیا تھا کہ وہ مینڈھا مغرب و شمال اور جنوب کی طرف سینگ مار رہا تھا، کوروش اعظم نے ان تینوں علاقوں میں عظیم فتوحات بھی حاصل کیں۔ یہودیوں کو آزاد کر دیا اور انہیں فلسطین واپس جانے کی اجازت بھی دیدی۔

مذکورہ بالا قول کی مزید تصدیق کے لئے دوسری بنیادی دلیل یہ ہے کہ انیسویں صدی میں نہر ”مرغاب“ کے کنارے ”کوروش اعظم“ کا ایک مجسمہ حاصل ہوا جس کی اونچائی انسانی قد و قامت کے برابر ہے۔ اس مجسمہ میں کوروش کے چہرے کے دونوں طرف عقاب کی طرح دو باز نظر آتے ہیں۔ اس کے سر پر جو تاج ہے اس میں مینڈھا جیسی دوسینگ بھی دکھائی دیتی ہیں۔ یہ مجسمہ قدیم فن مجسمہ سازی کی بہترین و گرانقدر مثال ہے اور اس نے بین الاقوامی دانشمندوں کو اس حد تک متوجہ کر لیا کہ جرمنی کے ممتاز دانشوروں نے اس کو دیکھنے کے لئے ایران کا سفر بھی اختیار کیا۔

مندرجات تورات اور اس نادر روزگار مجسمہ کی صفات کے درمیان موجود مطابقت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ماہرین کا یہ احتمال کافی مضبوط ہو گیا کہ ”کوروش“ کو ذوالقرنین کہنے کی بنیاد کیا تھی نیز مذکورہ مجسمہ میں کوروش کے چہرے کے ارد گرد عقاب جیسے دو باز کیوں ابھرے ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ عالمی دانشوروں کی نظر میں ذوالقرنین جیسی اہم تاریخی شخصیت پوری طرح واضح ہو گئی نیز کتب تاریخ میں کوروش کی جن اخلاقی صفات کا ذکر کیا ہے ان کی روشنی میں بھی اس نظریہ کی تائید ہو جاتی ہے۔

مشہور یونانی مورخ ”ہرودت“ لکھتا ہے کہ کوروش نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ لڑا کو اور جنگجو لوگوں کے علاوہ کسی پر تلوار نہ اٹھائیں۔ دشمن کی فوج کا جو سپاہی نیزہ جھکالے اسے ہرگز قتل نہ کریں۔ چنانچہ کوروش کے لشکر نے اس کے حکم کی مکمل پیروی کی جس کی وجہ سے عوام الناس کو جنگی رنج و مصائب کا احساس بھی نہیں ہوا۔

اس کے علاوہ ہرودت مزید لکھتا ہے کہ کوروش ایک کریم سخی اور نہایت رحم دل و مہربان بادشاہ تھا۔ دوسرے بادشاہوں کی طرح اسے مال جمع کرنے کی لالچ نہ تھی بلکہ وہ ہمیشہ عطا و سخاوت کی فکر میں



لگا رہتا تھا۔ وہ مظلوموں کو عدل و انصاف فراہم کرتا تھا اور نیک کام کرنے والوں سے بڑی محبت کیا کرتا تھا۔۔۔۔۔“

ان باتوں کے علاوہ کوروش نے مشرق و مغرب و شمال کا سفر بھی اختیار کیا جس کا ذکر کتابوں میں بدرجہ اتم موجود ہے جس کو قرآن کریم میں ذکر شدہ سہ جانبہ سفر کے مطابق قرار دیا جاسکتا ہے۔

کوروش نے پہلا حملہ ”سیدیا“ نامی ملک پر کیا جو اس وقت ”ایشیائی کوچک“ کے شمالی حصہ میں واقع تھا اور کوروش اعظم کے دار الحکومت کی مناسبت سے یہ ملک مغربی علاقہ میں تھا۔

اگر ہم ایشیائے صغیر کے مغربی ساحل کا نقشہ اپنی نگاہوں کے سامنے رکھیں تو ہم دیکھیں گے کہ ساحل کا بہت بڑا حصہ چھوٹی خلیجوں میں غرق نظر آتا ہے بالخصوص ”ازمیر“ کے نزدیک جہاں خلیج ایک چشمہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یہ وہی منظر تھا جس کو کوروش نے غروب آفتاب کے وقت ساحلی خلیجوں میں مشاہدہ کیا تھا۔

کوروش کا دوسرا حملہ مشرق کی جانب تھا جیسا کہ ”ہردوت“ لکھتا ہے کہ کوروش کا مشرقی حملہ ”سیدیا“ نامی ملک کی فتح کے بعد انجام پایا۔ اس حملے کا مقصد بعض قبائلی بغاوتوں پر قابو حاصل کرنا تھا۔

قرآن کریم کی یہ تعبیر ”حتی اذابلخ مطلع الشمس و جدھا تطلع علی قوم لم نجعل لهم عن دونہا ستر“ ”مشرق کی آخری سرحدوں تک کوروش کے سفر کی طرف اشارہ کرتی ہے جہاں اس نے مشاہدہ کیا کہ آفتاب ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتا ہے جو آفتاب کی گرمی سے بچنے کے لئے کوئی سایبان بھی نہیں رکھتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک بیابان گرد و صحرا اور قوم تھی۔

کوروش کا تیسرا حملہ شمال کی جانب قفقاز کے پہاڑوں کی طرف تھا۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑوں کے درمیان واقع ایک تنگ مقام پر پہنچ گیا۔ وہاں کے عوام کی درخواست کو نگاہ میں رکھتے ہوئے وحشی قوموں کے حملات کو روکنے کے لئے کوروش نے وہاں ایک مضبوط دیوار تعمیر کرادی عصر حاضر کے نقشہ میں اس تنگ علاقے کو ”داریال“ کہا جاتا ہے جو موجودہ نقشوں میں ”ولادی کیوکز“ اور ”دثفلیس“ کے درمیان موجود ہے اور اس جگہ آج بھی اہنی دیوار موجود ہے اور یہ دیوار اسی مضبوط پل کی ہے جس کی تعمیر کوروش اعظم نے کرائی تھی کیونکہ اسمیں وہ اوصاف بخوبی نظر آتے ہیں جو قرآنی آیات میں بیان کئے گئے ہیں۔

ذوالقرنین کی دیوار کہاں ہے؟

اگرچہ بعض لوگ اس دیوار کو مشہور دیوار چین سے منطبق کرنا چاہتے ہیں جو آج بھی قائم اور



سیکڑوں کلو میٹر لمبی ہے لیکن یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ دیوار چین کی تعمیر میں نہ لوہے تانبے کا استعمال کیا گیا ہے اور نہ وہ ایک پتلے اور تنگ پہاڑی علاقے میں واقع ہے بلکہ یہ ایک ایسی دیوار ہے جس کی تعمیر میں عام تعمیری مصالحوں کا استعمال کیا گیا ہے اور یہ ”دیوار“ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے ”سیکڑوں کلو میٹر لمبی اور آج بھی موجود ہے۔ بعض لوگوں کا اصرار ہے کہ وہی دیوار ہے جو یمن میں واقع ہے اور ”پل مارب“ کے نام سے مشہور ہے۔ اگرچہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ پل مارب ایک پہاڑی علاقے میں تعمیر کرایا گیا ہے۔ لیکن اس کا مقصد سیلاب کی روک تھام اور پانی کا ذخیرہ کرنا تھا نیز اس پل کی تعمیر میں لوہے اور تانبے کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔

لیکن دانشوروں کی گواہی کے مطابق سرزمین قفقاز ”سجرحسزرا اور بحریاہ“ کے درمیان واقع ہے اور ایسے چھوٹے چھوٹے پہاڑوں پر مشتمل ہے جو دیوار کی طرح شمالی علاقے کو جنوبی علاقے سے بالکل الگ کر دیتے ہیں۔ یہ سرزمین ”تنگہ داریال“ کے نام سے آج بھی مشہور ہے اور اس جگہ لوہے کی دیوار اب تک موجود ہے اور انہیں حقائق کے بموجب اکثر ماہرین آثار قدیمہ کا خیال ہے کہ دیوار ”ذوالقرنین“ یہی ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے قریب میں ایک ”سالوس“ نامی نہر بھی موجود ہے اور واضح رہے کہ اہل یونان کوروش کو سالوس کہا کرتے تھے۔

آثار قدیمہ کی اصطلاح میں اس دیوار کو ”بھاگ گورائی“ کہا جاتا ہے جس کا مطلب ”تنگہ“ کوروش“ یا ”مبجر کوروش“ ہے اور یہ سند اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اس دیوار کا حقیقی بانی ذوالقرنین ہی تھا۔

یا جوج و ماجوج کون ہیں؟

قرآنی آیات کی روشنی میں یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ یہ دو خونخوار وحشی قبیلوں کا نام ہے جو اس علاقے کے لوگوں کو رنج و مصائب سے دوچار کئے رہتے تھے لیکن تاریخی اعتبار سے یا جوج و ماجوج کے بارے میں بیسہارا اقوال نقل ہوئے ہیں۔ مثلاً عہد عتیق تورات میں مذکور ہے کہ یہ لوگ خانوادہ نوح کی اولاد ہیں۔۔۔ نیز یہ کہ یا جوج و ماجوج عظیم قوم کی حیثیت سے اس زمانے میں شمالی ایشیا کی بلند پہاڑیوں پر زندگی بسر کرتی رہی ہیں اور بعض مورخین کا خیال ہے کہ یا جوج و ماجوج وہ قومیں ہیں جو شمالی ایشیائی علاقے میں تبت و چین سے لیکر شمالی بحر منگولیا اور مغربی علاقے سے ترکستان تک آباد رہی ہیں۔ واضح رہے کہ کتاب فاکہتہ الخلفاء و تہذیب اخلاق ابن مسکوبہ اور رسائل



اخوان الصفاء نے اس بیان کی تصدیق کی ہے۔

مفسر اعظم علامہ طباطبائی نے اپنی مشہور و معروف کتاب المیزان میں لکھا ہے کہ تورات میں منقول روایات کی روشنی میں یہ پتہ چلتا ہے کہ یاجوج و ماجوج وہ عظیم قومیں تھیں جو شمالی ایشیا کے دور افتادہ ترین علاقوں میں زندگی بسر کر رہی تھیں اور اس قوم کے لوگ جنگجو اور لٹیرے تھے۔

میلاد مسیح سے تقریباً پانچ سو سال قبل کوروش کے عہد میں بھی اس قوم کی جانب سے ایک حملہ ہوا لیکن اس زمانے میں مادہ فارس کی متحدہ حکومت قائم ہو گئی، حالات تبدیل ہو گئے اور مغربی ایشیا کو اس قبیلے کے حملات سے آسودگی حاصل ہو گئی۔ اس طرح یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ یاجوج و ماجوج کا تعلق بھی انہیں وحشی قبیلوں سے رہا ہے اور اس علاقے میں کوروش کے سفر کے دوران قفقاز کے لوگوں نے اس سے ان قبائل کی طرف سے ہونے والے حملات کی روک تھام کا مطالبہ کیا تھا اور کوروش نے ان کے مطالبات کے جواب میں ذوالقرنین نامی مشہور دیوار کی تعمیر کا کام انجام دیا تھا۔

آخر کلام میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اب تک فراہم تاریخی اسناد و مدارک سے یہی پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم میں جس ذوالقرنین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ کوروش ہے۔



# اقتباسات کتاب فتنہ یا جوج ماجوج قرآن و حدیث کی روشنی میں

مصنفہ جناب مولانا ظفر اقبال صاحب، جامعہ اشرفیہ لاہور

۱۔ فتنہ تاتار

اوراق تاریخ پلٹتے ہوئے مسافر قلم کا ایک ایسے مقام پر پہنچ کر قدم اور قلم رک گیا جس سے زیادہ ہیبت ناک، دل دوز اور خوفناک منظر کا تصور اسے کبھی نہیں آیا، وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ہو سکتا ہے دامن تاریخ میں اس سے بھی زیادہ لرزہ خیز مظالم کی داستان محفوظ ہو، لیکن نہیں! اسلام اور مسلمانوں پر بادی النظر میں جتنا کڑا وقت اس موقع پر آیا بعد کے ایام اور زمانے اس کی مثال سے بھی خالی ہیں۔

☆☆☆☆☆

مسافر کے قلم کے سامنے صفحات کھل رہے تھے ایک منظر آ رہا تھا اور دوسرا جا رہا تھا، وہ دیکھ رہا تھا کہ ایک وحشی قوم ہے جو نہ بوڑھوں کی بزرگی سے متاثر ہوتی ہے اور نہ ہی بچوں کی معصومی انہیں ترس کھانے پر مجبور کرتی ہے، مردوں کو قتل کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے اور امید والی عورتوں کے پیٹ چاک کر کے آنے والی نئی جان اور اس کی ماں دونوں کو آب حیات سے محروم کرنا ان کا مذہبی فریضہ ہے، مشائخ اور علماء ان کے نزدیک سب سے بڑے مجرم ہیں، مساجد و مدارس اور مکاتب ان کے نزدیک گمراہی کے اڈے ہیں، انہوں نے اپنی ”بے عزتی“ کا بدلہ لینے کے لئے کشتوں کے پتے لگا دیئے اور اتنا قتل عام کیا کہ خود بھی تھک گئے بازاروں اور راستوں کو انسانی لاشوں سے اس طرح پاٹ دیا کہ پورے پورے ٹیلے قائم ہو گئے، صرف بغداد میں اٹھارہ لاکھ متول شمار کئے گئے، علانیہ شراب کے جام لندھائے گئے، خنزیر گوشت سے ضیافت عام کے مزے لوٹے گئے، مساجد کو پانی کی بجائے شراب سے بھر دیا گیا، اذان اور نماز پر سرکاری طور پر پابندی لگادی گئی۔

☆☆☆☆☆

تاریخ کا بے رحم قلم اسے ”فتنہ تاتار“ کے نام سے موسوم کرتا ہے لیکن مصنف اسے صرف ”فتنہ تاتار“ کا نام دینے پر شاید راضی نہ ہو سکے اور اسے اس بات پر اصرار ہو کہ اسے ”فتنہ کفار“ قرار دیا جائے کہ اس وقت (ساتویں صدی ہجری میں) پورا کفران حملہ آوروں کا پشت پنا تھا اور حوصلہ بڑھا رہا تھا اور اعداء اسلام کا یہ گروہ جو بعد میں ”پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے“ کا مصداق بنا، اسلام کا نام و نشان تک صفحہ ہستی سے مٹانے پر تلا ہوا تھا اور اس کے آگے بند باندھنے والا کوئی نہ تھا، ہر ایک



کسمپرسی کا شکار تھا اور ایک دوسرے کا منہ دیکھنے کے علاوہ یا اسلام پر آنے والے ان کڑے حالات پر رونے کے سوا کوئی کچھ نہ کر سکتا تھا، بے بسی اور بے کسی مسلمانوں کے چہروں سے ہویدا تھی کہ اچانک رحمت خداوندی کو جوش آیا، بارانِ رحمت برسی اور یہی تاتار اسلام کے محافظ بن کر دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوئے۔

تاتار حملہ کے اسباب و وجوہات پر گفتگو کرتے ہوئے مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں۔

”عالم اسباب میں اس کا قریبی محرک یہ واقعہ ہوا کہ چنگیز خان نے خوارزم شاہ کو پیام بھیجا کہ میں بھی ایک وسیع سلطنت کا فرمانروا ہوں، اور آپ بھی ایک وسیع سلطنت کے تاج دار ہیں بہتر ہے کہ ہم دونوں تجارتی تعلقات قائم کریں، ہمارے تاجر بے خوف و خطر آپ کے قلمرو میں جائیں اور یہاں کی مخصوص پیداوار اور مال وہاں فروخت کریں اور آپ کے تاجر اطمینان کے ساتھ ہمارے ملک میں آئیں اور وہاں کا مال فروخت کریں، خوارزم شاہ نے اس کو منظور کر لیا اور تجارتی تعلقات قائم ہو گئے اور تجارتی قافلے بے تکلف دونوں ملکوں میں آنے جانے لگے، اس کے بعد کیا پیش آیا جس سے عالم اسلام اچانک خون کے سمندر میں ڈوب گیا اس کی تفصیل مغربی مورخ کی زبان سے سنیے جس کی اسلامی مورخین کے بیان سے حرف بحرف تصدیق ہوتی ہے۔

ہیرلڈ لیمب اپنی کتاب ”چنگیز خان“ میں لکھتا ہے۔

”لیکن تجارت کے تعلقات جو چنگیز خان نے قائم کئے تھے وہ اتفاق سے یک لخت ختم ہو گئے اور یہ اس طرح پیش آیا کہ قراقرم سے تاجروں کا ایک قافلہ مغرب کو آرہا تھا کہ راستہ میں اترار کے حاکم نے جس کا نام انیل جن تھا، قافلہ کے سب آدمیوں کو گرفتار کر لیا اور اس کی اطلاع اپنے آقا یعنی خوارزم شاہ کو اس طرح کی گویا اس قافلہ میں جاسوس بھی موجود ہیں، انیل جن کا کہ خیال بالکل قرین عقل تھا۔

حاکم اترار کے پاس سے اطلاع کے آتے ہی سلطان محمد خوارزم شاہ نے بے سوچے سمجھے حکم دے دیا کہ قافلہ کے کل تاجروں کو ہلاک کر دیا جائے، چنانچہ اس حکم کے مطابق قراقرم سے آئے ہوئے کل تاجر قتل کر دیئے گئے، اس کی اطلاع جس وقت چنگیز خان کو ہوئی تو اس نے فوراً اپنے سفیر بھیج کر خوارزم شاہ سے اس کی شکایت کی، سلطان محمد نے سفیروں کے سردار کو بھی قتل کر دیا اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے ان کی داڑھیاں جلوادیں، اس سفارت میں سے جن لوگوں کی جان بچ گئی تھی وہ چنگیز



خان کے پاس واپس آئے اور کل حال عرض کیا، دشت گوبی کا خان حال سنتے ہی ایک پہاڑی پر چڑھ گیا کہ تنہائی میں اس واقعہ پر غور کرے، مغلوں کے ایلچی کو مار ڈالنا ایسا فعل تھا جسے بغیر سزا کے چھوڑنا ممکن نہ تھا، یہ حرکت ایسی تھی جس کا بدلہ لینا مغلوں کی گذشتہ روایات کے لحاظ سے ضروری تھا۔

چنگیز خان نے کہا جس طرح آسمان پر دو آفتاب نہیں رہ سکتے، اسی طرح زمین پر دو خاقان نہیں رہ سکتے“

اسلام کے مشرقی ممالک تا تاریخوں کی زد میں:

تاریخوں نے پہلے بخارا کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اس کو ایک تودہ خاک بنا دیا شہر کی آبادی میں سے کوئی زندہ نہیں بچا، پھر سمرقند کو خاک سیاہ کر دیا اور ساری آبادی کو فنا کے گھاٹ اتار دیا یہی حشر عالم اسلام کے نامی گرامی شہروں رے، ہمدان، زنجان، قزوین، مرو، نیشاپور، خوارزم کا ہوا، خوارزم شاہ جو عالم اسلامی کا واحد فرمانروا اور سب سے طاقتور سلطان تھا تا تاریخوں کے خوف سے بھاگا پھرتا تھا اور تا تاریخ اس کے تعاقب میں تھے یہاں تک کہ ایک نامعلوم جزیرہ میں اس نے قضا کی۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ابن اثیر جیسا مورخ جس نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ دنیا کی تاریخ لکھی ہے اپنی قلبی کیفیت اور تاثر کو چھپا نہیں سکا وہ لکھتا ہے

”یہ حادثہ اتنا ہولناک اور ناگوار ہے کہ میں کئی برس تک اس پس و پیش میں رہا کہ اس کا ذکر کروں یا نہ کروں، اب بھی بڑے تردد و تکلف کے ساتھ اس کا ذکر کر رہا ہوں، واقعہ بھی یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی خبر موت سنانا کس کو آسان ہے اور کس کا جگر ہے کہ ان کی ذلت و رسوائی کی داستان سنائے؟ کاش میں نہ پیدا ہوا ہوتا، کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر چکا ہوتا اور بھولا بسر اہو جاتا لیکن مجھے بعض دوستوں نے اس واقعہ کے لکھنے پر آمادہ کیا، پھر بھی مجھے تردد تھا لیکن میں نے دیکھا کہ نہ لکھنے سے کچھ فائدہ نہیں، یہ وہ حادثہ <sup>عظمیٰ</sup> اور مصیبت کبریٰ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، اس واقعہ کا تعلق تمام انسانوں سے ہے لیکن خاص طور پر مسلمانوں سے ہے اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ از آدم تا ایں دم ایسا واقعہ دنیا میں پیش نہیں آیا تو وہ کچھ غلط دعویٰ نہ ہوگا، اس لئے کہ تاریخوں میں اس واقعہ کے پاسنگ بھی کوئی واقعہ نہیں ملتا اور شاید دنیا قیامت تک (یا جوج ماجوج کے سوا) کبھی ایسا واقعہ نہ دیکھے ان وحشیوں نے کسی پر رحم نہ کھایا انہوں نے عورتوں، مردوں اور بچوں کو قتل کیا عورتوں کے پیٹ چاک کر دیئے اور پیٹ کے بچوں کو مار ڈالا ”إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“ یہ حادثہ عالمگیر و عالم آشوب تھا یہ ایک طوفان کی طرح اٹھا اور دیکھتے سارے عالم میں



پھیل گیا۔“

”مرصاد العباد“ کا مصنف جو اس تاتاری حملہ کا شاہد عینی ہے اور جس کا مولد رے اور مسکن ہمدان اس تاتاری غارت گری کے نذر ہو چکے تھے، لکھتا ہے:

”تاریخ شہور سنہ سبع و عشر و ستائتہ لشکر مخذول کفارتا تار“ خذلہم اللہ و دمرہم“  
استیلا یافات برآں دیار و آں فتنہ و فساد و قتل و ہدم و حرق کہ از اں ملاعین ظاہر گشت در ہیج عصر در زمان کفر و اسلام کس نشان نہ دادہ است، و در ہیج تاریخ نیامدہ قبل ازیں پیشتر چگونہ بود کہ از یک شہر رے کہ مولدو منشائے ایں ضعیف است قیاس کردہ اند کما بیش ہفت صد ہزار آدمی بقتل آمدہ است و اسیر گشتہ از شہر و ولایت و فتنہ و فساد آں ملاعین مخاذیل بر حملگی اسلام و اسلامیاں از اں زیارت است کہ در حیز عبارت گنجد و ایں واقعہ از آں شائع تر است در جہاں کہ بشرح حاجت فتدوا گر عیاذ ابا اللہ غیرت و حمیت اسلام در نہا و ملوک و سلاطین نجنبند کہ عہدہ رعایت مسلمانی و مسلماناں در ذمہ ایشاں است کہ ————— ”الا میرداع علی رعیتہ و هو مسول عنہم“ و ارتحیت و رجولیت دین دامن ایشاں نگیر و تابا تفاق جمعیتے کنند و کمر انقیای فرمان ”انفرو اخفافا و ثقلا و جاہدوا باموالکم و الفسکم فی سبیل اللہ“ بر میاں جان بندند و نفس و مال و ملک در دفع ایں فتنہ فدا کند بوے آں ست آید کہ بیک بارگی مسلمانی بر انداختہ شود و اکثر بلاد اسلام بر افتاد ایں بقیت رانیز بر اندازند و جہاں کفر گیرد و نعوذ باللہ خوف و خطر آں ست کہ مسلمانی آں قدر اسے کہ ماندہ بود شومی معاملہ ماہد عیان بے معنی چنان بر خیزد کہ نہ اہم ماند نہ رسم“

تنہا عالم اسلام نہیں اس وقت کی پوری متمدن دنیا تاتاریوں کے حملہ سے لرزہ بر اندام تھی، جہاں ان کے پہنچنے کے بہت کم امکانات تھے وہاں بھی دہشت پھیلی ہوئی تھی، گین اپنی مشہور کتاب ”تاریخ انحطاط و سقوط رومہ“ میں لکھتا ہے۔

”سوڈن کے باشندوں نے روس کے ذریعہ تاتاری طوفان کی خبر سنی، ان پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ وہ ان کے خوف سے اپنے معمول کے مطابق انگلستانی سواحل پر شکار کھیلنے کے لئے نہیں نکلے“

کیمبرج کی تاریخ عہد وسطیٰ کے مصنفوں نے مغلوں کے اس شدید تصادم کو جس کا محرک چنگیز خاں ہوا، بڑی خوبی کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

’انسان کے طاقت سے باہر تھا کہ مغلوں کو روک سکیں، دشت و صحرا کے تمام خطروں پر وہ



غالب آئے، پہاڑ، سمندر، موسمی سختیاں، قحط، وبائیں کوئی بھی ان کی راہ میں مزاحم نہ ہوسکا، کسی قسم کے خطروں کا انہیں خوف نہ تھا، کوئی قلعہ ان کے حملہ کی تاب نہ لاسکتا تھا اور رحم کے لئے کسی مظلوم کی فریاد ان پر اثر نہ کرتی تھی، یہاں میدان تاریخ میں یک نئی طاقت سے ہم کو واسطہ پڑتا ہے یہ طاقت اور زور ایسا تھا جس نے بہت سے ملکی اور سیاسی قضیوں کا چشم زدن میں فیصلہ کر دیا اور انہیں اس طرح مٹا دیا جیسے آسمان زمین پر گر کر سب چیزوں کو مٹا دے، یہ ملکی اور سیاسی قضیے بھی ایسے تھے کہ اگر آفت نازل نہ ہوتی تو آگے چل کر یا تو کسی کے حل کئے وہ حل نہ ہوتے اور اگر جاری رہتے تو کبھی ختم ہونا نہ جانتے، تاریخ عالم میں اس نئی قوت کا ظہور یعنی ایک شخص واحد کی یہ قابلیت کہ بنی نوع انسان کے تمدن کو بدل دے چنگیز خاں سے شروع ہوا اور اس کے پوتے قوبیلائی خاں پر ختم ہو گیا جس کے زمانہ میں مغلوں کو سالم اور بسط سلطنت نے تقسیم و تفریق کے آثار ظاہر کرنے شروع کر دیئے، ایسی طاقت پھر کبھی دنیا کے پردہ پر ظاہر نہیں ہوئی۔“

بغداد کی تباہی:

بالآخر یہ وحشی عالم اسلام کو زیر کر کے، خون کے دریا بہاتے اور آگ لگاتے ۶۵۶ھ میں چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کی سرکردگی میں دنیائے اسلام کے دار الخلافت اور اس عصر کے سب سے بڑے علمی مرکز اور متمدن شہر بغداد میں داخل ہوئے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، بغداد کی تباہی اور مسلمانوں کے قتل عام کی تفصیل طویل اور بہت دردناک ہے کچھ اندازہ ان مورخین کے بیانات سے ہوگا جنہوں نے اس حادثہ کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اس کی تفصیلات دیکھنے والوں سے سنیں، مورخ ابن کثیر لکھتے ہیں:

”بغداد میں چالیس دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا، چالیس دن کے بعد یہ گلزار شہر جو دنیا کا پر رونق ترین شہر تھا ویران و تاراج ہو گیا کہ تھوڑے سے آدمی دکھائی دیتے تھے، بازاروں اور راستوں پر لاشوں کے ڈھیر اس طرح لگے تھے کہ ٹیلے نظر آتے تھے، ان لاشوں پر بارش ہوئی تو صورتیں بگڑ گئیں اور سارے شہر میں بدبو پھیلی جس سے شہر کی ہوا خراب ہو گئی اور سخت وبا پھیلی جس کا اثر شام تک پہنچا، اس ہوا اور وبا سے بکثرت مخلوق مری، گرانی وبا اور فنا، تینوں کا دور دورہ تھا“

شیخ تاج الدین السبکی لکھتے ہیں:

”ہلاکو خاں نے خلیفہ بغداد (مستعصم) کو ایک خیمہ میں اتارا اور وزیر ابن العلقمی نے علماء و اعیان شہر کو دعوت دی کہ خلیفہ اور ہلاکو کے صلح نامہ پر گواہ بنیں، وہ آئے تو ان سب کی گردن اڑادی گئی،



اسی طرح ایک ایک گروہ یکے بعد دیگرے بلایا جاتا اور اس کی گردن اڑادی جاتی، پھر خلیفہ کے معتمدین و مقررین کو بلایا گیا اور ان کو بھی قتل کر دیا گیا خلیفہ کے متعلق عام طور پر مشہور تھا کہ اگر اس کا خون زمین پر گرا تو کوئی بڑی آفت آئے گی، ہلا کو تو رد تھا، نصیر الدین طوسی نے کہا کہ یہ کچھ مشکل بات نہیں خلیفہ کا خون نہ بہایا جائے بلکہ دوسری طرح اس کی جان لی جائے چنانچہ اس کو فرش میں لپیٹ دیا گیا اور ٹھوکروں اور لاتوں سے اس کو ختم کر دیا گیا۔“

بغداد میں ایک مہینہ سے زیادہ قتل عام جاری رہا اور صرف وہی بچ سکا جو چھپا رہا، کہا جاتا ہے کہ ہلاکونے مقتولین کو شمار کرایا تو ۱۸ لاکھ مقتول شمار ہوئے۔

عیسائیوں کو حکم دیا گیا کہ علانیہ شراب پیئیں اور سور کا گوشت کھائیں، اگرچہ رمضان کا زمانہ تھا مگر مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ شرکت کریں، مسجدوں کے اندر شراب انڈیلی گئی اور اذان کی ممانعت کر دی گئی یہ وہ بغداد ہے جو (جب سے آباد ہوا) کبھی دارالکفر نہیں ہوا تھا، وہاں وہ واقعہ پیش آیا جو کبھی تاریخ میں پیش نہیں آیا۔ (تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۳۱۲ تا ۳۱۹)

مورخین نے بجا طور پر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک ”یا جوج ماجوج کے علاوہ“ نہ اس سے بڑے فتنے کا ثبوت ملتا ہے اور نہ ہی اس کی تلاش میں اپنے اوقات کا خون کرنا چاہئے، البتہ یہ بات قابل ستائش ہوگی کہ آنے والے فتنے کے بارے مستند معلومات حاصل کی جائیں، اس سے بچنے کی دعا اور اہتمام کیا جائے اور اپنی اولاد و متعلقین کو اس فتنے کی ہمہ گیری سے ڈراتے ہوئے آخرت کی تیاری کی طرف متوجہ کیا جائے۔

یا جوج ماجوج، ایک تعارف:

تاریخ انسانیت میں ”ابوالبشر“ کا لقب صرف دو ہستیوں کو مل سکا اور ان میں بھی بہر حال اول و ثانی کو تفریق برقرار رکھی گئی ہے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو ”ابوالبشر اول“ اور حضرت نوح علیہ السلام کو ”ابوالبشر ثانی“ کہا جاتا ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام کی ہمہ گیری کے بعد ”سفینہ نجات“ پر سوار ہو کر حفاظت خداوندی میں آنے کا سب سے بڑا ذریعہ حضرت نوح علیہ السلام ہی تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے چار بیٹوں میں سے ’کنعان‘ تو اسی طوفان کا شکار ہو کر غضب خداوندی سے ہلاک ہوا اور ثابت کر گیا کہ جنت کا دار و مدار حسب نسب پر نہیں ایمان و اعمال صالحہ پر ہے، جبکہ باقی تین بیٹے نجات یافتہ ہو کر تین مختلف نسلوں کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنے۔ جن کو بعد میں درج ذیل ناموں سے یاد کیا گیا۔



- (۱) سام کو ”ابوالعرب“ کا خطاب ملا۔  
 (۲) حام ”ابوالسودان“ کے نام سے متعارف ہوئے۔  
 (۳) یافث ”ابوالترک“ کے خطاب سے مشہور ہوئے۔

مورخ خالد ذکر ”یافث“ ہی کی اولاد میں سے ”یا جوج ماجوج“ کا ہونا بھی بعض علماء کا موقف ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۰ پر مذکور ہے اور اتنی بات تو بہر حال طے ہے کہ ”یا جوج ماجوج“ کسی طاقت یا ماوراء عقل و طبیعیات ہستی کا نام نہیں بلکہ یہ بھی انسانوں کے دو گروہ ہیں جن کا نسبی تعلق حضرت نوح عليه السلام کے صاحبزادے ”یافث“ سے جڑتا ہے۔

اس سلسلے میں کتاب مقدس تورات سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

”نوح کے بیٹوں سم حام اور یافث کی اولاد یہ ہیں، طوفان کے بعد ان کے ہاں بیٹے پیدا ہوئے، بنی یافث یہ ہیں جمر اور ماجوج اور مادی اور یادان اور توہل اور مسک اور تیراس“۔ (کتاب مقدس ص ۱۱۱ اپیدائش: باب نمبر ۱۰، آیت نمبر ۱، ۲)

کتاب اپیدائش کی اس عبارت میں صرف لفظ ”ماجوج“ کا ذکر ملتا ہے لیکن ”یا جوج“ کا ذکر یہاں نہیں ملتا، اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ کتب سابقہ اس کے ذکر سے ہی خالی ہیں بلکہ ”جوج“ کے لفظ سے اس کا تذکرہ بھی کتب سابقہ میں ملتا ہے جیسا کہ عنقریب اپنے مقام پر آئے گا۔

نیز کتاب اپیدائش کی اس عبارت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ یا جوج اور ماجوج حضرت نوح عليه السلام کے پوتے اور یافث کے بیٹے تھے کیونکہ آگے ان کی اولاد در اولاد تک کا تذکرہ کتاب اپیدائش میں خاصاً تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور یہ کوئی غیر معروف بات نہیں کہ بانی قبیلہ کے نام پر قبیلہ کو منسوب کیا جائے چنانچہ اس کی واضح ترین مثال ”عاد و سبأ“ ہے کہ ”عاد“ بھی ایک شخص کا نام تھا جس کی طرف پوری قوم اور قبیلے کو منسوب کر دیا گیا اسی طرح ”سبأ“ بھی ایک شخص کا نام تھا، بعد میں اس کی طرف پوری قوم کی نسبت کر دی گئی اسی طرح یا جوج ماجوج بھی شخصی نام تھے جن کی طرف ان کی پوری قوم اور قبیلے کو منسوب کر دیا گیا اور ان کی قوم کو انہیں کے نام سے پکارا جانے لگا۔

لفظ یا جوج ماجوج کی حقیقت

گذشتہ تحریر اس بات کی غماز ہے کہ یا جوج ماجوج دو قبیلوں کا نام ہے جو اپنے بانی کی طرف منسوب ہیں، اب اس بات پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کی حقیقت کیا ہے؟ کیونکہ ظاہر ہے کہ اتنے قدیم نام اپنی اصل سے بگڑتے بگڑتے ہی اس حال پر پہنچے ہوں گے جیسا کہ ہم



دوسرے بہت سے الفاظ دیکھتے ہیں جو ابتداء میں ان حروف سے مرکب تھے جنہیں نیرنگی زمانہ سے برقرار نہ رکھا جاسکا چنانچہ اس سلسلے میں ہمارے سامنے مختلف الفاظ آتے ہیں جن کی بگڑی ہوئی صورت یا جوج ماجوج ہے۔

- |    |                     |    |                |
|----|---------------------|----|----------------|
| ۱۔ | موگ اور یوچی        | ۲۔ | گاگ اور میگاگ  |
| ۳۔ | منگولیا اور منجوریا | ۴۔ | کاس اور میکاس  |
| ۵۔ | جین اور ماجین       | ۶۔ | آقوق اور ماقوق |
| ۷۔ | گوگ اور ماگوگ       | ۸۔ | غوغ اور ماغوغ  |
| ۹۔ | کوک اور وکوک        |    |                |

یاد رہنا چاہئے کہ ان میں سے اول الذکر چینی زبان میں استعمال ہونے کا نتیجہ ہے، ثانی الذکر یورپی زبانوں کی تعمیر ہے اور موخر الذکر ہندی زبان کی تعبیر ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ یا جوج ماجوج کا تذکرہ ہندی کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ عنقریب آتا ہے۔

### یا جوج ماجوج کا مصداق

مختلف تاریخی ادوار اور زمانے کی دستبرد کا شکار ہوتے ہوئے اس حال میں پہنچنے والے ان دونوں لفظوں کی اصل حقیقت تو سامنے آگئی، اب ہمیں اس نکتے پر غور کرنا ہے کہ یا جوج ماجوج کا مصداق کون سی قوم ہے؟ اور کس پر اس لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ نیز یہ کہ کیا یہ قوم گذر چکی ہے یا ابھی اس نے آنا ہے؟

سو پہلے سوال کے جواب میں ہمارے سامنے حسب ذیل تفصیل آتی ہے۔

۱۔ اس قوم کو متعین کرنا یا اس لفظ کا مصداق متعین کرنا ایک ایسی بحث ہے جس کا سراملنا بہت مشکل ہے، کیونکہ جب ان کی جائے سکونت اور رہائش کا مقام ہی پردہ خفا میں ہے اور اس سلسلے میں مختلف آراء سامنے موجود ہیں تو پھر جزم اور یقین کے ساتھ کسی ایک پر ”یا جوج ماجوج“ کا لقب چسپاں کرنا ایک مشکل مرحلہ ہے۔

۲۔ ماضی قریب کے بعض علماء نے اس کا مصداق منگولیا کے صحرا انوردو حشی قبائل کو قرار دیا ہے اور ان کے سلسلے کو مزید وسیع کرتے ہوئے تاتاریوں کو بھی ان میں ہی شامل کیا ہے اور تاتاری یورش کو اسی کا ایک شاخسانہ قرار دیا ہے ایسے علماء میں مولانا ابوالکلام آزاد کا نام بہت نمایاں ہے، اسی طرح مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی صاحب بھی اسی رائے کے حامی و موید دکھائی دیتے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ



تاریخ اقوام کے حوالے سے اس مسئلہ میں ان دونوں حضرات کا تجزیہ اتنا ملتا جلتا ہے کہ ایک لمحے کے لیے تو انسان چکرا کر رہ جاتا ہے کہ دو الگ الگ خصوصیات کی حامل شخصیات کی عبارتوں میں یہ کمال مطابقت؟ لیکن غور و فکر کے بعد مولف یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہوا ہے کہ ان دونوں حضرات کی تقریریں دراصل ماخوذ ہے حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری صاحب کی تقریر سے اور شاہ صاحب کے اشادات بھی یہی رخ اختیار کر رہے ہیں جو ان دونوں حضرات نے بہت وضاحت سے اپنے قارئین کے سامنے پیش کر دیئے۔

اس موقع پر نا انصافی ہوگی اگر تاریخ اقوام کا ایک مختصر سا تجزیہ انہی دونوں حضرات کی تقریر سے اپنے الفاظ میں نقل نہ کیا جائے تاکہ ان حضرات کا ذہنی رجحان واضح ہو جائے لیکن اس سے پہلے چند ابتدائی امور ذہن نشین کرنا ضروری ہیں۔

۱۔ دنیا میں اس وقت جتنی بھی متمدن اقوام ہیں وہ شروع سے متمدن اور مہذب نہیں ہیں بلکہ ان پر ایک ایسا دور بھی گذرا ہے جس میں کوئی ان کے نام سے بھی آشنا نہ تھا مثلاً موجودہ یورپ اور امریکہ، اسی طرح موجودہ پاکستان کہ آج سے صرف ساٹھ سال پہلے روئے زمین پر ”پاکستان“ کے نام سے کوئی خطہ شناسا نہ تھا اور اب وہ ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہونے پر بضد ہے اور ہم بھی اس کی ترقی کے لئے کوشاں و دعا گو ہیں۔

۲۔ موجودہ تہذیب و تمدن سے پہلے ان اقوام کو دوسرے ناموں سے پکارا جانا کوئی امر مستعبد نہیں بلکہ ایک یقینی بات ہے۔

۳۔ موجودہ تہذیب و تمدن سے پہلے ان اقوام کو جن ناموں سے پکارا جاتا تھا عین ممکن ہے کہ وہ اس زمانے کی انتہائی بگڑی ہوئی سرکش اور متمدن قوم کا نام رہا ہو، لیکن تہذیب و تمدن کے اس جدید دور سے بہرہ مند ہونے کے بعد ان اقوام نے اپنے پیدائشی علاقے سے ترک وطن کر کے اس نسبت سے اپنا پیچھا چھڑالیا ہو اور اپنا کوئی دوسرا نام تجویز کر لیا ہو اور اپنی پرانی عادات و خصائل کو یک لخت ترک اور تبدیل کر دیا ہو۔

ان تین نکات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد اب اس بات پر غور فرمائیے کہ دنیا میں جتنی بھی اقوام بستی ہیں ان تمام کا سرچشمہ اور مرکز جہاں سے یہ اقوام نکلیں، پھیلیں اور مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے موسوم ہوئیں، دو ہیں۔

۱۔ حجاز: یہ ان تمام اقوام کا مرکز اور سرچشمہ ہے جن کے نام کے ساتھ سامی النسل ہونے کا پیوند لگا



ہے۔

۲۔ منگولیا یا چینی ترکستان: اسے کاکیشیا بھی کہا جاتا ہے۔ کاکیشیا کوہ قاف کا علاقہ ہے ترکستان کے اوپر ہے۔

حجاز سے نکلنے کے بعد جو اقوام مختلف علاقوں میں جا کر آباد ہوئیں ان کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔

- ۱۔ عادات اولی
- ۲۔ عاد ثانیہ
- ۳۔ جدیس
- ۴۔ طسم
- ۵۔ شاہان حمیر
- ۶۔ عمالقہ مصر
- ۷۔ شام
- ۸۔ عراق وغیرہ

اور چینی ترکستان سے جو اقوام مختلف علاقوں میں جا کر سکونت پذیر ہوئیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

- ۱۔ وسط ایشیا (ایران) ۲۔ یورپ (ہن وغیرہ)
- ۳۔ ہندوستان (آرین) ۴۔ بحر اسود سوڈان ۵۔ رشین وغیرہ

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایران، یورپ اور ہندوستان وغیرہ علاقوں میں جتنے افراد و اقوام ایک معاشرتی زندگی کے بندھن سے وابستہ ہیں یہ تمام نہ سہی بہر حال ایک بڑی اکثریت کاکیشیا سے ترک وطن کر کے ان مختلف علاقوں میں آ کر سلسلہ بود و باش سے منسلک ہوئے ہیں اور ابتداء ان کی زندگی صحرا نورد وحشی قبائل والی تھی اب اگر اس کے ساتھ علامہ انور شاہ صاحب کی عبارت کا یہ حصہ جوڑ دیا جائے تو بات نتیجہ خیز حد تک پہنچ جائے گی، وہ فرماتے ہیں۔

”ان رو سیامن یا جوج، و اهل بریطانیا من ماجوج“۔ (فیض الباری ج ۴ ص ۲۵)

”کہ روسیوں کا تعلق یا جوج سے ہے اور اہل بریطانیہ ماجوج کی طرف منسوب ہیں“ حضرت شاہ صاحب کی اس تحقیق کے بعد گو مجھ جیسے ناکارہ و ہیچ مدان کو اپنی حیثیت پہچان کر بات کرنی چاہیے لیکن اس موقع پر میں اپنی بات اپنے الفاظ سے زیادہ حضرت شاہ صاحب ہی کے شاگرد رشید حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب کے الفاظ میں زیادہ موثر پاتا ہوں آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ ”تاہم باوجود ان تمام صفاتی نشانیوں کے مجھے اعتراف کرنا ہے کہ قرآنی آیات کی روشنی ہم نام اور رسمی تعین کے ساتھ ان قوموں کو متعین نہیں کر سکتے جن کو قرآن نے یا جوج ماجوج کی بھیر میں داخل کیا ہے، مذکورہ بالا قرآنی آیتوں کو باہم پیوند کر کے دیکھنے کے بعد بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ ایک ٹوپی ضرور



تیار ہوگئی ہے اب یہ آپ کا اور ہمارا کام ہے کہ قوموں کے سروں پر رکھ رکھ کر دیکھیں کہ یہ ٹوپی ٹھیک کن سروں پر بیٹھ جاتی ہے، اس میں غیر قرآنی چیزوں سے کچھ مدد بھی اگر لی گئی تو ان کی حیثیت مغزی اور گوٹ کی ہے لیکن جوہری ٹکڑے صرف قرآن سے حاصل کیے گئے ہیں۔ (دجالی فتنہ کے نمایاں خدوخال ص ۲۶۱)“

مولانا گیلانی کی اس عبارت سے حسب ذیل امور منقح ہو کر سامنے آتے ہیں۔

- ۱۔ یاجوج ماجوج کی رسمی تعین کے باوجود ان کی حتمی تعین ممکن نہیں۔
- ۲۔ مختلف اقوام پر ان صفات کو منطبق کر کے کوئی فیصلہ کرنا بھی ممکن ہے۔
- ۳۔ اس سلسلے میں دیگر تحریری و غیر تحریری مواد سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔
- ۴۔ اس سب کے باوجود اس کی حیثیت امرکافی ہی ہوگی، یقینی نہیں۔

ان چار نکات کے بعد راقم الحروف عربی کا ایک مقولہ اپنے ذہن میں بار بار متوجہ پارہا ہے یعنی ”الولد سرلابیہ“ کہ بیٹا اپنے باپ کا رازدان ہوتا ہے اس لئے حضرت گیلانی ”جو حضرت شاہ صاحب کے روحانی فرزند ارجمند ہیں“ کی اس عبارت کی روشنی میں حضرت شاہ صاحب کا منشاء اس گنہگار کو تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اولاد تو ہمیں ان اقوام کی تعین کے درپے نہیں ہونا چاہئے اور اگر تحقیق کے میدان میں اس کی ضرورت پڑے تو پھر قرآن میں بیان کردہ صفات کی روشنی میں کوئی فیصلہ کر لیا جائے لیکن وہ قطعی پھر بھی نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

اس تمام تفصیل سے اس سوال کا جواب تو واضح ہوا ہی کہ یاجوج ماجوج کا مصداق کون سی اقوام ہیں؟ یہ بھی واضح ہو گیا کہ مختلف ادوار میں مختلف صورتوں میں یہ قوم ہمیشہ موجود رہی ہے البتہ یہ بات وضاحت طلب اور قابل غور رہ گئی ہے کہ کیا وہ صحرا نورد وحشی جو کسی زمانے میں قرآنی اصطلاح کے مطابق یاجوج ماجوج کہلاتے تھے اب وہ یاجوج ماجوج نہیں کہلائیں گے؟ بلکہ ان کی جگہ یورپ اور روس و برطانیہ کے گورے انگریزوں نے لے لی ہے جو بربریت و سفاکیت میں وحشیوں سے کسی طرح بھی کم نہیں؟ تو اس سوال کا جواب نفی میں ہے کیونکہ متمدن علاقوں میں آکر آباد ہونے والی اقوام ان وحشی قبائل کا ایک معتد بہ حصہ ضرور تھیں لیکن وہ وحشی قبائل و اقوام مکمل طور پر اپنے اصل علاقے کو ترک کر کے دیار غیر میں جا کر نہیں بس گئے تھے بلکہ ان کی ایک بڑی تعداد ابھی اپنے سابقہ مستقر اور مرکز میں موجود ہے اس لئے ہم صرف یورپ و برطانیہ کے باشندوں پر یہ لقب چسپاں کر کے اصل صحرا نورد و وحشیوں کو اس لقب سے ماوراء قرار نہیں دے سکتے بلکہ اس کا حقیقی مصداق تو وہی ہیں البتہ مجازی طور پر



مذکورہ اقوام پر بھی ان کا اطلاق شاہ صاحب کی تحقیق کے مطابق کیا جاسکتا ہے۔  
قبائل یا جوج ماجوج:

یا جوج ماجوج بھی اسی طرح قبائلی تقسیم سے منسلک ہیں جس طرح دیگر مختلف علاقوں میں آباد لوگ قبائلی تقسیم کا حصہ ہیں مورخین و مفسرین کے مطابق ان کے بائیس قبیلے ہیں چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

”قرطبی نے اپنی تفسیر میں بحوالہ سدی نقل کیا ہے کہ یا جوج ماجوج کے بائیس قبیلوں میں سے اکیس قبیلوں کو سد ذوالقرنین سے بند کر دیا گیا، ان کا ایک قبیلہ سد ذوالقرنین کے اندر اس طرف رہ گیا وہ ترک ہیں۔“ (معارف القرآن ج ۵ ص ۶۴۹)

مرتب: مفتی صاحب کی یہ تحریر بغیر کسی حوالہ کے ہے۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ترک عربی زبان کا لفظ ہے اور یا جوج ماجوج اور ذوالقرنین میں سے کسی کی زبان عربی نہیں ہے بلکہ وہ تو ذوالقرنین کی زبان بھی نہیں جانتے۔

اور حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی تحریر فرماتے ہیں۔

”اور بعض عرب مورخین نے تو ”ترک“ کی وجہ تسمیہ ہی یہ بیان کر دی کہ یہ وہ قبائل ہیں جو یا جوج ماجوج کے ہم نسل ہونے کے باوجود سد سے ورے آباد تھے اور اس لئے جب ذوالقرنین نے سد قائم کی اور ان کو اس میں شامل نہیں کیا تو اس چھوڑ دیئے جانے کی وجہ سے وہ ”ترک“ کہلائے۔“ (قصص القرآن سوم ص ۱۹۵)

مرتب: یا جوج ماجوج قرآنی بیان کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی قبیلہ شکایت کنندہ قوم کی طرف نہیں رہا ہے۔

یا جوج ماجوج کتب سابقہ اور قرآن کریم کی روشنی میں:

یا جوج ماجوج کے اس اجمالی اور مختصر تعارف کے بعد ہم اپنے اس موضوع پر باضابطہ گفتگو شروع کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ مسلمانوں کا یہ اعلیٰ اور انتہائی اہم دستور و منشور بھی اس فتنے کے تذکرے سے خالی نہیں بلکہ اپنے پیروکاروں کی اس سلسلہ میں ایک جامع راہنمائی کا ضابطہ پیش کرتا ہے جسے سامنے رکھ کر اس مسئلے کی بہت سی کڑیوں کو حل اور بہت سی گتھیوں کو سلجھایا جاسکتا ہے۔



قرآن کریم میں یا جوج ماجوج کا تذکرہ:

اس سلسلے میں ہم اپنے قارئین کے سامنے سورہ کہف میاں کہ کے آخر سے پہلے والے رکوع کا مکمل ترجمہ شروع کتاب میں پیش کر چکے ہیں تاکہ اس سلسلے کی تمام مباحث پر ایک اجمالی اور سرسری نظر گذر جائے۔

قرآن کریم کے اس اقتباس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ

۱۔ اس علاقے کے لوگوں نے ”یا جوج ماجوج“ کے فساد برپا کرنے اور تنگ کرنے کی شکایت ذوالقرنین سے کی۔ جو بظاہر یا جوج ماجوج سے نہیں تھے۔

۲۔ ان لوگوں نے ”ذوالقرنین“ سے ایک رکاوٹ اور سد بنانے کی درخواست کی اور اس پر انہیں مزدوری و اجرت یا ٹیکس واجب الاداء کی بھی پیشکش کی۔

۳۔ ذوالقرنین نے اس پیشکش کو عمدہ طریقے سے رو کر کے انکی درخواست قبول کر لی۔

۴۔ ذوالقرنین نے ان سے لوہے کی چادریں منگوا کر انہیں دیوار کی طرح جوڑا اور آگ کی بھٹیاں لگا کر انہیں خوب دھونکا گیا۔

۵۔ ذوالقرنین نے لوہے کی دیوار قائم کرنے کے بعد اس پر پگھلا ہوا تانبا انڈیلایا تاکہ وہ اچھی طرح مضبوط اور ناقابل تخیر ہو جائے۔

۶۔ اس مضبوط دیوار کے تعمیر ہو چکنے کے بعد ذوالقرنین نے بارگاہ خداوندی میں حمد و شکر کا نذرانہ عقیدت پیش کیا۔

۷۔ ذوالقرنین نے ”وعدرب“ آنے تک اس دیوار کے قائم رہنے کا اندازہ لگایا۔

۸۔ اس دیوار کے بن جانے کے بعد وہ لوگ ان کے فسادات اور حملوں سے محفوظ ہو گئے۔

یہ نکات وہ ہیں جو عبارت قرآنی میں بہت وضاحت کے ساتھ موجود ہیں اور ان کے اثبات کے لئے کسی قسم کی دلیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں البتہ اس عبارت کے بعد قارئین کرام کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوئے ہوں گے کہ

۱۔ ذوالقرنین کون تھا؟

۲۔ اس کا تیسرا سفر کس سمت اور کس علاقے میں ہوا؟ اور اس کی تعمیر کردہ دیوار کیا اب بھی موجود ہے؟

۳۔ اگر اس کی تعمیر کردہ دیوار اب بھی موجود ہے تو کہاں ہے؟



ان تینوں سوالوں کے جواب کے لئے قارئین کو انتظار کی مشقت سے گذرنا پڑے گا کیونکہ مصنف اس مقام پر قرآن کریم اور کتب سابقہ میں ”یا جوج ماجوج“ کا تذکرہ اپنا عنوان بنا چکا ہے اس لئے مذکورہ سوالوں کے جواب کا وعدہ کر کے مصنف دوسرا حوالہ پیش کرتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔



”اور جس بستی کو ہم نے ہلاکت کے گھاٹ اتار دیا، ان کے لئے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ وہ لوٹ کر واپس نہیں آسکتے یہاں تک کہ یا جوج ماجوج کو کھول دیا جائے اور وہ ہر بلندی پر سے پھسلتے ہوئے دکھائی دیں گے۔“ (الانبیاء آیت ۹۵-۹۶)

قرآن کریم کی ان دونوں آیتوں سے حسب ذیل وضاحت ہمارے سامنے آتی ہے۔

- ۱۔ ہلاک شدہ اقوام کو دنیا میں دوبارہ نہیں بھیجا جائے گا۔
- ۲۔ یا جوج ماجوج کو آزاد کر دیا جائے گا (گویا کہ وہ ابھی تک کسی محدود علاقوں میں بود و باش پر اکتفا کیے ہوئے ہیں)۔

۳۔ وہ اونچے مقامات (پہاڑوں) سے نیچے اترتے ہوئے محسوس ہونگے۔

۴۔ کثرت کے باعث وہ پھسلتے ہوئے معلوم ہوں گے۔

نوٹ مرتب:- فحخت کا مفہوم اگر آزاد کر دیا جائے تو اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جغرافیائی عدم معلومات کی نیا پران کی آبادیاں کسی محدود علاقے تک ہی محدود ہوں اور اس وقت وہ ان سے باہر نکل آئیں یہاں یہ امر بھی غور طلب ہو سکتا ہے کہ کیا صیلیسی جنگوں۔ جنگ عظیم اول و دوم کو فحخت کے مفہوم میں لیا جاسکتا ہے۔

اور اگر فحخت کو قرب قیامت سے جوڑا جائے اور مولانا انور شاہ کشمیری کی رائے روسی اور برطانیہ کے افراد کو یا جوج ماجوج تسلیم کر لیا جائے اور حدیث حضرت امام مہدی علیہ السلام سے عیسائیوں کی اس جنگ پر غور کیا جائے جس میں عیسائیوں کے ستر لشکر شریک ہونگے تو کیا اس جنگ کو یا جوج ماجوج کے خروج سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اس پر بھی علماء توجہ فرمائیں۔

ان نکات کو ذہن میں رکھ کر کہ آگے انکی تفصیل آئے گی اس بات پر غور فرمائیے کہ قرآن کریم نے اپنے طرز بیان میں فتنے کی طرف جس خوبصورتی سے اشارہ فرمایا ہے وہ اسی کا حصہ ہے، اختصار اتنا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں جامع اتنا کہ تمام پہلوؤں سے کچھ نہ کچھ لیکر ایک مستند دستاویز تیار کر دی گئی۔ ۲، ۳، ۴ سے مراد قرب قیامت میں یا جوج ماجوج کی یکبارگی موت اور پھر روز محشر میں ان کا دوبارہ زندہ مراد لینا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔



## عہد نامہ عتیق میں یاجوج ماجوج کا ذکر:

عہد نامہ عتیق اہل کتاب کی ایک مذہبی کتاب کی اصطلاح ہے، دراصل اس وقت اہل کتاب کے پاس جتنی بھی کتابیں اور صحیفے ہیں انہیں دو حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔

- ۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل نازل ہونے والی کتابیں اور صحیفے۔
- ۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال اور آپ کے شاگردوں کے خطوط۔

اول الذکر حصہ کو عہد نامہ عتیق یا قدیم کہا جاتا ہے اور موخر الذکر عہد نامہ جدید کہا جاتا ہے عہد نامہ عتیق میں ۳۹ کتابیں اور صحیفے ہیں جبکہ عہد نامہ جدید میں چار انجیلوں کے علاوہ اکیس خطوط، سفر اعمال اور یوحنا عارف کا مکاشفہ ملا کر کل ۲۷ چیزیں شامل ہیں۔

عہد نامہ عتیق میں ۲۶ ویں نمبر پر ایک کتاب ”حزقی یل“ کے نام سے ۲۸ ابواب پر مشتمل موجود ہے جس میں سے مصنف اس موقع پر باب نمبر ۳۸ کی عبارت قارئین کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے، ملاحظہ ہو۔

”اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ اے آدم زاد! جوج کی طرف جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روش اور مسک اور تو بل کا فرماواں ہے متوجہ ہو اور اس کے خلاف نبوت کر اور کہہ خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ دیکھ اے جوج! روش اور مسک اور تو بل کے فرمانروا میں تیرا مخالف ہوں اور میں تجھے پھر ادوں گا تیرے جبروں میں آنکڑے ڈال کر تجھے اور تیرے تمام لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو سب کے سب مسلح لشکر ہیں جو پھریاں اور سپریں لئے ہیں اور سب کے سب تیغ زن ہیں کھینچ نکالوں گا اور ان کے ساتھ فارس اور کوش اور فوط جو سب کے سب سپر بردار اور خود پوش ہیں۔ جمرا اور اس کا تمام لشکر اور شمال کی دور اطراف کے اہل تجرمہ اور ان کا تمام لشکر یعنی بہت سے لوگ جو تیرے ساتھ ہیں تو تیار ہو اور اپنے لئے تیاری کر، تو اور تیری تمام جماعت جو تیرے پاس فراہم ہوئی ہے اور تو ان کا پیشوا ہو اور بہت دنوں کے بعد تو یاد کیا جائے گا اور آخری برسوں میں اس سرزمین پر جو تلوار کے غلبہ سے چھڑائی گئی ہے اور جس کے لوگ بہت سی قوموں کے درمیان سے فراہم کئے گئے ہیں، اسرائیل کے پہاڑوں پر جو قدیم سے ویران تھے چڑھ آئے گا۔ لیکن وہ تمام اقوام سے آزاد ہے اور وہ سب کے سب امن و امان سے سکونت کریں گے، تو چڑھائی کرے گا اور آندھی کی طرح آئے گا۔۔۔۔۔“

اس لئے اے آدم زاد! نبوت کر اور جوج سے کہہ خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ جب میری امت اسرائیل امن سے بسے گی کیا تجھے خبر نہ ہوگی اور تو اپنی جگہ سے شمال کی دور اطراف سے آئے گا تو اور بہت سے لوگ تیرے ساتھ جو سب کے سب گھوڑوں پر سوار ہوں گے ایک بڑی فوج اور بھاری لشکر



لیکر تو میری امت اسرائیل کے مقابلہ کو نکلے گا اور زمین کو بادل کی طرح چھپالے گا، یہ آخری دنوں میں ہوگا اور میں تجھے اپنی سرزمین پر چڑھالاؤں گا تاکہ تو میں مجھے جانیں جس وقت میں اے جوج ان کی آنکھوں کے سامنے تجھ سے اپنی تقدیس کراؤں خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ کیا تو وہی نہیں ہے جس کی بابت میں نے قدیم زمانے میں اپنے خدمت گزار اسرائیلی نبیوں کی معرفت جنہوں نے ان ایام میں ساہا سال تک نبوت کی، فرمایا تھا کہ میں تجھے ان پر چڑھالاؤں گا؟ اور یوں ہوگا کہ ان ایام میں جب جوج اسرائیل کی مملکت پر چڑھائی کرے گا تو میرا قہر میرے چہرے سے نمایاں ہوگا، خداوند خدا فرماتا ہے کہ کیونکہ میں نے اپنی غیرت اور آتش قہر میں فرمایا کہ یقیناً اس روز اسرائیل کی سرزمین میں سخت زلزلہ آئے گا یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں اور آسمان کے پرندے اور میدان کے چرندے اور سب کیڑے مکوڑے جو زمین پر رہتے ہیں اور تمام انسان جو روئے زمین پر ہیں، میرے حضور تھر تھر آئیں گے اور پہاڑ گر پڑیں گے اور کراڑے بیٹھ جائیں گے اور ہر ایک دیوار زمین پر بیٹھ جائے گی اور میں نے اپنے سب پہاڑوں سے اس پر تلوار طلب کروں گا خداوند خدا فرماتا ہے اور ہر ایک انسان کی تلوار اس کے بھائی پر چلے گی اور میں وہاں بھیج کر اور خوزیزی کر کے اسے سزا دوں گا اور اس پر اس کے لشکروں اور ان بہت سے لوگوں پر جو اس کے ساتھ ہیں شدت کا مینہ اور بڑے بڑے اولے اور آگ اور گندھک برسائوں گا اور اپنی بزرگی اور اپنی تقدیس کراؤں گا اور بہت سی قوموں کی نظروں میں مشہور ہوں گا اور وہ جانیں گے کہ خداوند میں ہو“ (کتاب مقدس ج ۱ ص ۸۱۷ جرتی ایل: باب نمبر ۳۸ مکمل)

اس سلسلے کی تیسری عبارت جس میں کتاب مقدس کے حوالے سے یا جوج ماجوج کا تذکرہ ملتا ہے، ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

”اور جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا اور ان قوموں کو جو زمین کی چاروں طرف ہوں گی یعنی جوج و ماجوج کو گمراہ کر کے لڑائی کے لئے جمع کرنے کو نکلے گا، ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا اور وہ تمام زمین پر پھیل جائیں گی اور مقدسوں کی لشکرگاہ اور عزیز شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی اور آسمان پر سے آگ نازل ہو کر انہیں کھا جائے گی اور ان کا گمراہ کرنے والا ابلیس آگ اور گندھک کی اس جھیل میں ڈالا جائے گا جہاں وہ حیوان اور جھوٹا نبی بھی ہوگا اور وہ رات دن ابدالآباد عذاب میں رہیں گے“ (کتاب مقدس ج ۲ ص ۲۵۷: مکاشفہ: باب نمبر ۲۰: آیت نمبر ۱۰ تا ۱۰)



رگ وید میں یاجوج ماجوج کا تذکرہ:

ہندومت دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں شمار ہوتا ہے گو کہ اس کی تاریخ تو بہت پرانی ہے لیکن اس کا کوئی حصہ بھی محفوظ یا قابل اعتماد نہیں اس مذہب کی مشہور مذہبی کتابوں میں ایک اہم ترین کتاب ”رگ وید“ بھی ہے اس سلسلے میں ہمیں حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کے حوالے سے رگ وید کی ایک عبارت قارئین کے سامنے پیش کرنی ہے جو انہوں نے مقدمہ تفسیر غایۃ البرہان ص ۳۰۲ سے لی ہے، ملاحظہ ہو۔

”رگ وید میں رچا ۲۲ سکتہ ۴ منڈل ۷ کا ایک دعائی فقرہ ہے کہ،

اے مالک! ہماری عبادت گا ہوں کو ”کوک“ کی کھنڈت سے بچا“ اس میں تو صرف کوک کا ذکر ہے لیکن ”کلکی پران“ کے نام سے جو کتاب ہندوؤں کے یہاں پائی جاتی ہے اس میں کوک کے ساتھ ”وکوک“ کا بھی ذکر ہے اور یہ بھی کہ ان کے رتھ (سواری) کارنگ کالا ہوگا اور چھوندر، کتے، گدھے وغیرہ کی آواز اس سے نکلے گی اور انکی آنکھیں کنجی ہوں گی“ (دجالی فتنہ کے نمایاں خط و خال: حاشیہ ص ۲۵۲)

خلاصہ کلام یہ کہ فتنہ یاجوج ماجوج انتہائی غیر معمولی ہوگا جس سے حفاظت کے لئے ہندومت جیسے شرک سے بھرپور مذہب میں بھی دعائیہ کلمات سکھائے گئے ہیں اور دیگر آسمانی کتابوں کے ساتھ ساتھ خود قرآن کریم بھی اس کے تذکرے سے خالی نہیں۔

ذوالقرنین کون تھا؟

مصنف کو اپنا وہ وعدہ یاد ہے جو اس سے قبل وہ اپنے قارئین سے کر چکا ہے اور اس کے تحت اس تین سوالوں کا جواب دینا ہے جن میں سب سے پہلا ذوالقرنین کے تعین سے متعلق تھا اس سلسلے میں ہمارے سامنے بہت سے اقوال میں سے تین قول ایسے ہیں جن کے قارئین کی ایک بڑی تعداد آج بھی موجود ہے۔

- ۱۔ ذوالقرنین سے مراد وہ سکندر ذوالقرنین ہے جس کے نام پر ”سکندریہ“ آباد ہے اور اس کا نام ”یونانی مقدونی“ کی قید سے مقید ہے۔
- ۲۔ ذوالقرنین سے سکندر یونانی مراد نہیں بلکہ اس نام کا ایک دوسرا بادشاہ مراد ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں گذرا ہے۔
- ۳۔ ذوالقرنین سے مراد سائرس ہے جسے ”خسرو“ بھی کہا جاتا ہے۔



ان میں سے پہلا قول جن مفسرین کی طرف منسوب ہے ان میں سب سے اہم نام امام رازیؒ ابن جریر طبریؒ اور علامہ آلوسیؒ کا ہے چنانچہ علامہ آلوسیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر روح المعانی میں اس قول کو اختیار کیا ہے لیکن بعد کے تقریباً تمام مفسرین نے ان کی تغلیط کی ہے اور اسے علامہ آلوسیؒ، رازیؒ اور طبریؒ کا سہو قرار دیا ہے۔

دوسرا قول اسلاف میں سے اکثر کا اختیار کردہ ہے بعد کے بہت سے مصنفین نے اسی قول کو حرف تحقیق سمجھا ہے جبکہ تیسرا قول بنیادی طور پر امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کا ہے جس کی مزید تنقیح مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ نے اپنی کتاب قصص القرآن میں کی ہے۔

گوکہ ہمارے سامنے اس وقت مولانا آزاد کی کتاب ”اصحاب کہف اور یاجوج ماجوج“ بھی موجود ہے لیکن ذوالقرنین کی تعیین کے اس مسئلے کو ہم مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ کی کتاب قصص القرآن سے نقل کر رہے ہیں کیونکہ مولانا آزاد کی نسبت حضرت سیوہارویؒ نے پہلے قول کی تردید میں بہت مضبوط اور مفصل کلام کیا ہے (قصص القرآن کی تفصیلات اسی کتاب میں دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیں)۔

اس کے بعد حضرت سیوہارویؒ نے تاریخی اور تحقیقی طور پر مفصل گفتگو فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ سکندر مقدونی کو ذوالقرنین قرار دینا صحیح نہیں۔  
ذوالقرنین کا اصل مصداق اور اس پر تبصرہ:

مولانا آزاد مرحوم اور ان کی اتباع میں حضرت سیوہارویؒ کی رائے کے مطابق ذوالقرنین کا اصل مصداق ”سائرس“ ہے جسے کتاب مقدس میں ”خورس“ کے نام سے ذکر کیا گیا ہے اسی لئے یہودیوں کے یہاں ذوالقرنین ”خورس“ کے نام سے، یونان میں ”سائرس“ کے نام سے، فارس میں ”گورش“ کے نام سے اور عرب میں ”کھسرو“ کے نام سے مشہور ہے۔

اس سلسلے میں مذکورہ دونوں حضرات کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ ذوالقرنین کے متعلق سوال بنیاد طور پر یہودیوں نے اٹھایا تھا اس لئے اسے یہودیوں کے یہاں ”تقدس“ کا مقام حاصل ہونا ایک بدیہی بات ہے۔

۲۔ سائرس یہودیوں کے لئے ایک نجات دہندہ تھا جس نے انہیں بابل کی قید سے نجات دلائی۔

۳۔ سائرس نیک سیرت اور مرد مومن تھا۔



۴۔ سائرس کو اپنی زندگی میں تین اہم سفر بھی پیش آئے اور اس نے سدیا جوج و ماجوج تعمیر کی۔  
 ۵۔ سائرس اس وقت کے اہم ترین مذہب زرتشت کی تعلیمات پر عمل پیرا تھا اور سائرس کی شخصیت کو سنوارنے میں زرتشت کا بنیادی کردار رہا ہے۔

اس سلسلے میں فیصلہ کن قول کیا ہے؟ سو وہ ماضی قریب کی معروف شخصیت ”حضرت تھانوی“ کی وہ تحریر ہے جو حضرت نے بیان القرآن میں تحریر فرمائی ہے اور اس پر شرح صدر اور اطمینان قلبی کا حصول بھی مجرب ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

”اور جاننا چاہئے کہ مصنفین و مؤلفین نے اس سدیا جوج و ماجوج کی تعین کے متعلق اپنے اپنے مقالات و خیالات جمع کئے ہیں اور اس کے مصداق میں اپنی اپنی کہی ہے لیکن قرآن و حدیث میں جو اس کے چند اوصاف معلوم ہوتے ہیں ایک یہ کہ اس کا بانی کوئی بندہ مقبول ہے، دوسرے یہ کہ وہ جلیل القدر بادشاہ ہے، تیسرے یہ کہ وہ دیوار اہنی ہے، چوتھے یہ کہ اس کے دونوں سرے دو پہاڑوں سے ملے ہیں، پانچویں یہ کہ اس دیوار کے اس طرف جو یا جوج و ماجوج ہیں وہ ابھی باہر نہیں نکل سکتے، چھٹے یہ کہ حضور ﷺ کے وقت میں اس میں تھوڑا سا سوراخ ہو گیا ہے، ساتویں یہ کہ وہ لوگ ہر روز اس کو چھیلنے ہیں اور پھر وہ باذنہ تعالیٰ ویسی ہی دبیز ہو جاتی ہے اور قرب قیامت میں جب چھیل چکیں گے تو کہیں گے کہ انشاء اللہ تعالیٰ کل بالکل آر پار کر دیں گے چنانچہ اس روز پھر وہ دبیز نہ ہوگی اور اگلے روز اس کو توڑ کر نکل پڑیں گے، آٹھویں یہ کہ یا جوج و ماجوج کی قوت باجود آدمی ہونے کے آدمیوں سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے اور عدد میں بھی بہت زیادہ ہیں، نویں یہ کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں نکلیں گے اور اس وقت عیسیٰ علیہ السلام بوجی الہی خاص خاص لوگوں کو لیکر کوہ طور پر چلے جاویں گے باقی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں بند ہو جاویں گے، دسویں یہ کہ وہ دفعۃً غیر معمولی موت سے مرجاویں گے اول کے پانچ اوصاف قرآن سے اور اخیر کے پانچ اوصاف احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتے ہیں پس جو شخص ان سب اوصاف کو پیش نظر رکھے گا اس کو معلوم ہوگا کہ جتنی دیواروں کا لوگوں نے اپنی رائے سے پتہ دیا ہے یہ مجموعہ اوصاف ایک میں بھی پایا نہیں جاتا پس وہ خیالات صحیح نہیں معلوم ہوتے اور حدیثوں کا انکار یا نصوص کی تلاویلات بعیدہ خود دین کے خلاف ہے۔“ (بیان القرآن)

نوٹ مرتب: چھٹے حصہ کی بات حدیث ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ یہ قرآن کے بیان کے خلاف ہے۔ اور ساتواں حصہ بھی درایت پر پورا نہیں اترتا ہے۔



## راہ سفر کی تعیین:

دوسرا سوال جو اس موقع پر زیر بحث ہے وہ یہ کہ قرآن کریم نے ”ذوالقرنین“ کے دو سفر ایسے بتائے جن میں جگہ متعین تھی کہ ایک سفر مشرق کی طرف ہوا اور دوسرا مغرب کی طرف لیکن تیسرے سفر کی سمت قرآن کریم نے متعین نہیں کی، سوال یہ ہے کہ ذوالقرنین کا تیسرا سفر کس رخ پر ہوا؟ شمال کی طرف یا جنوب کی طرف؟

تو اس سلسلے میں شاید مفسرین کرام کی دورائیں نہ ہوں کہ ذوالقرنین کا تیسرا سفر شمال کی طرف ہوا کیونکہ جنوب میں آبادی بھی کچھ زیادہ نہیں اور تاریخی شہادتوں نے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ اس تیسرے سفر کا رخ شمال کی جانب تھا چنانچہ ”فوائد عثمانی“ (تفسیر عثمانی) میں یہی لکھا ہے۔

سہ ذوالقرنین کا محل وقوع:

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے اتنی بات تو صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ ذوالقرنین نے یا جوج ماجوج کی تاخت و تاراج سے بچاؤ کے لئے ایک دیوار قائم کی تھی جس میں اہل علاقہ نے افرادی طور پر وسائل کے ساتھ ذوالقرنین کا ہاتھ بٹایا تھا لیکن قرآن و حدیث اس مسئلے کی تحقیق کو اپنا موضوع بناتے کہ جغرافیائی طور پر بھی اس دیوار کی تعیین کی جائے کہ وہ کہاں اور کس سمت میں واقع ہے؟ اس لئے اس موقع پر سب سے پہلے تو اپنے ذہن میں اس بات کو راسخ کر لینا چاہئے کہ یہ عقیدہ کے مسائل میں سے نہیں بلکہ جغرافیائی مسائل میں سے ہے۔

پھر اس بات کو بھی فراموش نہ کیجئے کہ قرآن کریم نے اس دیوار کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ سیاح اور ماہرین جس دیوار میں وہ صفات موجود پائیں، اسی دیوار کو ”سہ ذوالقرنین“ قرار دینا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ یہی وہ دیوار ہے جو ذوالقرنین نے تعمیر کی تھی اس اعتبار سے ہمیں سب سے پہلے اس دیوار کی ہیئت کدائی کو قرآن کریم کی مدد سے معلوم کرنا چاہئے چنانچہ قرآن کریم سے اس مضمون کو دوبارہ ملاحظہ فرمائیں۔

”اس کے بعد ذوالقرنین نے ایک اور مہم کی تیاری کی (پھر سفر پر روانہ ہو گیا) حتیٰ کہ جب وہ دو ”دروں“ کے درمیان پہنچا تو ان دونوں کے ورے ایک ایسی قوم کو آباد پایا جو کوئی بات نہ سمجھ پاتی تھی۔ انہوں نے (اشارہ یا ترجمان کے ذریعے ذوالقرنین سے) کہا کہ اے ذوالقرنین! یا جوج ماجوج زمین میں فساد پھیلاتے ہیں تو کیا (ایسا ممکن ہے کہ) ہم آپ کے لئے کوئی اجرت (یا ٹیکس واجب الاداء)



مقرر کر دیں تاکہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک ”سد“ قائم کر دیں، ذوالقرنین نے کہا کہ میرے پروردگار نے مجھے جو حکومت عطا فرما رکھی ہے وہ سب سے بہتر ہے اس لئے افرادی قوت سے تم میری مدد کرو تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ قائم کر دوں گا، میرے پاس لوہے کی چادریں لیکر آؤ، جب دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار اٹھا کر ان کے برابر کر دی تو حکم دیا کہ (بھٹیاں لگا کر) اسے دھونکو جب وہ لوہا آگ کی طرح ہو گیا تو حکم دیا کہ اس پر انڈیلنے کے لئے پگھلا ہوا تانبہ لاؤ“ (الکہف: ۹۳ تا ۹۶)

قرآن کریم کی ان آیات کا ترجمہ پڑھنے سے مندرجہ ذیل امور منسوخ ہوتے ہیں۔

- ۱۔ ذوالقرنین کا تیسرا سفر ایک ایسی جگہ پہنچ کر ختم ہوا جہاں ایک پہاڑی درہ موجود تھا۔
- ۲۔ اس درہ کی دونوں جانب مختلف اقوام آباد تھیں اور پچھلی جانب کی وحشی اقوام اگلی جانب آکر فساد برپا کیا کرتی تھیں۔
- ۳۔ ان دونوں پہاڑی دروں کو بند کرنے سے پچھلی جانب آباد وحشی اقوام کے حملوں سے حفاظت ہونے کا یقین غالب تھا۔
- ۴۔ ذوالقرنین نے اس پہاڑی درہ کو بند کرنے کے لئے سب سے پہلے لوہے کی چادریں منگوائیں۔

- ۵۔ لوہے کی ان چادروں کی مدد سے ہی ذوالقرنین نے لوہے کی ایک دیوار تعمیر کی۔
- ۶۔ جب درہ بند ہو گیا اور لوہے کی وہ دیوار پہاڑ کی چوٹی سے باتیں کرنے لگی تو ذوالقرنین کے حکم سے اس دیوار کو آگ سے خوب اچھی طرح دھونکا گیا۔
- ۷۔ پھر لوہے کی اس گرم دیوار پر پگھلا ہوا تانبہ یا سیسہ ڈالا گیا تاکہ وہ خوب مضبوط ہو جائے اور سد ذوالقرنین کی تعمیر مکمل ہو جائے۔

ان نکات سب سے کو اپنے ذہن میں متحضر رکھ کر اب اس حقیقت پر غور فرمائیے کہ اس وقت دنیا میں بہت سی ایسی دیواریں موجود ہیں جنہیں ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار قرار دیا جا رہا ہے اور ہر شخص اپنے اپنے مزاج کے مطابق اس کا محل وقوع متعین کر رہا ہے اس لئے یہاں سب سے پہلے قصص القرآن سے ان دیوار کا مختصر تعارف پیش کیا جائے گا جن کے بارے میں ذوالقرنین ہونے کا امکان موجود ہے پھر راجح قول اور اس کی وجوہ ترجیح ذکر کی جائیں گی چنانچہ مجاہد ملت حضرت مولانا حفیظ الرحمن سیوہاروی تحریر فرماتے ہیں۔



”تعمین سد سے پہلے یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہئے کہ یاجوج و ماجوج کی تاخت و تاراج اور شرفساد کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ ایک طرف ”کاکیشیا“ کے نیچے بسنے والے ان کے ظلم و ستم سے نالاں تھے تو دوسری جانب تبت اور چین کے باشندے بھی ان کی شمالی دستبرد سے محفوظ نہ تھے اس لئے صرف ایک ہی غرض کے لئے یعنی قبائل یاجوج و ماجوج کے شرفساد اور لوٹ مار سے بچنے کے لئے مختلف تاریخی زمانوں میں متعدد ”سد“ تعمیر کی گئیں ان میں سے ایک ”سد“ وہ ہے جو ”دیوار چین“ کے نام سے مشہور ہے یہ دیوار تقریباً ڈیڑھ ہزار میل طویل ہے اس دیوار کو منگولی ”اتکوره“ کہتے ہیں اور ترکی میں اس کا نام ”بوقورقہ“ ہے۔

دوسری سد وسط ایشیاء میں بخارا اور ترند کے قریب واقع ہے اور اس کے محل وقوع کا نام در بند ہے یہ سد مشہور مغل بادشاہ تیمور لنگ کے زمانہ میں موجود تھی اور شاہ روم کے ندیم خاص سیلابر جر جرمنی نے بھی اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اور اندلس کے بادشاہ کسٹیل کے قاصد کلاچونے بھی اپنے سفر نامہ کیا ہے یہ ۱۴۰۳ء میں اپنے بادشاہ کا سفیر ہو کر جب تیمور صاحب قران کی خدمت میں حاضر ہوا ہے تو اس جگہ سے گذرا ہے وہ لکھتا ہے کہ باب الحدید کی سد موصل کے اس راستے پر ہے جو سمرقند اور ہندوستان کے درمیان واقع ہے۔ (جواہر القرآن ج ۹ ص ۱۹۸)

تیسری ”سد“ روسی علاقہ ”داغستان“ میں واقع ہے یہ بھی در بند اور باب الالبواب کے نام سے مشہور ہے اور بعض مورخین اس کو ”الباب“ بھی لکھ دیتے ہیں یا قوت حموی نے معجم البلدان، ادریسی نے جغرافیہ میں اور بستانی نے دائرہ المعارف میں اس کے حالات کو بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور ان سب کا خلاصہ یہ ہے۔

”داغستان میں در بند ایک روسی شہر ہے یہ شہر بحر خزر (کاسپین) غربی کے کنارے واقع ہے اس کا عرض البلد ۳-۲۳ شمالاً اور طول البلد ۱۵-۲۸ شرقاً ہے اور اس کو در بند انوشیرواں بھی کہتے ہیں اور باب الالبواب کے نام سے بہت مشہور ہے اور اس کے اطراف و جوانب کو قدیم زمانہ سے چہار دیوار گھیرے ہوئے ہیں جن کو قدیم مورخین ابواب البانیہ کہتے آئے ہیں اور اب یہ خستہ حالت میں ہے اور اس کو باب الحدید اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی سد کی دیواروں میں لوہے کے بڑے بڑے پھاٹک لگے ہوئے تھے“ (دائرۃ المعارف ج ۷ ص ۶۵۱، معجم البلدان ج ۸ ص ۹)

اور جب اسی باب الالبواب سے مغرب کی جانب کاکیشیاء کے اندرونی حصوں میں بڑھتے ہیں تو ایک درہ ملتا ہے جو ”درہ داریال“ کے نام سے مشہور ہے اور یہ کاکیشیاء کے بہت بلند حصوں سے



گذرا ہے یہاں ایک چوتھی سد ہے جو ”قفقاز“ یا جبل قو قایا جبل قاف کی سد کہلاتی اور یہ سد دو پہاڑوں کے درمیان بنائی گئی ہے، بستانی اس کے متعلق لکھتا ہے۔

”اور اس کے قریب ایک اور سد ہے جو غربی جانب بڑھتی چلی گئی ہے، غالباً اس کو اہل فارس نے شمالی بربروں سے حفاظت کی خاطر بنایا ہوگا کیونکہ اس کے بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہو سکا، بعض نے اس کی نسبت سکندر کی طرف کردی اور بعض نے کسری و نوشیرواں کی جانب اور یا قوت کہتا ہے کہ یہ تانبا پگھلا کر اس سے تیار کی گئی ہے“ (دائرة المعارف ج ۷ ص ۶۵۲)

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں بھی ”در بند“ کے مقالہ میں اس آہنی دیوار کا حال قریب قریب اسی کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔

چونکہ یہ سب دیوارں شمال ہی میں بنائی گئی ہیں اور ایک ہی ضرورت کے لئے بنائی گئی ہیں اس لئے ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سد کے تعین میں سخت اشکال پیدا ہو گیا ہے اور اسی لئے ہم مورخین میں اس مقام پر سخت اختلاف پاتے ہیں اور اس اختلاف نے ایک دلچسپ صورت اختیار کر لی ہے اس لئے کہ در بند کے نام سے دو مقامات کا ذکر آتا ہے اور دونوں مقامات میں سد یا دیوار بھی موجود ہے اور غرض بناء بھی ایک ہی نظر آتی ہے“ (قصص القرآن حصہ سوم ص ۱۹۵ تا ص ۱۹۷)

اس کے بعد ص ۲۰۲ پر سد ذوالقرنین کا محل وقوع متعین کرتے ہوئے حضرت سیوہاروی تحریر فرماتے ہیں۔

”سد ذوالقرنین کے متعلق قرآن عزیز نے دو باتیں صاف بیان کی ہیں، ایک یہ کہ وہ سد دو پہاڑوں کے درمیان تعمیر کی گئی ہے اور اس نے پہاڑوں کے درمیان اس ”درہ“ کو بند کر دیا ہے جہاں سے ہو کر یا جوج ماجوج اس جانب کے بسنے والوں کو تنگ کرتے تھے۔

”حَسْبِيَ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَمِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا قَالُوا  
إِذَا لُقِرْنَيْنِ أَنْ يَأْجُوجَ وَ مَاْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ“

”یہاں تک کہ جب ذوالقرنین دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو ان دونوں کے اس طرف ایک ایسی قوم کو پایا جن کی بات وہ پوری طرح نہیں سمجھتا تھا وہ کہنے لگے اے ذوالقرنین! بلاشبہ یا جوج ماجوج اس سرزمین میں فساد مچاتے ہیں“

دوسرے یہ کہ وہ سد چونے یا اینٹ گاڑے سے نہیں بنائی گئی ہے بلکہ لوہے کے ٹکڑوں سے تیار کی گئی ہے جس میں تانبا پگھلا ہوا شامل کیا گیا تھا۔



”أَجْعَلُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا تُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ  
انْفُخُوا حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ اتُّونِي أُفْرِغُ عَلَيْهِ قِطْرًا“

”میں تمہارے اور ان کے (یا جوج و ماجوج کے) درمیان ایک موٹی دیوار قائم کر دوں گا تم  
میرے پاس لوہے کے ٹکڑے لیکر آؤ یہاں تک کہ پہاڑ کی دونوں پھانگوں (چوٹیوں) کے درمیان جب  
دیوار کو برابر کر دیا تو اس نے کہا کہ دھونکو یہاں تک کہ جب دھونک کر اس کو آگ کر دیا کہلاؤ میرے  
پاس پگھلا ہوا تانبہ کہ اس پر ڈالوں“

قرآن عزیز کی بتائی ہوئی ان دونوں صفات کو سامنے رکھ کر اب ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ بغیر  
کسی تاویل کے ان کا مصداق کون سی ”سد“ ہو سکتی ہے اور کس سد پر یہ صفات ٹھیک صادق آتی ہیں۔  
سب سے پہلے ہم سد پر بحث کرنا چاہتے ہیں جو در بند (حصار) میں واقع ہے اس سد کے  
حالات ساتویں صدی کے ایک چینی سیاح نے ہی نہیں بیان کئے بلکہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں شاہ  
روم کے جرمنی مصاحب سیلابر جر اور ہسپانوی سفیر کلاچو نے بھی پندرہویں صدی عیسوی کے اوائل میں  
اس کا مشاہدہ کیا ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں آہنی پھاٹک لگے ہوئے ہیں مگر مورخین یہ بھی  
تصریح کرتے ہیں کہ یہ سد (دیوار) پتھر اور اینٹ کی بنی ہوئی ہے اور آہنی دروازوں کے علاوہ دیوار کسی  
بھی جگہ لوہے اور تانبے سے بنی ہوئی نہیں ہے اور لوہے کے پھاٹکوں کی وجہ سے اس کو بھی اسی طرح ”وہ  
آہنی“ کہتے ہیں جس طرح در بند (بحر قزوین) کو درہ آہنی کہا جاتا ہے۔

نیز یہ دیوار جس طرح پہاڑوں کے درمیان میں چلی گئی ہے اسی طرح اس کا ایک حصہ سطح  
زمین پر بھی بنایا گیا ہے ایسا نہیں ہے کہ وہ صرف دو پہاڑوں کی پھاٹکوں (چوٹیوں) کے درمیان ہی میں  
قائم کی گئی ہو، پس اس دیوار کو ”سد ذوالقرنین“ کہنا قرآنی تصریحات کے قطعاً خلاف ہے اور غالباً اسی  
وجہ سے کسی ایک مورخ نے بھی (جو کہ) در بند حصار اور در بند بحر قزوین کے درمیان امتیاز کر سکے ہیں  
اس دیوار (سد) کو سد ذوالقرنین یا سد سکندری نہیں کہا“  
پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

”اس کے بعد دوسرا نمبر در بند (بحر قزوین) کی دیوار (سد) کو زیر بحث لانے کا ہے اس کے  
متعلق یہ تو معلوم ہو چکا کہ اس کو عرب باب الابواب اور الباب کہتے ہیں اور اہل فارس در بند اور درہ  
آہنی نام رکھتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بڑی کثرت سے مورخین اس در بند کی دیوار (سد) کو  
”سد سکندری“ کہتے چلے آئے ہیں مگر محققین یہ بھی کہتے چلے آئے ہیں کہ بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہے



البتہ اس کو سد سکندری بھی کہہ دیتے ہیں اور ”کائیشین دال“ (کائیشیا کی دیوار) اور ”دیوار نوشیرواں“ بھی۔

لیکن ہم اس بحث کو موخر کرتے ہوئے کہ اس کے متعلق یہ اضطراب بیانی کیوں ہے؟ اس سد کو سد ذوالقرنین جب ہی مان سکتے ہیں کہ یہ قرآن عزیز کے بیان کردہ ہر دو صفات کے مطابق پوری اترے مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ اس دیوار کے عرض و طول اور اس کے حجم کی تفصیلات دیتے ہوئے تمام مورخین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس دیوار کا بھی بہت بڑا حصہ سطح زمین پر تعمیر کیا گیا ہے اور آگے بڑھ کر پہاڑ پر بھی بنایا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی مانتے ہیں کہ اگرچہ یہ دیوار بعض جگہ دہری بھی ہے اور اس میں متعدد لوہے کے پھانک بھی ہیں جن میں سے بعض بعض پہاڑوں کے درمیان قائم ہیں اور پہاڑوں پر اس کے استحکامات بھی بہت ہیں تاہم یہ دیوار لوہے کے ٹکڑوں اور تانبے سے نہیں بنائی گئی بلکہ عام دیواروں کی طرح پتھر اور چونہ ہی سے بنائی گئی ہے پس اس کا بانی کوئی شخص بھی ہو اس دیوار کو سد ذوالقرنین کہنا کسی طرح صحیح نہیں۔“

اس سے آگے کی کہانی امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی زبانی سینے لیکن یہ یاد رہے کہ مولانا مرحوم ”سائرس“ کو ہی ذوالقرنین قرار دیتے ہیں اور اسی اعتبار سے انہوں نے اپنی عنان تحقیق کو موڑا ہے، فرماتے ہیں۔

”اب ہمیں معلوم بنا چاہئے کہ سائرس نے جو سد تعمیر کی تھی اس کا صحیح محل کیا تھا اور موجودہ زمانے کے نقشے میں اسے کہاں ڈھونڈنا چاہئے؟ بحر خرز کے مغربی ساحل پر ایک قدیم شہر ”در بند“ آباد ہے یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کائیشیا کا سلسلہ کوہ ختم ہوتا ہے اور بحر خرز سے مل جاتا ہے اس مقام پر قدیم زمانے سے ایک عریض و طویل دیوار موجود ہے جو سمندر سے شروع ہو کر تقریباً تیس میل تک مغرب میں چلی جاتی ہے اور اس مقام تک پہنچ گئی ہے جہاں کائیشیا کا مشرقی حصہ بہت زیادہ بلند ہو گیا ہے اس طرح اس دیوار نے ایک طرف بحر خرز کا ساحلی مقام بلند کر دیا ہے اور دوسری طرف پہاڑ کا وہ تمام حصہ بھی روک دیا ہے جو ڈھلوان ہونے کی وجہ سے قابل عبور ہو سکتا تھا۔

ساحل کی طرف یہ دیوار دہری ہے یعنی اگر آذر بايجان سے ساحل ہوتے ہوئے آگے بڑھیں تو پہلے ایک دیوار ملتی ہے جو سمندر سے برابر مغرب کی طرف چلی گئی ہے اس میں پہلے ایک دروازہ تھا، دروازے سے جب گذرتے تھے تو شہر در بند ملتا تھا اب یہ صورت باقی نہیں رہی۔

در بند سے آگے پھر اسی طرح کی ایک دیوار ملتی ہے لیکن یہ دہری دیوار صرف دو میل تک گئی



ہے اس کے بعد اکہری دیوار کا سلسلہ ہے دونوں دیواریں جہاں جا کر ملی ہیں وہاں ایک قلعہ ہے قلعہ تک پہنچ کر دونوں کا درمیانی فاصلہ سوگنز سے زیادہ نہیں رہتا لیکن ساحل کے پاس پانچ سوگنز ہے اور اسی پانچ سوگنز کے عرض میں در بند آباد ہے اس دوہری دیوار کو ایرانی قدیم سے ”دوبارہ“ کہتے آئے ہیں یعنی دوہرا سلسلہ۔

یہ قطعی ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے ساسانی عہد میں یہ مقام موجود تھا اور اسے ”در بند“ کہا جاتا تھا یعنی بند دروازہ کیونکہ مقدسی، ہمدانی، مسعودی، اصطخر وی، یاقوت اور قزوینی وغیرہ تمام مسلمان مورخین اور جغرافیہ نویسوں نے اسی نام سے اس کا ذکر کیا ہے اور سب لکھتے ہیں کہ ساسانی عہد میں یہ مقام شمالی سرحد کا سب سے زیادہ اہم مقام تھا کیونکہ اسی راہ سے شمال کے حملہ آور ایران کی طرف بڑھ سکتے تھے، یہ ایرانی ممالک کی کنجی تھی، جس کے ہاتھ یہ کنجی آجاتی وہ پوری مملکت کا مالک ہو جاتا اسی لیے ضروری ہوا کہ اس کی حفاظت کا اس درجہ اہتمام کیا جائے۔

مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری میں جب یہ علاقہ فتح کیا تو ساسانیوں کی طرح انہوں نے بھی اس مقام کی اہمیت محسوس کی، وہ اسے باب الابواب اور الباب کے نام سے پکارنے لگے کیونکہ مملکت کے لئے یہی مقام شمالی دروازہ تھا اور یہ ان بہت سے دروازوں میں سے آخری دروازہ تھا جو اس دیوار کے طول میں بنائے گئے تھے، بعضوں نے اسے ”باب ترک“ اور ”باب الخرز“ کے نام سے بھی پکارا ہے کیونکہ تاتاریوں اور تاتاری نسل کا کیشین قبیلوں کی آمد و رفت کی راہ یہی تھی۔

اس مقام سے جب مغرب کی طرف کاشیا کے اندرونی حصوں میں اور آگے بڑھتے ہیں تو ایک اور مقام ملتا ہے، جو درہ داریال DARIAL PASS نام سے مشہور ہے اور موجودہ زمانے کے نقشے میں اس کا محل ولاڈی کیوکز VLADI KAUKHZ اور ٹفلس کے درمیان دکھایا جاتا ہے کاشیا کے نہایت بلند حصوں میں ہو کر گذرا ہے اور دور تک دو بلند چوٹیوں سے گھرا ہوا ہے یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار موجود ہے اور ارمینی روایتوں میں اسے اہنی دروازہ کے نام سے پکارا گیا ہے۔“ (اصحاب کہف اور یاجوج ماجوج ص ۱۰۸ تا ص ۱۱۰)

اس کے بعد اپنا فیصلہ سناتے ہوئے امام الہند تحریر فرماتے ہیں۔

”اب ایک سوال اور غور طلب ہے کہ ذوالقرنین نے جو سد تعمیر کی تھی وہ درہ داریال کی سد ہے یا در بند کی دیوار یا دونوں؟ قرآن میں ہے کہ ذوالقرنین دو پہاڑی دیواروں کے درمیان پہنچا، اس نے اہنی تختیوں سے کام لیا، اس نے درمیان کا حصہ پاٹ کر برابر کر دیا اس نے پگھلا ہوا تانبہ استعمال کیا



تعمیر کی یہ تمام خصوصیات کسی طرح بھی در بند کی دیوار پر صادق نہیں آتیں۔

یہ پتھر کی بڑی سلوں کی دیوار ہے اور دو پہاڑی دیواروں کے درمیان نہیں ہے بلکہ سمندر سے پہاڑ کے بلند حصے تک چلی گئی ہے اس میں آہنی تختیوں اور پگھلے ہوئے تانبے کا کوئی نشان نہیں ملتا پس یہ قطعی ہے کہ ذوالقرنین والی سد کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا۔

البتہ درہ دار یال کا مقام ٹھیک ٹھیک قرآن کی تصریحات کے مطابق ہے، یہ دو پہاڑی چوٹیوں کے درمیان ہے اور جو سد تعمیر کی گئی ہے، اس نے درمیان کی راہ بالکل مسدود کر دی ہے چونکہ اس کی تعمیر میں آہنی سلوں سے کام لیا گیا تھا، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جارجیا میں ”آہنی دروازہ“ کا نام قدیم سے مشہور چلا آتا ہے اس کی ترجمہ ترکی میں ”دامر کپو“ مشہور ہو گیا بہر حال! ذوالقرنین کی اصلی سد یہی سد ہے۔“ (اصحاب کہف اور یاجوج ماجوج ص ۱۱۴، ۱۱۵)

معلوم ہوا کہ مولانا آزاد مرحوم کے مطابق کاشیا کے پہاڑی سلسلوں میں جو درہ ”درہ دار یال“ کے نام سے مشہور ہے یہی وہ آہنی دیوار ہے جو ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کے حملوں اور ممکنہ خطرات سے حفاظت کے پیش نظر تعمیر کی تھی اور قرآن کریم میں اسی کا ذکر ہے۔

اس نظریے کی تائید میں حضرت سیوہاروی نے ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے جو حافظ ابن کثیر نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں بھی درج کیا ہے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

”خليفة واثق بالله نے ایک مرتبہ اپنے دور خلافت میں اپنے ایک امیر کو ایک لشکر (اور ساز و سامان) کے ساتھ سد سکندری کی تحقیق کے لئے روانہ کیا تا کہ اسے دیکھ کر اس کے صحیح حالات بتائیں یہ لوگ منزلیں مارتے ایک شہر سے دوسرے شہر ہوتے ہوئے ملک ملک کی ٹھوکریں کھاتے اس دیوار تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے انہوں نے جب اس دیوار کا معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ لوہے اور تانبے سے بنائی گئی ہے اس میں ایک بہت بڑا دروازہ ہے جس پر بڑے بھاری قفل چڑھے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔ ان کا یہ سفر دو سال سے زیادہ مدت میں مکمل ہوا“۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۱)

ہو سکتا ہے کہ اس موقع پر کسی صاحب کے ذہن میں یہ سوال ابھرے کہ بھلا خلیفہ واثق بالله کو اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کرنے اور اس پر پیسہ خرچ کرنے کا شوق کیوں چرایا؟ اس کا جواب ابن خرداد کی کتاب ”المسالک والممالک“ سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل واثق بالله نے ایک خواب دیکھا تھا کہ یاجوج ماجوج اس آہنی دیوار میں سوراخ کر کے اسے کھولنے پر قادر ہو گئے ہیں، یہ دیکھ کر اسے بڑی فکر لاحق ہوئی کیونکہ یاجوج ماجوج کا خروج تو علامات قیامت میں سے ہے اگر



یہ نکل آتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت قریب آگئی ہے اس لئے اس نے تحقیقاتی کمیشن کو متعین کیا۔

بہر حال! مولانا آزاد مرحوم کی تحقیق سے منطقی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یاجوج ماجوج کا کیشیا کے پہاڑی سلسلوں کے پیچھے درہ داریال کہ وجہ سے قید ہیں اور ان کی بودوباش وہیں ہے، قریب قیامت میں وہ یہیں سے خروج کریں گے اور پوری زمین پر چھا جائیں گے۔

اعاذنا اللہ من فتنۃ یاجوج و ماجوج

نوٹ مرتب: غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ حدیث ویل اللعرب کا دوسرا حصہ خلیفہ کا یہ خواب ہی تو حدیث نہیں بنا دیا گیا ہے۔

کیا سد ذوالقرنین اب بھی موجود ہے؟

پوری دنیا میں اس وقت آلات جدیدہ کی ایجاد اور خوب سے خوب تر کی جو دوڑ لگی ہوئی ہے اس دوڑ میں شریک ہونے والے کسی فرد کو بھی اس بات کی پرواہ نہیں کہ آخر اس ترقی کی بھی کوئی انتہاء ہوگی یا نہیں؟ کیا یہ ترقی یونہی تدریجاً بڑھتی چلی جائے گی یا اس نے بھی کہیں جا کر دم توڑنا ہے؟ حالانکہ یہ یقینی بات ہے کہ اس ترقی کی آخری معراج وہ تنزل ہے جو انسان کو پھر اسی تیر و تفنگ اور خیل و اہل کے دور میں پہنچا کر چھوڑے گا جہاں سے انسان بھاگا تھا۔ (دوسری بات کسی طرح درست قرار نہیں دی جاسکتی۔ ترقی معکوس کوئی چیز نہیں ہوا کرتی)

اور یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انسان اپنی تمام تر مادی طاقتوں کے ذریعے اس ربح مسکون کے متعلق جو معلومات حاصل کر سکا ہے، نا معلوم امور ان کی نسبت بہت زیادہ ہیں اور اس کا اعتراف ہم سمیت ان تمام افراد کو بھی ہے جو دین و مذہب سے بیگانہ آشنا ہیں۔

اسی طرح اصول کی دنیا میں یہ ایک بہت مشہور ضابطہ ہے کہ عدم علم، علم عدم کو مستلزم نہیں یعنی کسی چیز کا علم نہ ہونے سے اس کی حقیقت ہی کا انکار کر دینا اور اس کے وجود ہی سے آنکھیں بند کر لینا یقیناً نا انصافی ہے اور کوئی بھی عقلمند آدمی اس بات پر اصرار نہیں کر سکتا کہ اسے جو چیز معلوم نہ ہو اس کا وجود بھی نہ ہو اور وہ حقائق کی دنیا سے بالکل دور ایک تصوراتی چیز ہو۔

اس تمہید کو قوت حافظہ میں محفوظ رکھ کر اب ذیل کی آیت پر غور فرمائیے گا۔

”قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّيْ فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ رَّبِّيْ جَعَلَهُ دُكَّآءً وَكَانَ وَعْدُ رَّبِّيْ

حَقًّا“ (الکہف: ۹۸)



”ذوالقرنین کہنے لگا کہ یہ تو میرے پروردگار کی خاص الخاص مہربانی ہے (کہ اس نے تکمیل و تعمیر سد کی توفیق عطا فرمائی) اب جب میرے رب کا وعدہ آپہنچے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دیگا اور میرے پروردگار کا وعدہ مٹی برحق ہے“

ذوالقرنین کا یہ جملہ ”جو اللہ کے شکر سے بھر پور اور اپنی عاجزی کا مکمل اعتراف ہے“ اس وقت کا ہے جبکہ ذوالقرنین سد کی تعمیر سے فارغ ہو گئے اور گو کہ وہ ایک ایسی مضبوط دیوار تھی جس پر بھروسہ کر کے کہا جاسکتا تھا کہ اب تم لوگ بے فکر اور مطمئن ہو کر زندگی گزارو، اب یا جوج ماجوج سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں رہا لیکن ذوالقرنین نے اپنے اوپر فخر اور دیوار کی مضبوطی پر اعتماد کرنے کی بجائے ان کے سامنے اس حقیقت کا اظہار کیا کہ جب تک اللہ کو منظور ہے اس دیوار کی مضبوطی برقرار رہے گی اور یہ دیوار تمہارے لئے ایک رکاوٹ کا کام دیتی رہے گی لیکن جب اللہ کو منظور ہوا کہ اب اس دیوار کو باقی نہیں رہنا چاہئے تو اس کا صلابت اور مضبوطی امر ربی کے سامنے کچھ کام نہ آئے گی اور یہ مضبوط ترین دیوار بھی پاش پاش ہو کر رہ جائے گی نیز یہ بھی ذہن میں رکھو کہ یہ دیوار جو میں نے توفیق الہی سے تمہارے اور یا جوج ماجوج کے درمیان قائم کر دی ہے ہمیشہ نہیں رہے گی بلکہ ایک وقت ایسا ضرور آسکتا ہے جب اس پر بھی فنا آجائے گی اس لئے اس پر مکمل انحصار کر کے یا خدا سے غافل نہ ہو جانا۔

نوٹ مرتب: اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ یہ سد گر ہی جائیگی۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ گرنے کا حکم ربی صادر ہی نہ ہو۔

آیت مذکورہ کے اس پس منظر کو پیش نظر رکھنے سے دو چیزیں قابل وضاحت محسوس ہوتی

ہیں۔

۱۔ سد ذوالقرنین اس وقت تک موجود رہے گی جب تک اللہ کو منظور ہوگا۔

اب اس بات میں تو کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ سد کا قیام و بقاء ”وعدہ رب“ پر موقوف ہے، لیکن اس ”وعدہ رب“ کی تعیین میں دو مختلف رائیں سامنے آتی ہیں چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ، اپنی شہرہ آفاق کتاب تکملہ فتح الملہم میں تحریر فرماتے ہیں۔

”اس پوری بحث کی بنیاد یہ ہے کہ ذوالقرنین نے جو ”وعدہ ربی“ کے الفاظ کہے ہیں ان کی تفسیر یہ کی جائے کہ اس کی تعمیر کردہ سد قرب قیامت تک ٹوٹنے والی نہیں اور ”وعدہ ربی“ کو یوم قیامت پر محمول کیا جائے جبکہ علماء کرام کی ایک جماعت اس طرف بھی گئی ہے کہ آیت مذکورہ کی یہ مراد نہیں بلکہ اس میں ”وعدہ ربی“ سے اس کا مقررہ وقت مراد ہے، یوم قیامت نہیں“ (تکملہ فتح الملہم ج ۶ ص ۲۵۶)



اس سے معلوم ہوا کہ ”وعدرب“ کی مراد متعین کرنے میں دو قول ہیں۔

۱۔ اس سے مراد قیامت ہے۔

۲۔ اس سے مراد علم الہی میں مقررہ وقت ہے۔

اب اگر اس سے ”قیامت کا دن“ مراد لیا جائے کہ سد ذوالقرنین قیامت تک قائم رہے گی اور کاٹوٹنا خروج یا جوج ماجوج کے وقت ہوگا تو مشاہدہ اور معاینہ اس کا ہے چنانچہ علامہ انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں

”ثم ان سد ذی القرنین قد اندک الیوم“ (فیض الباری ج ۲ ص ۲۳)

”ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سد، اب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی ہے“

پھر اس میں اس وقت اور بھی الجھن پیدا ہو جاتی ہے جب ترمذی شریف کی اس روایت پر نظر ڈالتے ہیں جو اس سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ یا جوج ماجوج روزانہ آکر اس دیوار کو توڑتے ہیں جب تھوڑی سی رہ جاتی ہے تو آپس میں کہتے ہیں کہ اب اتنی سی تورہ گئی ہے کل آکر اس کو توڑ دیں گے لیکن اگلے دن جب واپس آتے ہیں تو پھر وہ صحیح سالم ملتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سد ذوالقرنین اب تک اپنی اصلی حالت پر برقرار ہے۔

لیکن یہاں پھر ایک مشکل آپڑتی ہے کہ بخاری و مسلم میں حضور ﷺ کا ایک خواب حضرت زینب بنت جحشؓ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ خواب سے بیدار ہوئے تو فرمانے لگے۔

”ویل للعرب، من شرقا اقترب، فتح الیوم من ردم یا جوج و ماجوج مثل هذه“

(بخاری: ۷۰۵۹، مسلم: ۷۲۳۵، ترمذی: ۲۱۸۷، ابن ماجہ: ۳۹۵۳)

”اہل عرب کے لئے اس آنے والے شر میں ہلاکت ہے جو قریب آ گیا ہے آج یا جوج

ماجوج کی دیوار میں اتنا بڑا سوارا خ ہو گیا ہے“

گویا حدیث سے اسی بات کی تائید ہو رہی ہے جس کے قائل علامہ انور شاہ کاشمیری ہیں اور اس سے اتنی بات تو طے ہو جاتی ہے کہ ”وعدرب“ سے مراد قیامت یا قرب قیامت نہیں لیکن ترمذی کی روایت سے پیدا ہونے والی الجھن برقرار رہتی ہے جس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

۱۔ ترمذی شریف کی محولہ بالا روایت (جس کا مکمل مضمون عنقریب آئے گا انشاء اللہ) سند کے اعتبار سے بعض حضرات کے نزدیک یہ منکر اور اجنبی ہے اس لئے اس پر کسی ضابطے کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔



۲۔ مضمون کے اعتبار سے بھی اس روایت کو حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا کیونکہ قرآن کریم تو ”سد ذوالقرنین“ کے بارے میں یہ کہہ رہا ہے۔

”فَمَا اسْطَاعُوا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا“ (الکہف: ۹۷)

”اب یا جوج ماجوج نہ اس دیوار پر چڑھ سکیں گے اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکیں گے“

۳۔ اس حدیث کے مرکزی رادی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ کا ایک نو مسلم یہودی عالم کعب احبار کے پاس اٹھنا بیٹھنا بہت زیادہ تھا، ظاہر ہے کہ کعب احبار تورات و انجیل کی ان محرف اور ناقابل اعتبار باتوں کو بھول تو نہیں سکتے تھے جو قبل ازیں ان کے حافظے میں محفوظ تھیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ انہوں نے وہ باتیں ان لوگوں کے سامنے تو کم از کم بیان کی ہی ہوں گی جن کے پاس ان کا اٹھنا بیٹھنا ہو یا جن لوگوں کا ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا ہو، اب چونکہ حضرت ابو ہریرہؓ اور کعب احبار کی باہم مجالس خوب جمتی تھیں اس لئے عین ممکن ہے کہ کسی موقع پر کعب احبار نے یہ بات حضرت ابو ہریرہؓ کے سامنے کہی ہو اور حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے شاگردوں کے سامنے یونہی اس بات کو ذکر کر دیا ہو بعد میں کسی صاحب نے یہ سمجھ کر ”کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے“ اپنے اجتہاد سے اسے حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دیا ہو جس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی اور تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح کی ایک روایت کعب احبار سے بذات خود بھی منقول ہے جس سے یہ خیال مزید پختہ ہو جاتا ہے کہ اسے حدیث قرار دے کر حضور ﷺ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں۔

یہ تیسری رائے مشہور مفسر و محدث حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ کی ہے جو انہوں نے تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۱ پر تحریر فرمائی ہے جبکہ پہلی رائے امام ترمذی، امام احمد اور علامہ ابن کثیرؒ کی ہے اور دوسرا جواب بھی حافظ ابن کثیرؒ ہی کی تحریر سے ماخوذ ہے۔

یہاں تک کی گفتگو سے اتنی بات تو واضح ہو گئی کہ آیت قرآنی میں ”وعدرب“ سے مراد قیامت یا قرب قیامت نہیں ہے اب رہی یہ بات کہ اگر ”وعدرب“ سے مراد قیامت یا قرب قیامت نہیں بلکہ ذوالقرنین کی سد کے ٹوٹنے کا وہ مقررہ وقت مراد ہے جو علم الہی میں ازل سے طے شدہ ہے تو اس کا قرینہ کیا ہے؟ پھر اس ”مقررہ وقت“ سے کیا مراد ہے؟ کیا وہ مقررہ وقت ابھی آئے گا یا آچکا؟ پھر اگر وہ مقررہ وقت آچکا تو کیا جوج ماجوج کا خروج ہو گیا یا نہیں؟

لیکن ان سوالات کے جوابات سے پہلے ذہن میں پیدا ہونے والی چند اور الجھنوں کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے تاکہ ایک نکتہ کی صورت میں وہ بھی ذہن میں راسخ ہو سکیں۔



۱۔ اس موقع پر سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی صراحت کے بعد اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ سد ذوالقرنین کے ذریعہ دو پہاڑوں کے درمیانی درے کو بند کیا گیا اور وہ ایک مضبوط ترین رکاوٹ بن گئی تاہم یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ ذوالقرنین کو گزرے ہوئے اتنا طویل عرصہ گزر گیا تو کیا جوج ماجوج اتنے بیوقوف ہیں کہ صرف اسی ایک راستے کو کھولنے کے درپے ہیں کوئی دوسرا راستہ تلاش کرنے کا نہیں خیال تک نہیں آتا؟

۲۔ پھر کیا یہ ضروری ہے کہ ان کے خروج کا راستہ وہی درہ ہو جو ذوالقرنین نے بند کیا ہے؟ اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی ایسا راستہ نہیں ہے جس سے وہ باہر آسکیں؟

۳۔ پھر سب سے بڑھ کر کہ کیا وہ لوگ ضروریات زندگی سے بالکل نا آشنا ہیں؟ سد ذوالقرنین کو توڑنے کے علاوہ ان کی زندگی کا کوئی اور مقصد نہیں ہے؟ وہ اپنے مقدر پر صبر شکر کر کے بیٹھ کیوں نہیں جاتے؟ دنیا کے جھٹوں میں الجھ کر اس چیز کو بھول کیوں نہیں جاتے؟

تاریخ کے اوراق کھنگالنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یا جوج ماجوج کی تاخت و تاراج اور وحشیانہ حملوں کے بے شمار راستے تھے جن میں سے ”درہ داریال“ ایک آسان راستہ تھا لیکن وہ ان دوسرے راستوں کو بھی استعمال کرتے تھے اور جب یہ راستہ بند ہو گیا تو وہ دوسرے راستے استعمال کرنے لگے جیسا کہ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی تحریر فرماتے ہیں۔

”جب کہ یا جوج ماجوج صرف ایک اس درہ سے ہی نکل کر غارت گری نہیں کرتے تھے بلکہ کاکیشیا کے اس کونہ سے چین کے علاقہ منچوریا تک ان کے خروج کے بہت سے مقامات تھے پس اگر ان کے لئے سد ذوالقرنین نے درہ داریال کی راہ ہمیشہ کے لئے مسدود کر دی تھی تو دوسرے مقامات سے ان کا خروج کیوں نہیں ہو سکتا تھا“ (فصل القرآن سوم ص ۲۱۸)

رہی یہ بات کہ کیا یا جوج ماجوج کا کوئی اور مقصد زندگی نہیں ہے؟ تو اس سلسلے میں کوئی یقینی بات ان کے طرز زندگی، اصول معیشت و معاشرت اور گزر اوقات سے متعلق نہیں کہی جاسکتی تاہم قرآن کریم کی یہ آیت ہمیں کچھ اشارہ ضرور دے رہی ہے۔

”وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ“ (الکہف: ۹۹)

”اور ہم نے انہیں اس حال میں چھوڑ دیا کہ اب وہ باہم ایک دوسرے سے موج در موج الجھتے رہیں گے“

اس سے معلوم ہوا کہ سد ذوالقرنین کی تعمیر سے قبل یا جوج ماجوج کا بیشتر وقت دوسروں پر



غارت گری اور حملوں میں خرچ ہوتا تھا اور اپنی اسی طبعی افتاد کی وجہ سے وہ دوسرے راستے بھی استعمال کرتے رہے لیکن سد ذوالقرنین کی تعمیر کے بعد ان کا زیادہ تر وقت باہم دست و گریبان رہنے میں گزرنے لگا اور یوں نہ ختم ہونے والی ایک طویل خانہ جنگی کا آغاز ہو گیا ذرا دم لینے کا موقع ملا یا ذائقہ تبدیل کرنے کو جی چاہا تو کسی اور طرف نکل پڑے ورنہ اپنے قبائل کی تعداد کچھ کم نہیں۔  
وقت موعود مراد لینے کا قرینہ:

یہ بات بہت وضاحت کے ساتھ ذکر کی جا چکی ہے کہ ”وعدرب“ سے مراد سد ذوالقرنین ٹوٹنے کا مقررہ وقت ہے، اس کا سب سے زیادہ واضح اور اہم ترین قرینہ وہ روایت ہے جو بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں آپ کی بصارت سے گزر چکی جس میں حضور ﷺ کا یہ خواب ذکر کیا گیا ہے کہ سد ذوالقرنین میں دو انگلیوں کی گولائی کے برابر سوراخ ہو گیا ہے یہ الگ بحث ہے کہ ”سوراخ“ سے کیا مراد ہے؟ اور حدیث کا کیا مقصد ہے اور یہ حدیث ہے بھی یا نہیں؟ عنقریب اس پر بھی بحث آیا جا رہی ہے لیکن یہاں ہمیں یہ ذکر کرنا ہے کہ اگر ”وعدرب“ سے مراد قیامت ہو تو پھر اس میں سوراخ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ جبکہ بات واضح ہے کہ اگر کسی دیوار میں چھوٹا سا بھی سوراخ ہو جائے تو اسے توڑنا بہت آسان ہوتا ہے اس لئے لامحالہ یہاں ”وقت موعود“ ہی مراد لیا جائے گا۔

نیز اس کائناتی حقیقت کی بھی تردید نہیں کی جاسکتی کہ وقت گزرنے کا ساتھ ساتھ مضبوط چیز میں بھی شکستگی آجاتی ہے اور پھر یہ کہ جب لوہے پر مسلسل عام پانی پڑتا رہے تو لوہا گل جاتا ہے اس لئے اگر سد ذوالقرنین اپنی پرانی کیفیت پر باقی نہ رہی ہو یا بالکل ہی باقی نہ رہی ہو تو کوئی اشکال نہیں بلکہ عقل کے لئے اسے تسلیم کرنا زیادہ آسان ہے، باقی آیت قرآنی سے استدلال کا جواب دیا جا چکا۔  
 مرتب: لیکن تانا نہیں گلتا ہے۔

حتی اذا فتحت ماجوج ماجوج کا مطلب؟

لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے ماجوج ماجوج کا تذکرہ دو مختلف سورتوں میں کیا ہے، سب سے پہلے سورہ کہف میں، پھر سورہ مبارکہ انبیاء میں، اور ان دونوں کے مضامین جمع کرنے سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ”وعدرب“ سے مراد قیامت ہے کیونکہ سورہ انبیاء میں ارشاد ربانی ہے۔

”حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ“ (الانبیاء: ۹۶)



”یہاں تک کہ جب یا جوج ماجوج کھل جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے محسوس ہوں گے“

اس آیت کے الفاظ پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یا جوج ماجوج ابھی کہیں بند پڑے ہوئے ہیں اور قیامت کے قریب انہیں کھول دیا جائے گا اور ایک عالمی فتنہ پیا ہو جائے گا، اب اگر سد ذوالقرنین ٹوٹ چکی ہے تو یا جوج ماجوج کا خروج اب تک کیوں نہیں ہوا؟

اس سوال سے بچنے کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور دوسرے بعض علماء نے یہ نظریہ اختیار کیا کہ ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام پر جو تاری حملہ ہوا تھا اور اس نے پورے عالم اسلام میں تہلکہ مچا دیا تھا، بغداد ”جو کہ اس وقت تمام ممالک اسلامیہ کا دار الخلافہ تھا“ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی اور تاری ایک بلائے بے درماں کی طرح مسلمانوں کو روندتے چلے گئے یہی وہ فتنہ تھا جسے قرآن کریم نے فتنہ یا جوج ماجوج قرار دیا ہے اس اعتبار سے سد ذوالقرنین بھی ٹوٹ چکی اور یا جوج ماجوج کا خروج بھی ہو چکا لیکن ظاہر ہے کہ اس پر وہ کوئی مضبوط دلیل پیش نہیں کر سکتے چنانچہ مولانا حفظ الرحمن سیوہاری تحریر فرماتے ہیں۔

”اس سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں اور بعض دوسرے علماء نے کتب سیرت میں اس امر کی کوشش کی ہے کہ سورہ انبیاء کی ان آیات کا مصداق جن میں یا جوج ماجوج کے موعود خروج کا ذکر کیا گیا ہے، ”حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ“ فتنہ تاتار کو بنا کر یہیں قصہ ختم کر دیں اور اس کا امارت ساعت و علامت قیامت سے کوئی تعلق باقی نہ رہنے دیں۔

مگر ہمارے نزدیک قرآن عزیز کا سیاق و سباق ان کی اس تفسیر یا تو جیبہہ کا قطعاً اباہ اور انکار کرتا ہے اور یہ اس لئے کہ ”سورہ انبیاء“ میں اس واقعہ کو جس ترتیب سے بیان کیا ہے وہ یہ ہے۔

”وَ حَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ“ (الانبیاء:)

”اور مقرر ہو چکا ہے ہر ایک ایسی بستی پر کہ جس کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے کہ اس کے بسنے والے واپس نہ ہوں گے یہاں تک کہ کھول دیے جائیں یا جوج ماجوج اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے امنڈ پڑیں اور قریب آجائے سچا وعدہ پھر اس وقت حیرانی سے کھلی کی کھلی رہ جائیں آنکھیں



منکروں کی اور کہیں ہائے ہماری بدبختی کہ ہم بے خبر رہے اس (قیامت) سے بلکہ ہم ظلم و شرارت میں سرشار رہے۔“

ان آیات میں آیت زیر بحث ”حتی اذا فتحت“ سے پہلی آیت میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ مرنے والوں کی موت کے بعد دوبارہ زندگی کا وقت جن علامات و آیات ساتھ جوڑ دیا گیا ہے یا جن پر معلق کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یا جوج ماجوج کے تمام قبائل اپنی پوری طاقت کے ساتھ بیک وقت اپنے مراکز سے نکل کر تیزی سے تمام دنیا پر چھا جائیں اور اس سے متصل آیت میں مزید یہ کہا گیا کہ پھر اس کے بعد قیامت پھا ہو جائے گی اور تمام شخص اپنی زندگی کے نیک و بد انجام دیکھنے کے لئے میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے اور ناکام اپنی ناکامی پر حسرت و یاس کرتے رہ جائیں گے۔

پس آیت زیر بحث کے سیاق و سباق نے یہ بات بخوبی واضح کر دی کہ اس مقام پر یا جوج ماجوج کے ایک ایسے خروج کی اطلاع دی گئی ہے جس کے بعد شر و فتنہ کا کوئی سلسلہ بلکہ دنیا کی ہستی کا کوئی سلسلہ باقی نہیں رہ جائے گا اور صرف قیامت پھا ہو جانے یعنی نفاخ صور کی دیر باقی رہ جائے گی جو اس واقعہ کی تکمیل کے بعد عمل میں آجائے گی۔ (قصص القرآن سوم ۲۲۵، ۲۲۶)

نوٹ مرتب: ہلاک ہونے والے لوگ صور پھونکی جانے کے بعد واپس میدان حشر میں واپس ہونگے اور ان میں یا جوج ماجوج بھی ہونگے اس اعتبار سے یہ بات درست نہیں ہے کہ فتنہ کا کوئی تعلق قرب قیامت سے نہیں ہے۔

اس لئے تا تاری فتنہ کو یا جوج ماجوج کا وہ خروج موعود نہیں قرار دیا جاسکتا جو قیامت کی بالکل آخری علامت میں سے ہے گو کہ بعض علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ تا تاری حملہ بھی یا جوج ماجوج ہی کا پہلا خروج تھا اور اس طرح ان کا خروج متعدد مرتبہ ہوگا تا آنکہ وہ وقت آجائے کہ دجال قتل ہو جائے اور حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہو جائے کہ اس وقت ان کا ایک بھر پور حملہ پوری دنیا پر ہوگا لیکن یاد رہے کہ علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں تا تاریوں ہی کو یا جوج ماجوج قرار دینے والوں کی سختی سے تردید کی ہے اور اس سلسلہ میں ان کی بڑی واضح اور قابل قبول ہے، وہ فرماتے ہیں۔

”ويعلم مما تقدم و مما سيأتي انشاء الله تعالى بطلان ما يزعمه بعض الناس من انهم التاتار الذين اكثر والفساد في البلاد و قتلوا الاخيار والاشرار، ولعمري ان ذلك الزعم من الضلالة بمكان وان كان بين ياجوج و ماجوج و الثك الكفرة مشابهة تامة لا تخفى على الواقفين على اخبار ما يكون وما كان



ابطال ما یزعمہ بعض الناس من انہم التاتار“ (روح المعانی ج ۹ ص ۵۲، ۵۳)

”گزشتہ اور آئندہ آنے والی گفتگو سے بعض لوگوں کے اس گمان فاسد کا بطلان بھی واضح ہو گیا کہ یا جوج ماجوج کا مصداق تاتاری ہیں جنہوں نے ملکوں میں خوب فساد پھیلا یا اور ہرنیک و بد کو قتل کر ڈالا یقین کیجئے کہ یہ گمان بہت گمراہ کن ہے تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ یا جوج ماجوج اور ان کافر تاتاریوں کے درمیان مشابہت تامہ پائی جاتی ہے جو علامت قیامت اور پیشین گوئیوں سے واقفیت رکھنے والوں پر مخفی نہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ جو لوگ تاتاریوں کو ہی یا جوج ماجوج سمجھتے ہیں ان کا یہ خیال باطل ہے“

بات شروع ہوئی ہے تو اب سورہ انبیاء کی محولہ بالا آیت کا وہ مطلب ”جو واضح، اہل عرب کے محاورہ کے مطابق اور ذہن کو قبول ہو سکے“ حضرت سیوہاریؒ کی عبارت میں ملاحظہ فرماتے جائیں۔  
”اور سورہ انبیاء میں خدائے تعالیٰ کے ارشاد ”فتح یا جوج و ماجوج“ میں فتح سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ سد توڑ کر نکل آئیں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ اس کثرت سے فوج در فوج نکل پڑیں گے گویا کہیں بند تھے اور آج کھول دئے گئے ہیں۔“

چنانچہ اہل عرب جب لفظ ”فتح“ کو جاندار اشیاء کے لئے استعمال کرتے ہیں تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ یہ کسی گوشہ میں الگ تھلگ پڑی ہوئی تھی اور اب اچانک نکل پڑی ہے اس لئے جب کوئی شخص کہتا ہے ”فتح الجراد“ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ٹڈیاں کسی جگہ بند تھیں اور اب ان کو کھول دیا گیا ہے بلکہ یہ معنی مراد ہوتے ہیں کہ ٹڈی دل کسی پہاڑی گوشے میں الگ پڑا تھا کہ اب اچانک فوج در فوج باہر نکل پڑا۔

پس یہاں بھی بتایا گیا ہے کہ یا جوج و ماجوج جیسے عظیم الشان قبائل جو عرصہ سے بایں کثرت و اثر دہام دنیا کے ایک گوشہ میں پڑے ہوئے تھے اس دن اس طرح اٹھ آئیں گے گویا بند تھے اور اب اچانک کھول دئے گئے“ (قصص القرآن سوم ص ۲۱۲)

اس عبارت کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت سیوہاریؒ اپنے قابل فخر استاذ حضرت علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کی اتباع میں یہ سمجھتے تھے کہ سد ذوالقرنین کا اندکاک، اس کی بقا کی نسبت اغلب ہے بالخصوص جبکہ وہ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تاتاری فتنہ یا جوج ماجوج کا پہلا خروج تھا نیز یہ کہ یورپی اور روسی اقوام ان ہی کی جدید اور تہذیب یافتہ شکل ہے۔



## کیا جوج ماجوج کا خروج ایک ہی مرتبہ ہوگا؟

گوکہ مولف کو اس بات کا احساس ہے کہ موضوع حد سے باہر نکلتا اور پھیلتا جا رہا ہے لیکن اس سوال کا جواب ضروری محسوس ہوتا ہے کیونکہ اس سلسلے میں ماضی قریب کی ایک مشہور علمی شخصیت، محدث عصر حضرت علامہ انور شاہ کاشمیریؒ جو دارالعلوم دیوبند کی آبرو، ہمارے استاذ استاذہ، میدان تحقیق کے صدر نشین اور ہمارے لئے انتہائی قابل صدا احترام شخصیت ہیں، کی ایک عبارت خاصی شبہ میں ڈالنے والی ہے، حضرت فرماتے ہیں۔

”فلهم خروج مرة بعد مرة، وقد خرجوا قبل ذلك ايضاً و افسدوا في الارض بما يستعاضمنه، نعم يكون لهم الخروج الموعود في آخر الزمان و ذلك اشدها“ (فيض الباری ج ۴ ص ۲۳)

”یا جوج ماجوج کا خروج (صرف ایک مرتبہ نہیں بلکہ) کئی مرتبہ ہوگا چنانچہ اس سے پہلے بھی وہ خروج کر کے زمین میں اتنا فساد پھیلا چکے ہیں جس سے توبہ ہی بھلی البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ قرآن و حدیث میں ان کے جس خروج کا وعدہ کیا گیا ہے وہ آخر زمانے میں ہوگا اور اس کی شدت سب سے زیادہ ہوگی“

اس عبارت کا واضح ترین مفہوم مندرجہ ذیل تین نکات کی صورت میں سامنے آتا ہے،

- ۱۔ یا جوج ماجوج کا خروج متعدد مرتبہ ہوگا۔
- ۲۔ اب سے پہلے بھی یا جوج ماجوج کا خروج ہو چکا ہے۔
- ۳۔ قیامت کے قریب ان کا سب سے خطرناک حملہ ہوگا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی، عملی، تحقیقی اور تاریخی شخصیت کی قد آوری اپنی جگہ مسلم اور مولف کے ان الفاظ سے بھی مترشح ہے جو وہ پیچھے لکھ آیا ہے لیکن دلیل کا مطالبہ کرنے والے شخصیت کو نہیں دیکھا کرتے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے بعد ان کے تلمیذ رشید حضرت سیوہاریؒ نے مذکورہ تین نکات میں سے پہلے نکتے پر کوئی مضبوط دلیل قرآن و حدیث سے پیش نہیں فرمائی اگر صرف پہلے ہی نکتہ پر ”یا جوج ماجوج کا خروج متعدد مرتبہ ہوگا“ کوئی مضبوط اور ٹھوس دلیل مل جائے تو دوسرا نکتہ از خود ثابت ہو جائے گا، البتہ تیسرا نکتہ احادیث صحیحہ سے بڑی وضاحت کے ساتھ اور قرآن کریم کے اشارات سے سمجھ میں آجاتا ہے اس لئے اسے تسلیم ہی نہیں کیا جائے گا۔

اس وضاحت سے ان دونوں سوالوں کا جواب بھی مل گیا جن کا جواب مولف کے ذمے قرض



تھا کہ خروج یا جوج ماجوج کا مقررہ وقت آچکا یا ابھی آئے گا؟ پھر اگر وہ وقت آچکا تو کیا یا جوج ماجوج کا خروج ہو گیا یا نہیں؟

## احادیث کی روشنی میں

تاریخی اعتبار سے یا جوج ماجوج، ذوالقرنین اور سد سکندری پر کسی قدر گفتگو قارئین نے ملاحظہ فرمائی اب ضروری ہے کہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں بھی اس تاریخ ساز فتنہ سے متعلق کچھ عرض کر دیا جائے تاکہ وہ وعدہ بھی وفا ہو جائے جو اس سے قبل کیا گیا تھا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ بات مد نظر ہے کہ کعب احبار ”جو پہلے یہودی تھے اور اہل کتاب میں ایک بہت بڑے عالم کے طور پر ان کی شناخت تھی، سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانہ خلافت میں انہوں نے اسلام قبول کیا“ سے اس مضمون کی بہت سی اسرائیلیات منقول ہیں لیکن ان پر اعتماد کر کے انہیں نقل نہیں کیا جا رہا ہے کیونکہ اس میں افسانوی داستان طرازی بہت غالب ہے، حقائق کی دنیا سے وہ بہت بعید چیزیں معلوم ہوتی ہیں مثلاً یہ کہ یا جوج ماجوج کے کان اتنے بڑے ہیں کہ وہ ایک کو بچھاتے ہیں اور دوسرے کو اوڑھ کر سو جاتے ہیں، کھانے پر آتے ہیں تو ہاتھی اور خنزیر تک بلکہ اپنے مردوں تک کو کھا جاتے ہیں یہ اور اس طرح کی بہت سی داستانوں کو ذکر کرنے سے ہم نے اپنے دامن کو بچایا ہے اور اگر کہیں ایسی چیزوں کا تذکرہ آیا بھی ہے تو اس کے ضعف کو ظاہر کرنے کے لئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحیح اور قابل اعتبار ذخیرہ روایات سے جن صحابہ کرامؓ کی روایت ہمیں مل سکی ہیں ذیل میں اس کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے اس کے بعد اسی ترتیب سے ان احادیث مبارکہ کا متن، ترجمہ اور بقدر ضرورت تشریح نقل کی جائیگی۔

حوالہ

نمبر شمار اسم گرامی

- ۱ حضرت زینب بنت جحشؓ بخاری (۷۰۵۹) مسلم (۷۲۳۵) ترمذی (۲۱۸۷) ابن ماجہ (۳۹۵۳)
- ۲ حضرت ابو ہریرہؓ بخاری (۷۱۳۶) ترمذی (۳۱۵۳) مسند احمد (۱۰۶۴۰) ابن ماجہ (۶۰۸۰)
- ۳ حضرت ابوسعید خدریؓ بخاری (۱۵۹۳) مسلم (۵۳۲)، مسند احمد (۱۱۳۰۴) ابن ماجہ (۶۰۷۹)
- ۴ حضرت حذیفہ بن اسیدؓ مسلم (۷۲۸۵) ابن ماجہ (۴۰۵۵)، ابوداؤد (۴۳۱۱) ترمذی (۲۱۸۳) مسند احمد (۶۰۷۹)
- ۵ حضرت نو اس بن سمانؓ مسلم (۷۳۷۳) ترمذی (۲۲۴۰) ابن ماجہ (۶۰۷۵) مسند احمد (۷۷۷۹)
- ۶ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ابن ماجہ (۷۰۸۱) مسند احمد (۳۵۵۶) الفتن (ص ۳۵۲)



۷	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	الفتن ص ۳۵۳
۸	حضرت عبداللہ بن عمروؓ	الفتن ص ۳۵۲
۹	حضرت اسلمؓ	الفتن ص ۳۶۷
۱۰	رجل من الصحابہؓ	روح المعانی ج ۹ ص ۱۱۰
۱۱	حضرت قتادہؓ	الفتن ص ۳۶۸

### حضرت زینب بنت جحشؓ کی روایت:

”حضرت زینب بنت جحشؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے لا الہ الا اللہ، اہل عرب کے لئے قریب آنے والے شر میں بڑی ہلاکت ہے، آج یا جوج ماجوج کی دیوار میں اتنا بڑا سوراخ ہو گیا ہے اور سفیان نے انگلی بند کر کے دکھائی، کسی نے پوچھا کہ نیک لوگوں کی موجودگی میں بھی کیا ہم ہلاک ہو سکتے ہیں؟ فرمایا ہاں! جب گندگی بڑھ جائے۔“ (البخاری: ۷۰۵۹، مسلم: ۷۲۳۵، ترمذی: ۲۱۸۷، ابن ماجہ: ۳۹۵۳)

مرتب: اس حدیث میں فتح ایوم اور یا جوج ماجوج کا تذکرہ غیر حدیث معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ قرآن کریم کے خلاف ہے مزید براں امام بخاری تک اس حدیث کے مزید راوی کون کون ہیں۔ حدیث کی حیثیت کا تعین درمیانی راویوں کو دیکھ کر ہی کہا جاسکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حصہ بخاری کے ابتدائی نسخوں میں موجود نہ ہو اور بعد میں لوگوں نے اضافہ کر دیا ہو۔ اگر ایسا ہے تو ویل العرب کی حدیث سے فتنہ تاتار مراد لینا آسان ہے اور اس کا فتنہ یا جوج ماجوج سے کوئی تعلق نہیں رہیگا اور فتنہ کی حدیث الگ ایک حدیث شمار ہو جائیگی۔

فائدہ:

سلسلہ یا جوج ماجوج کی تمام روایات میں سب سے زیادہ اسی حدیث پر بحث ہوئی ہے اور علماء کرام نے اس کی مراد متعین کرنے میں اپنے اپنے ذوق کے مطابق کلام کیا ہے قارئین کی سہولیت کے لئے مولف اسی حدیث کو دو حصوں پر تقسیم کرتا ہے پہلے حصے میں اس کی سند پر کچھ علمی بحث کی جائے گی اور دوسرے حصے میں اس کا متن زیر بحث آئے گا۔

سند حدیث:

حضرت زینب بنت جحشؓ کی یہ روایت ”جو بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ جیسی اہم کتابوں



میں منقول ہے“ کی سند میں سب سے اہم ترین بات یہ ہے کہ اس کی سند میں بیک وقت چار عورتیں جمع ہو گئی ہیں۔

۱۔ زینب بنت ابی سلمی

۲۔ حبیبہ

۳۔ ام حبیبہ

۴۔ زینب بنت جحش

اور ہر پہلی عورت نے دوسری عورت سے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ان میں سے پہلی دونوں عورتیں حضور ﷺ کی ربیباؤں سے تعلق رکھتی ہیں اور دوسری دونوں ازواج مطہرات میں سے ہیں۔ (ربیبہ سے مراد ازواج مطہرات کی ان کے سابقہ شوہروں کی اولاد ہیں جو رسول ﷺ کی کفالت میں ہیں۔)

اور یہی چیز اس حدیث میں حافظ ابن کثیر کو کھٹکتی ہے کہ ایک ہی سند میں چار عورتیں اکٹھی ہو رہی ہیں، جو آپس میں رشتہ دار بھی ہیں اور ان کی عبارت سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس حدیث کی سند پر انہیں اطمینان نہیں گو کہ صراحتاً وہ اس پر کوئی حکم اس لئے نہیں لگا سکے کہ امام الحدیث اور امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری نے اس کی تخریج کی ہے، اس سلسلے میں علامہ ابن کثیر کی عبارت ملاحظہ ہو۔

”امام زہری کے حوالہ سے اس روایت کی تخریج میں بخاری اور مسلم اگرچہ متفق ہیں اور یہ روایت صحیح ہے لیکن بخاری کی روایت میں حبیبہ کا ذکر نہیں جبکہ امام مسلم نے اسے ذکر کیا ہے اسی طرح اس حدیث کی سند میں کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو صناعت اسناد میں بہت کم وقوع پذیر ہوتی ہیں مثلاً امام زہری کا عروہ سے روایت کرنا باوجود یہ کہ دونوں تابعی ہیں اسی طرح سند حدیث میں چار عورتوں کا اکٹھا ہو جانا جو ایک دوسرے سے اس حدیث کو نقل کر رہی ہیں پھر یہ کہ سب کی سب صحابیہ ہیں، دو حضور ﷺ کی ربیبہ ہیں اور دو ازواج مطہرات میں سے ہیں۔“ (ابن کثیر ص ۳۳ ص ۱۴۲)

اگر علامہ ابن کثیر اس عبارت سے سند حدیث پر اعتراض کرنا چاہتے ہیں تو پھر تحقیقی بات یہ ہے کہ

۱۔ یہ روایت بخاری اور مسلم کے علاوہ ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی نقل کی ہے۔

۲۔ سند حدیث میں چار خواتین کا ذکر صرف مسلم ہی میں نہیں بلکہ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں بھی ہے۔



۳۔ یہ روایت امام بخاری نے چار مختلف مقامات پر نقل کی ہے اور چاروں میں وہی سند ہے جس میں دو تابعی اور چار صحابیہ عورتیں ہیں۔

۴۔ امام مسلم نے یہ روایت حضرت زینب بنت جحش کے حوالے سے چار سندوں سے نقل کی ہے جن میں سے صرف ایک سند میں چار صحابیہ عورتوں کا ذکر ہے باقی تین سندوں میں انہوں نے بھی تین ہی ذکر کیا ہے۔

۵۔ یہ روایت صرف حضرت زینب بنت جحش ہی سے نہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے اور اس کی سند بالکل مختلف ہے۔

اس لئے سنداً اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا اور اگر علامہ ابن کثیر اس سے سند کی اہمیت واضح کرنا چاہتے ہیں تو اس سے کہیں آسان اور سہل عبارت یہ ہے۔

”فاجتمعت فی ہذا الاسناد لطائف: الاول ان فیہ اربعة من النساء الصحابیات تروی احدھن عن الاخری ، و الثانی: ان زینب بنت ام سلمة و حبیبة بنت عبید اللہ کلتا ہما ربیتان للنبی ﷺ و ام حبیبة و زینب بنت جحش کلتا ہما زوجتان لہ ﷺ و الثالث: ان حبیبة تروی ہذا الحدیث عن امھا عن عمتھا ، لان زینب بنت جحش اخت لابیھا عبید اللہ بن جحش ، وقد جمع الحافظ عبد الغنی بن سعید الزدی جزءاً فی الاحادیث المسلسلة باربعة من الصحابة و جملة ما فیہ اربعة احادیث، و بلغھا الحافظ عبدالقادر الرھاوی و الحافظ یوسف ابن خلیل الی تسعة احادیث، و اصحھا حدیث الباب، کذا فی فتح الباری.“ (تکملہ فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۹)

اس عبارت سے سند حدیث کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے اور الفاظ بھی طبیعت پر بوجھ نہیں بنتے، خلاصہ کلام یہ کہ سند کے اعتبار سے اس حدیث پر کوئی انگشت نمائی نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ ”اصح الحدیث“ ہے، اب متن حدیث کی وضاحت قابل غور ہے تاکہ مضمون حدیث اچھی طرح واضح ہو جائے۔

نوٹ مرتب: بالعموم واضعین حدیث ثقہ راویوں کو ہی بنیاد بناتے ہیں۔ یہ امر بھی ذہن نشین رہے۔  
مضمون احادیث:

حضرت زینب بنت جحش کی مذکورہ روایت کا مضمون سمجھنے سے پہلے مندرجہ ذیل نکات پر وہ



ذہن پر محفوظ کرنا ضروری ہیں۔

۱۔ انبیاء کرام علیہ السلام کا خواب حجت ہوتا ہے اور اس پر عمل کرنا ویسے ہی ضروری ہوتا ہے جیسے بیداری میں آنے والی وحی واجب العمل ہوتی ہے نیز وہ خواب ”جس پر کروڑوں انسانوں کی بیداری قربان ہو جائے“ اسی طرح سچا ہوتا ہے جیسے بیداری میں آنے والی وحی سچی ہوتی ہے۔

۲۔ حدیث کے دو جملے اور ان کا ترجمہ آپ نے ملاحظہ فرمایا اب قابل غور بات یہ ہے کہ ان دونوں جملوں کا آپس میں کوئی ربط ہے یا نہیں؟ یا اس بات کو طے کرنے کے لئے ہم قصص القرآن کی عبارت ”جو اس مسئلے میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے“ پیش کر رہے، ملاحظہ فرمائیے۔

”ان دونوں مسئلوں کے متعلق اہل تحقیق کی رائے مختلف ہے اور چونکہ اس روایہ صادقہ کی تعبیر خود ذات اقدس ﷺ سے یا صحابہؓ کے آثار سے باسند صحیح منقول نہیں ہے اس لئے محدثین اور ارباب سیر نے یہ کوشش فرمائی ہے کہ وہ اس حدیث کے مصداق کو تقریبی طور پر متعین فرمائیں۔“

شیخ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ ”ویل للعرب“ کے جملہ میں ان شرور و فتن کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جو آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہی امت میں رونما ہونے شروع ہو گئے اور جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت میں سب سے پہلے عرب (قریشی حکومت) کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا اور جن کی ہلاکتوں کا شکار اہل عرب ہی ہوئے۔

اور روم (سدا) انگلی اور انگوٹھے کے بنائے ہوئے حلقہ کی مقدار رخنہ پیدا ہو جانے کا ذکر تقریبی ہے یعنی یہ مقصد نہیں ہے کہ واقعی اتنا چھوٹا سا رخنہ پڑ گیا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ سدا و القرنین کے استحکامات کی مدت ختم ہو گئی اور اب اس میں رخنہ پڑنے کی ابتداء ہو چکی ہے گویا اب وہ آہستہ آہستہ شکست و ریخت ہو جائے گی۔ (عمدة القاری ج ۱۱ ص ۲۳۵)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بھی قریب قریب یہی فرماتے ہیں، لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کی جانب اشارہ ہے جو روایہ صادقہ کے بعد قتل عثمانؓ کی شکل میں ظاہر ہوا اور پھر متواتر فتن اور شرور کا سلسلہ جاری ہو گیا جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب (قریشی حکومت) تمام اقوام کے لئے ایسے ہو گئے جیسا کہ کھانے کے پیالے پر کھانے والے جمع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں اس تشبیہ کا ذکر بھی موجود ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا،

”وہ زمانہ قریب ہے کہ تم پر قومیں اس طرح ایک دوسرے کو دعوت دیں گی جس طرح کھانے کے بڑے پیالے پر کھانے والے ایک دوسرے کو دعوت دیتے ہیں۔“ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۹۱)



قرطبی کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مخاطب عرب ہی ہیں اور رخنہ سد کے متعلق دونوں محدثین کا رجحان اسی جانب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حقیقی رخنہ مراد نہیں ہے بلکہ یہ ایک تشبیہ ہے۔

مرتب۔ حدیث کا یہ حصہ موضوع بھی تو ہو سکتا ہے ویسے بھی یہ خلاف قرآن ہے۔ یا یہ دو حدیثیں جدا جدا ہوں اور کسی غلط فہمی کی بنا پر ان کو ایک کر دیا گیا ہو۔

ان ہر دو محدثین کی تفصیلات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ”ویل للعرب“ والا جملہ شرور و فتن سے متعلق ہے اور ”فتح ردم“ کے جملہ میں ایک ہی بات بیان کی گئی ہے۔ اور یہ دونوں جملے اس طرح آپس میں مربوط ہیں کہ دونوں کے ایک ہی حادثے سے متعلق سمجھا جائے۔ اور حافظ عماد الدین ابن کثیر اس بارے میں کوئی فیصلہ کن رائے نہیں رکھتے اور متردد ہیں کہ زیر بحث حدیث ”فتح من ردم یا جوج و ما جوج“ میں فتح سے حقیقی فتح (کھل جانا) مراد ہے یا استعارہ ہے کسی آئندہ ایسے حادثہ سے جو یا جوج و ما جوج کے ہاتھوں پیش آنے والا ہے اور جس کا اثر براہ راست عرب (حکومت قریش) پر پڑے گا لیکن کرمانی شارح بخاری بعض علماء سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اس پوری حدیث کو ایک ہی معاملہ سے متعلق سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس میں یا جوج و ما جوج کے ایسے حادثہ کا ذکر کیا گیا ہے جس کا ظہور قیامت کی علامت سے جدا اور درمیانی وقفہ میں پیش آنے والا ہے اور جو باعث ہوگا عرب کے زوال کا اور ”فتح ردم“ استعارہ ہے اس بات سے کہ جو حادثہ آئندہ رونما ہونے والا ہے اس کی ابتدا ہوگئی ہے اور یہ وہ حادثہ تھا کہ جو مستعصم باللہ خلیفہ عباسی کے زمانہ میں ”فتنہ تاتار“ کے نام سے برپا ہوا اور جس نے عرب کا طاقت کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔ (عمدة القاری ج ۱۱)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یا جوج و ما جوج قبائل کی اس تاخت و تاراج کے بعد جس کا ذکر ذوالقرنین کے واقعہ کے ضمن میں آیا ہے تاریخ میں ان قبائل کا پھر کوئی یادگار حملہ مذکور نہیں ہے۔

البتہ ساتویں صدی عیسویں میں ان کے لیے ذوالقرنین کی یہ روک بیکار ہوگئی اور انھوں نے بحر خزر اور بحر اسود کے اس درہ کے علاوہ جو ان پر بند کر دیا گیا تھا بحیرہ یورال اور بحر خزر کا درمیانی راستہ پالیا، نیز ادھر سد ذوالقرنین کے استحکامات میں بھی فرق آنا شروع ہو گیا تھا اور اس طرح ذوالقرنین کے بعد اب یا جوج و ما جوج کے ایک نئے فتنے کا آغاز ہو چلا تھا اور صدیوں سے ان خاموش قبائل فتنہ جو میں پھر حرکت شروع ہوگئی تھی۔

لہذا نبی کریم ﷺ کو روایا صادقہ میں یہ دکھا دیا گیا کہ اگرچہ ابھی وقت دور ہے جبکہ قیامت



کے قریب تمام قبائل یا جوج ماجوج عالم انسانیت پر چھا جائیں گے لیکن وہ وقت قریب ہے جبکہ ذوالقرنین کے بعد ان کا ایک اہم خروج پھر ہوگا اور وہ عرب کی طاقت اور فرمانروائی کی بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا اور اسی خروج کو اسی طرح حسی طور پر دکھایا گیا کہ گویا (سد) دیوار میں ایک چھوٹا سا سوراخ ہو گیا ہے اور آہستہ آہستہ وہ دیوار گر کر منہدم ہو جانے والی ہے۔

مرتب: یہ تاویل بھی کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتی ہے۔ رسول ﷺ کی زبان مبارک ابہام سے خالی ہوتی ہے۔

چنانچہ زمانہ نبوی کے بعد یہ وہ وقت تھا کہ ان قبائل میں سے منگولین قبائل نے اپنے مرکز سے نکل کر قرب جوار میں پھیلنا اور چھوٹے چھوٹے حملے کرنا شروع کر دیا تھا اور آخر کار چھٹی صدی ہجری میں چنگیز خاں ان کا قائد بن گیا اور اس نے منتشر قبائل کو ایک جگہ جمع کرنا شروع کیا اور پھر اس کے بیٹے اوکتائی خاں نے ایک بے پناہ طاقت کے ساتھ اٹھ کر مغرب و جنوب پر حملہ کر دیا اور ۶۸۶ھ میں آخر کار ہلاکو خاں کے ہاتھوں بغداد کی عرب خلافت کا خاتمہ ہو گیا اور اس نے ”خلافتِ عربیہ“ کو تہہ و بالا کر ڈالا۔

تو یہ سمجھئے کہ جس طرح نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس خود علامات قیامت میں سے سب سے بڑی علامت ہے یعنی آپ خاتم النبیین ہیں اور پھر بھی قیامت کے وقت میں اور ذات اقدس میں کافی غیر متعین فاصلہ ہے اسی طرح یہ فتنہ تاتاری بھی علامات قیامت ”خروج یا جوج و ماجوج“ کا ابتدائی نشان ہو سکتا ہے اور جس طرح خروج دجال و قتل دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریبی علامات ہیں اسی طرح سورہ انبیاء میں ذکر کردہ خروج یا جوج ماجوج بھی علامات قیامت میں سے قریبی اور آخر کی علامت یا شرط ہے پس ”فتح روم“ میں ان کی ابتدائی حرکت کی جانب اشارہ ہے جو رویائے صادقہ کے وقت شروع ہو چکی تھی اور ”ویل للعرب“ اس نتیجہ کا اظہار ہے جو عرب حکومت کے خاتمہ پر منبج ہوا ہے۔

لیکن شیخ بدرالدین عینی نے بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں کرمانی کے بیان کردہ اس قول کی تردید کی ہے جس کا حاصل یہ کہ تاتاری فتنے کا بانی چنگیز خاں اور اس کا بیٹا ہلاکو خاں تھا اور ان کو یا جوج ماجوج میں سے سمجھنا صحیح نہیں ہے لہذا اس حدیث کا مصداق اس فتنہ کو قرار دینا بھی غلط ہے بہر حال حدیث ”ویل للعرب“ کی ان مختلف توجیہات سے جب کہ یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس روایت کے مصداق کا تعین خود حدیث سے نہیں ہوتا بلکہ محدثین نے قرآن اور الفاظ حدیث کی نشست کو پیش نظر رکھ



کر اپنی جانب سے مصداق متعین کرنے کی سعی فرمائی ہے اور پھر اس میں بھی اختلاف رائے رہا ہے تو اب ان ہی کے بتائے ہوئے اصول کو سامنے رکھ کر ہم بھی کچھ کہنے اور حدیث زیر بحث کے مقصد کو متعین کرنے کا حق رکھتے ہیں، اگرچہ دوسرے اقوال کی طرح وہ بھی غیر منصوص اور قابل رد و قبول ہوگا۔ حدیث زیر بحث میں مستقبل میں پیش آنے والے جس فتنہ اور شر کی خبر دی گئی ہے اس کے دو جملے بہت اہم ہیں ایک ”ویل للعرب من شر قد اقترب“ عرب کے لئے ہلاکت ہے اس شر سے جو بلاشبہ قریب آگیا ہے۔ اور دوسرا ”فتح الیوم من ردم یا جوج و ما جوج و حلق تسعین“ آج کے دن یا جوج ما جوج کی سد سے انگوٹھے اور انگلی کے گول دائرہ کی مقدار میں کھول دیا گیا ہے ”اور ان ہر دو جملوں کے درمیان واو عطف بھی نہیں ہے۔

لہذا الفاظ حدیث پر کافی غور و خوض کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں مسطورہ بالا ہر دو اقوال کی گنجائش ہے۔ یعنی حدیث کا پہلا جملہ یہ پتہ دیتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک ایسے اہم شر کی اطلاع دے رہے ہیں جس کا اثر یہ ہوگا کہ عرب کے لئے سخت ہلاکت کا سامنا ہوگا اور ”خلافت قریش“ زوال پذیر ہو جائے گی۔

اور دوسرا جملہ یا پہلے جملے کی تائید میں پیش کیا گیا ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس امت میں جو اہم فتنے پھاہونے والے ہیں اور جن کا ابتدائی اثر عرب کی ہلاکت کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ ان فتنوں کے رونما ہونے کے لئے حسی علامت اس طرح سامنے آگئی ہے کہ یا جوج و ما جوج پر بنائی ہوئی مستحکم سد ذوالقرنین میں رخنہ پڑنا شروع ہو گیا اور اس کی شکست و ریخت ہونے لگی۔ گویا یہ رخنہ آئندہ اسلامی طاقت یا عرب طاقت میں جلد رخنہ پڑ جانے کے لیے ایک علامت ہے۔ چنانچہ یہ فتنہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے شروع ہو کر مختلف فتنوں کے بعد چند صدیوں میں قریشی حکومت کی ہلاکت و تباہی پر جا کر ٹہرا اور اس طرح حدیث کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

پس اس شکل میں ”فتح ردم“ آئندہ فتنوں اور شرروں کے پیش آنے کی ایک علامت ہے جو امت اسلامی میں پھاہو کر قرب قیامت میں موعود خروج یا جوج و ما جوج پر جا کر ختم ہو جائیں گے اور اس کے بعد دنیا کے درہم و برہم ہو جانے سے قیامت واقع ہو جائے گی۔

یابیوں کہیے کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کی صرف تائید ہی نہیں ہے بلکہ اس کی تفسیر ہے اور پہلا جملہ درحقیقت نتیجہ اور ثمرہ ہے دوسرے جملہ کا، اور مطلب یہ ہے کہ عرب (قریشی حکومت) کی ہلاکت کا وقت آ پہنچا، گویا یا جوج ما جوج کا وہ بند جو ذوالقرنین نے بہت مستحکم باندھا تھا اس میں اب رخنہ پڑ گیا



اور معنی اس میں شکست و ریخت شروع ہوگئی اور یہ تمہید ہے اس فتنہ کی جو اسی جانب سے اٹھے گا اور قریشی حکومت کا خاتمہ کر دے گا۔

پس اس تعبیر کے لحاظ سے تا تاری فتنہ کی وہ تاریخ سامنے لائی جائیگی جو گزشتہ صفحات میں کی گئی ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح حدیث کی بیان کردہ پیش گوئی کے مطابق اس فتنہ کی ابتداء دور رسالت کے بعد ہی سے شروع ہوگئی تھی اور پھر کس طرح وہ خلیفہ عباسی معتمد باللہ کے دور حکومت میں قریشی حکومت کے استیصال باعث ہوئی۔

پس ان دونوں جملوں کے درمیان جو ربط اور تعلق ہے اس میں اس قدر وسعت تسلیم کر لی جائے کہ وہ محدثین کی بتائی ہوئی توجیہ یعنی شرور و فتن کا شیوع کرمانی کا بیان کردہ ایک قول کے مطابق توجیہ ”یعنی فتنہ تا تار کا وجود“ ان دونوں توجیہات کو حاوی ہو سکے تو ایسا تسلیم کرنے میں نہ کوئی شرعی قباحت لازم آتی ہے اور نہ تاریخی، اور زیر بحث حدیث کا مصداق بہت زیادہ فہم کے قریب آجاتا ہے۔  
(قصص القرآن سوم ص ۲۲۰ تا ۲۲۳)

مرتب: یہ توجیح حضرت قتادہ کی حدیث کہ انہوں نے اس دیوار کو دیکھا ہے اور حضور ﷺ کی اس کی تصدیق سے متضاد ہے۔  
حضرت ابو ہریرہ کی روایت:

(۱) عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ فی السد قال: یحفر و نہکل یوم حتی اذا کاد و ایخر قونہ قال الذی علیہم: ارجعوا فستخر قونہ غدا، قال: فیئدہ اللہ کا مثل ما کان حتی اذا بلغ مدتہم و ارد اللہ ان یبعثہم علی الناس قال الذی علیہم: ارجعوا فستخر قونہ غدا ان شاء اللہ و استثنی، قال: فیرجعون فیجدونہ کھیتہ حین ترکوہ فیخر قونہ و یخرجون علی الناس فیستقون المیاہ و یفر الناس منہم فیرمون بسہامہم الی السماء فترجع مخضبة بالدماء فیقولون قہرنا من فی الارض و علونا من فی السماء . قسوة و علوا . فیبعث اللہ علیہم نغفافی اقفائہم فیہلکون . قال: فوالذی نفس محمد بیدہ ان دواب الارض تسمن و تبطر و تشکر شکر امن لحو مہم“ (ترمذی، ۱۳۵۳، ابن ماجہ: ۶۰۸۰، مسند احمد: ۱۰۶۹۰)

”سد ذوالقرنین کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ یا جوج ماجوج اس سد کو روزانہ کھودتے ہیں اور کھودتے کھودتے جب وہ دیوار ٹوٹنے کے قریب ہو جاتی



ہے (اور سورج غروب ہونے لگتا ہے تو رات اور اندھیرا ہونے کی وجہ سے) ان کا سردار کہتا ہے بس اب واپس چلو، کل تم اسے مکمل توڑ دو گے لیکن اللہ تعالیٰ اسے پھر ویسا ہی کر دیتا ہے۔

حتیٰ کہ جب ان کا وقت موعود آ پہنچے گا اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوگا کہ انہیں چھوڑ دیا جائے تو ان کے سردار کی زبان سے یہ جملہ نکلے گا بس اب واپس چلو کل تم اسے ”انشاء اللہ“ مکمل توڑ دو گے اس استثناء کے وجہ سے جب وہ لوگ اگلے دن لوٹ کر آئیں گے تو اسے اسی حال پر پائیں گے جس پر اسے چھوڑ کر گئے تھے۔

چنانچہ وہ اسے توڑ کر باہر نکل آئیں گے اور زمین کا سارا پانی پی جائیں گے اور لوگ ان سے ڈر کر بھاگ جائیں گے اس کے بعد یا جوج ماجوج آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے جو خون سے رنگین کر کے ان پر واپس لوٹا دئے جائیں گے یہ دیکھ کر وہ کہیں گے کہ ہم زمین و آسمان کی ساری مخلوقات پر غالب آ گئے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ان کی گردن میں گدی کے پاس ایک کیڑا مسلط کر دیں گے جس سے یہ ہلاک ہو جائیں گے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ یا جوج ماجوج کا گوشت کھا کھا کر زمین کے کیڑے بھی موٹے اور بھاری بھر کم ہو جائیں گے۔

نوٹ: یہ پوری حدیث خلاف درایت ہے۔ اول تو سمندر کا پانی پینے کا قابل نہیں ہوتا اور نہ ہی انسانوں کی اس قدر بڑی تعداد یا جوج ماجوج قرار دی جاسکتی ہے۔ بظاہر یہ ایک اسرائیلی روایت محسوس ہوتی ہے۔

فائدہ:

ضمنی طور پر تو اس حدیث کے سلسلے میں پہلے بھی کچھ معروض ہو چکا ہے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سنداً و متناً بھی اس روایت پر اعتراض ہے اور یہ بھی کہ راوی کی غلط فہمی کی وجہ سے اس روایت کو حضور اقدس ﷺ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے لیکن یہاں اس پر کچھ تفصیلی بات کر لینا موقع کے مطابق ہی ہے۔

سند کے اعتبار سے جن حضرات نے اس روایت پر کچھ لے دے کی ہے، اس کی بنیاد امام ترمذی کا یہ جملہ ہے۔

”ہذا حدیث حسن غریب انما نعرفہ من هذا الوجه مثل هذا“

لیکن مولف سمجھتا ہے کہ صرف امام ترمذی کا یہ جملہ اس حدیث کو قبول کرنے کے لئے وجہ اعتراض نہیں بن سکتا کیونکہ یہ حدیث صرف اسی ایک سند سے مروی نہیں جو امام ترمذی کی سند بلکہ سنن



ابن ماجہ میں اس کی سند کچھ اور ہے اور مسند احمد میں اس کی سند کچھ اور ہے اس لئے اگر ترمذی کی سند پر اعتراض وارد ہوتا بھی ہوتا بھی سنن ابن ماجہ اور مسند احمد کی سند بے غبار ہے پھر جب اس کے ساتھ امام حاکم اور علامہ البانی کی تصحیح کا حکم بھی مل جائے تو بات مزید پختہ ہو جاتی ہے۔  
مرتب: لیکن یہی بات اس کے موضوع ہونے کا ثبوت سے بھی کہی جاسکتی ہے کہ واضعین نے یہ سب کچھ پلاننگ کے تحت کیا ہو۔

اب حضرت سیوہاریؒ کی اس عبارت کو ملاحظہ فرمائیے جو انہوں نے اس روایت کے متعلق فیصلہ کن حیثیت سے تحریر فرمائی ہے۔

”ترمذی، ابن کثیر اور امام احمد کی ان تصریحات کے بعد اس روایت کی حیثیت ایک اسرائیلی قصہ سے زیادہ نہیں رہ جاتی لہذا مفسرین کا محض اس روایت کی بناء پر سورہ کہف کی زیر بحث آیات کی تفسیر کرنا کہ سد ذوالقرنین ٹھیک اس وقت ریزہ ریزہ ہوگی جبکہ اشراط ساعت میں سے موعود خروج یا جوج و ماجوج پیش آئے گا صحیح نہیں ہے۔“ (فصل القرآن سوم ص ۲۱۵)

حضرت سیوہاریؒ ہمارے سر کے تاج اور انتہائی قابل احترام شخصیت ہیں تاہم یہ بات بھی واضح ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی محولہ بالا روایت پر حضرت نے ترمذی، ابن کثیر اور امام احمد کے حوالے سے جو اسرائیلی قصہ کا حکم لگایا ہے، یہ محل نظر ہے کیونکہ اتنی بات تو ابھی آپکی بصارت سے گزر چکی کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر اگر کوئی اعتراض کیا ہے تو وہ اس مخصوص سند پر کیا ہے جس سے انہوں نے روایت کی ہے، باقی دوسری اسناد پر وہ کوئی حکم نہیں لگا سکے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسے ”حسن غریب“ کہا ہے۔

مرتب: مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اس حدیث کی نوعیت کیا ہے بلکہ یہ ہے کہ کعب احبار سے تو یہ روایات قصوں کے طور پر بتائی ہیں۔ حدیث (تو اس کو واضعین نے بنایا ہے اور واضعین ہمیشہ ثقہ راویوں کو ہی بنیاد بناتے ہیں اس لیے اس کو حدیث ہی تسلیم نہیں کرنا چاہیے المہ کرام علاوہ امام ابو حنیفہؒ کے احادیث کو صرف راویوں کی بنیاد پر توالتے ہیں جبکہ امام ابو حنیفہ ان کو درایت پر بھی پرکھتے ہیں۔ رہا مفسرین تو وہ تو کسی پیمانے پر بھی نہیں پرکھتے۔ امام ترمذی کے نزدیک حسن غریب کے بعد یہ مسئلہ مسلمہ ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث ہے ہی نہیں)۔

اسی طرح امام احمد کی اس سلسلے میں کوئی تصریح منقول نہیں ہے باقی حضرات نے امام احمد کی جس تصریح کا ذکر فرمایا ہے وہ ابن کثیرؒ کی عبارت سے ماخوذ ہے اور ابن کثیرؒ کی عبارت اس سلسلے میں یہ



ہے۔

”وینوید ماقلناہ من انہم لم یتمکنو امن نقبہ ولا نقب شیئ منہ ومن نکارة  
هذا المرفوع قول الامام احمد“ (ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۱)

”اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ یا جوج ماجوج سد ذوالقرنین میں مکمل یا جزوی طور پر نقب نہیں  
لگا سکے نیز یہ کے اس مرفوع روایت میں نکارت پائی جاتی ہے اس کی تائید امام احمد کے قول سے بھی ہوتی  
ہے۔“

لیکن حافظ ابن کثیر نے امام احمد کا وہ قول نقل نہیں فرمایا جس سے ان کے اس خیال کو تقویت  
پہنچتی ہو بلکہ اس کے بعد حضرت زینب بنت جحش کی وہ روایت نقل فرمائی ہے جو قبل ازیں آپ پڑھ  
آئے ہیں اور اس کی سند پر وہ اعتراض کیے ہیں جن کا تذکرہ اور جواب ہم ذکر کر چکے ہیں، پھر امام احمد  
اس حدیث کو اسرائیلی قصہ قرار بھی کیسے دے سکتے ہیں جبکہ خود انہوں نے اپنی مسند صحیح کے ساتھ اس  
تخریج کی ہے اور امام حاکم اور علامہ البانی نے اس کی تصحیح بھی کی ہے؟

باقی رہے علامہ ابن کثیر تو ان کے قول سے اس لئے استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ اس حدیث  
پر ان کے اعتراض کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور کعب احبار کی باہمی مجالس خوب رہا کرتی  
تھیں اس لئے ممکن ہے کہ کعب احبار نے یہ اسرائیلی قصہ بیان کیا ہو اور حضرت ابو ہریرہؓ نے اسے آگے  
یوں ہی بیان کر دیا ہو، بعد کے لوگ اسے حدیث سمجھ بیٹھے ہوں۔

اولاً تو علامہ ابن کثیر کا ”امکان“ پر بنیاد رکھنا ہی ناقابل فہم ہے کیونکہ اگر ”امکان“ کو لیکر  
بحث کی جائے تو حضرت ابو ہریرہؓ ہی نہیں بلکہ ان تمام صحابہؓ کی وہ روایات ”جو کعب احبار سے بھی  
منقول ہوں“ مشکوک ہو جائیں گی۔

ثانیاً اگر اس بات کو تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر بھی لیا جائے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ روایت  
کعب سے سن کر بیان کی ہے کیونکہ خود کعب سے بھی اس مضمون کی روایت مروی ہے تو پھر ہمیں کعب کی  
روایت پر محدثین کا فیصلہ معلوم کرنا چاہئے اور اگر اس سلسلے میں ہمیں علامہ ابن کثیرؒ ہی کا کوئی فیصلہ مل  
جاتا ہے تو ”نور علی نور“ کا مصداق ہوگا اور معمولی جستجو سے ہمیں امام ابن کثیرؒ کا اپنا فیصلہ مل گیا ہے آپ  
بھی ملاحظہ فرمائیے۔

”وہذا من احسن سیاق کعب الاحبار لما شہد له من صحیح الاخبار“  
(ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶۳)



”کعب احبار کے بہترین سیاق میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے کیونکہ صحیح روایات سے بھی اس کے شواہد ملتے ہیں۔“

علامہ ابن کثیر نے یہ فیصلہ سترہویں پارے میں اسی مضمون کی ”ابن ابی حاتم کے حوالے سے“ کعب احبار کی روایت نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے اس لئے اس مسئلہ میں حافظ ابن کثیر کے فیصلے پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

اس تصفیہ کے بعد اب مؤلف کے ذمے دو چیزیں قابل وضاحت ہیں۔

۱۔ حضرت سیوہاری نے علی سبیل التزیل مذکورہ روایت پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: ”اور اگر ان کی تفسیر کا یہ حصہ صحیح مان لیا جائے تو پھر بھی وہ مذکورہ بالا روایت کے تسلیم کر لینے کے بعد قرآن عزیز کی آیت کے تعارض سے سبکدوش نہیں ہو سکتے اس لئے کہ قرآن عزیز (کہف) میں سد کے متعلق ذوالقرنین کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے ”فما استطاعوا ان يظهو و ما استطاعوا له نقبا“ اور اس کا مطلب تمام مفسرین نے بالاتفاق یہ بیان کیا ہے کہ یاجوج و ماجوج اس سد میں کسی قسم کے رد و بدل پر قادر نہیں ہیں“ (فصل القرآن سوم ص ۲۱۶)

حضرت کا منشا غالباً یہ ہے کہ اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے ”جس کے مطابق یاجوج ماجوج سد سکندری کو کھود کھود کر گرنے کے قریب کر دیتے ہیں“ تو پھر قرآن کریم کی اس آیت سے تعارض پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس کے مطابق ویا جوج ماجوج اس میں سوراخ بھی نہیں کر سکتے؟ سو اس سلسلے میں سب سے واضح ترین بات یہ ہے کہ اس بحث میں خود حضرت سیوہاری نے بار بار اس بات کو تسلیم فرمایا ہے کہ ان آیات مبارکہ میں ذوالقرنین کا مقولہ نقل کیا گیا ہے درمیان میں صرف ”وترکنا بعضہم“ والی آیت اللہ تعالیٰ کا اپنا مقولہ ہے اور ذوالقرنین نے بھی اپنی تعمیر کردہ دیوار کی مضبوطی پر اظہار اعتماد اور ان لوگوں کو تسلی دینے کے لئے جملہ کہا تھا اس لئے ذوالقرنین کا کہا ہوا یہ جملہ حدیث کے متعارض نہیں ہو سکتا۔ قرآن مضامین کی ترتیب سے اپنے بیانات نہیں کرتا و ترکنا کا جملہ یوم قیامت سے متعلق ہے اور مردوں کے قبروں سے نکلنے کا تذکرہ ہے نہ کہ یاجوج ماجوج کا جس کا ثبوت یہ پوری آیت اور آیت نمبر ۱۰۰ ہے اس لئے یہ دلیل نامناسب ہے۔

بالخصوص جبکہ آیت مبارکہ کا واضح ترین مطلب یہ بن سکتا ہو کہ اب یاجوج ماجوج نہ اس دیوار پر چڑھ کر اسے پھاند سکیں گے اور نہ ہی کوئی سوراخ کر کے اس دیوار کو توڑ سکیں گے کہ تم تک پہنچ سکیں اس اعتبار سے پہاڑ کے اس طرف رہنے والوں کے لئے تسلی کے یہ کلمات حدیث کا متعارض



کیونکر ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ حدیث بھی اس مضمون کو ثابت نہیں کرتی کہ یا جوج ماجوج کے اس دیوار کو کھودنے سے پہاڑ کے دوسری طرف رہنے والوں کو کوئی نقصان پہنچتا ہے اس لئے کوئی تعارض نہیں رہتا اور سب چیزیں اپنی اپنی جگہ منطبق ہو جاتی ہیں۔

۲۔ اس روایت کو صحیح تسلیم کر لینے کے بعد منطقی طور پر یہ بات خود بخود ثابت ہو جاتی ہے کہ سد ذوالقرنین اس وقت تک موجود ہے اب سوال یہ ہے کہ جدید سائنسی آلات اور کمپیوٹر و انٹرنیٹ کی یہ دنیا سیٹلائٹ کے ذریعے زمین کے ایک ایک کونے کو چھان چکی ہے اسے تو یہ دیوار کہیں نہیں ملی؟ سو اس کا جواب ہم حضرت علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کی عبارت سے پیش کرتے ہیں، حضرت تحریر فرماتے ہیں۔

”وبعد ، فان العلم بيد الله المتعال ، واما من زعم انه قد احاطه بوجه الارض كلها علما ولم يترك موضعا الا وقد شاهد حاله فذلك جاهل ، فانهم قد اقرؤا بان كثيرا من حصص الارض باقية لم تقطعه بعد اعناق المطايا“ (فيض الباری ج ۶ ص ۲۶)

”حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے، باقی جس شخص کا یہ گمان ہو کہ اس نے اسے مکمل روئے زمین کا علم اپنے ذہن میں محیط کر لیا ہے اور اس نے کوئی ایسی جگہ نہیں چھوڑی جس کا مشاہدہ اس نے نہ کیا ہو تو وہ جاہل ہے کیونکہ خود اہل یورپ کو اس بات کا اقرار ہے کہ اب بھی زمین کے بہت سے حصے ایسے باقی ہیں جن تک ہم تا حال کوئی رسائی حاصل نہیں کر سکے۔“

مرتب: یہ بات مولانا کے زمانے میں تو درست تھی اب تو زمین کا ہر حصہ زیر نظر ہے خصوصاً سد ذوالقرنین جس کی حضرت قتادہ کے ایک مشاہدے کی روایت بھی باب الفتن میں موجود ہے۔ اور مولانا آزاد اور حضرت سیوہاروی کی تحقیقات کے بعد تو اس کی تلاش دشوار نہیں رہی ہے۔ قرآن کے قول پر اپنی رائے کے حق میں کوئی دلیل جو خود موضوع محسوس ہوتی ہے لانا تو خود ایک گناہ ہے۔ یہ امر زیادہ بہتر تشریح ہے کہ یہ حدیث ہے ہی نہیں بلکہ اسرائیلی روایت ہے جس کے بعد یہ تمام بحث بیکار ہو جاتی ہے کسی حدیث کو صرف روایات پر ہی نہیں دیکھنا چاہیے اس کی امکانی صورت پر بھی غور کرنا چاہیے۔

فائدہ:

اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت زینب بنت جحشؓ کے حوالے سے گزر چکی ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت:

(۱) ”عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال : يقول الله تعالى : يا آدم



فيقول ليك و سعديك ، والخير في يدك ، فيقول : اخرج بعث النار قال : وما بعث النار ؟ قال من كل الف تسعمائة و تسعة و تسعين ، فعنده يشيب الصغير ، وتضع كل ذات حمل حملها و تری الناس سكری و ما هم بسكری ولكن عذاب الله شديد قالوا : يا رسول الله ! و ايننا ذلك الواحد ؟ قال : ابشروا فان منكم رجل و من ياجوج و ماجوج الف ثم قال : والذي نفسي بيده اني ارجوان تكونوا اربع اهل الجنة فكبرنا ، فقال : ارجوان تكونوا ثلث اهل الجنة فكبرنا ، فقال : ارجوان تكونوا نصف اهل الجنة فكبرنا ، فقال : ما انتم في الناس الا كالشعرة السوداء في جلد ثور ابيض ، او كشعرة بيضاء في جلد ثور اسود “ (بخاری: ۳۳۲۸، مسلم ۵۳۲، مسند احمد ۱۱۳۰۶)

”حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمائیں گے اے آدم! حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے لیك و سعديك و الخير في يدك، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ”بعث النار“ کو نکال لو آدم علیہ السلام عرض کریں گے بعث النار سے کیا مراد ہے؟ اللہ فرمائیں گے ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم کے لئے نکال لو یہ سنتے ہی بچے بوڑھے ہو جائیں گے، حاملہ عورتوں کو وضع حمل ہو جائیگا اور لوگ مدہوش دکھائی دینگے حالانکہ وہ مدہوش نہ ہوں گے لیکن حقیقت یہ کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔ صحابہ اکرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ ایک نجات پانے والا ہم میں سے کون ہوگا؟ فرمایا کہ خوش ہو جاؤ کہ وہ ایک تم میں سے ہی ہوگا باقی ہزار یا جوج ماجوج میں سے ہوں گے، پھر فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے مجھے امید ہے کہ تم لوگ تعداد میں اہل جنت کا چوتھائی حصہ ہو گے یہ سن کر ہم نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ پھر حضور اکرم صلعم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہو گے ہم نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا حضور صلعم نے فرمایا کہ تم آدھے اہل جنت ہو گے ہم نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا اس کے بعد ارشاد ہوا تم تو لوگوں میں ایسے پہنچانے جاؤ گے جیسے سفید بیل کے جسم پر سیاہ بال یا سیاہ بیل کی کھال پر سفید بال پہنچانے جاتے ہیں۔

مرتب: اس حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ آدم علیہ السلام سے قیامت تک کی آبادی میں اہل جنت صرف ۱/۱۰۰۰ حصہ ہوں گے اور ۹۹۹ حصہ جہنمی۔ تو پھر جنت میں یہ تعداد چوتھائی رتہائی یا نصف کس طرح ہو جائیگی خود متضاد ہے۔ غور فرمائیں کہ کیا یہ بات دینی تاریخ میں درست قرار پائیگی اور کیا اس اعتبار سے



ساری دنیا یا جوج ماجوج شمار ہو جائیگی۔ لہذا اسکے مضمون کا اسرائیلی روایت ہونے میں کوئی شک ہی نہیں ہونا چاہیے۔

(۲) ”عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال: لیحجن البیت ولیعتمرن بعد خروج یا جوج ماجوج“ (بخاری: ۱۵۹۳، مسند احمد: ۱۱۲۳۵)

”حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا خروج یا جوج ماجوج کے بعد بھی بیت اللہ کا حج و عمرہ کیا جاتا رہے گا“  
مرتب: اب اس کے ساتھ غور فرمائیں حدیث انہدام بیت اللہ، اور پھر اس حدیث کی حقیقت پر بھی غور فرمائیں۔

(۳) ”عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ ﷺ قال: یفتح یا جوج و ماجوج فیخرجون کما قال اللہ تعالیٰ وہم من کل حدب ینسلون، فیعمون الارض، وینحاز منہم المسلمون، حتی تصیر بقیة المسلمین فی مدائنہم و حصونہم، ویضمون الیہم مواشیہم، حتی انہم لیمرن بالنہر فیشربونہ حتی ما یذرون فیہ شیاً فیمر آخرہم علی اثرہم فیقول قائلہم: لقد کان بہذا المكان مرة ماء ویظہرون علی الارض فیقول قائلہم: ہولاء اهل الارض قد فرغنا منہم، ولنا زلن اهل السماء حتی ان احدہم لیہذ حربتہ الی السماء فترجع منخضبة بالدم، فیقولون: قد قتلنا اهل السماء فیماہم کذلک اذ بعث اللہ دواب کنغف الجراد، فتاخذا اعناقہم فیموتون موت الجراد، یرکب بعضہم بعضا فیصبح المسلمون لا یسمعون لہم حسا، فیقولوننا: من رجل یشری نفسه وینظر ما فعلوا؟ فینزل منہم رجل قد وطن نفسه علی ان یقتلوا، فیجدہم موتی، فینا دیہم: الا ابشروا، فقد ہلک عدوکم، فیخرج الناس وینخلون سبیل مواشیہم فما یكون لہم رعی الا حومہم، فتشکر علیہا کا حسن ماشکرت من نبات اصابته قط“ (ابن ماجہ: ۷۰۸۹)

”حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا جب یا جوج و ماجوج کو کھولا جائے گا اور وہ حسب ارشاد خداوندی ہر بلند مقام سے پھسلتے ہوئے نکلیں گے تو دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر پھیل جائیں گے اور مسلمان ان سے ڈر کر بھاگ جائیں گے اور اپنے مویشیوں کو بھی



اپنے ساتھ ہی قلعوں میں داخل کر لیں گے۔

ایک نہر پر ان کا گزر ہوگا تو وہ سارا پانی پی جائیں گے اور اس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑیں گے، ان کا آخری حصہ جب وہاں سے گزرے گا تو ان میں سے ایک آدمی کہے گا کہ کبھی یہاں بھی پانی ہوتا ہوگا۔

بہر حال! وہ زمین والوں پر غالب آجائیں گے، پھر ان میں سے ایک آدمی کہے گا کہ ان اہل زمین سے تو ہم فارغ ہو گئے اب آسمان والوں کو نیچے اتارتے ہیں چنانچہ ان میں سے ایک اپنا نیزہ آسمان کی طرف گھما کر پھینکے گا جسے خون سے رنگ کر لوٹا دیا جائے گا، وہ لوگ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے اور کہیں گے کہ ہم نے آسمان والوں کو بھی قتل کر دیا، ابھی وہ اسی حال میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کے کیڑے ان پر مسلط فرمادیں گے جو ٹڈی دل کو لگ جاتے ہیں، وہ کیڑے ان کی گردن قابو میں کر لیں گے اور وہاں گلٹیاں نکل آئیں گی اور وہ ٹڈی دل کی طرح اس سے موت کے گھاٹ اتر جائیں گے اور کثرت صورت حال یہ ہوگی کہ ایک، دوسرے کے اوپر سوار ہوگا۔

جب اگلے دن صبح ہوگی اور مسلمان ان کی کوئی آہٹ نہ سنیں گے تو آپس میں کہیں گے کہ کون اپنی جان کی بازی لگا کر یہ دیکھ کر آئے گا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ یہ سن کر ان میں سے ایک آدمی ”جو اس بات کا یقین کر چکا ہوگا کہ یا جوج و ماجوج اسے پکڑ کر قتل کر دیں گے“ نیچے اترے گا تو وہ ان سب کو مردہ حالت میں پائے گا۔

وہ خوشی سے آواز لگائے گا کہ تمہیں خوش خبری ہو کہ تمہارا دشمن اپنے انجام کو پہنچ چکا، یہ سن کر لوگ نیچے اتر آئیں گے اور اپنے جانور چرنے کے لئے چھوڑ دیں گے جن کے چرنے کے لئے یا جوج و ماجوج کا گوشت ہی ہوگا جسے کھا کر وہ خوب صحت مند ہو جائیں گے“

فائدہ:

اس حدیث کا مفہوم تو واضح ہے البتہ چند نکات قابل فکر ہیں۔

(۱) اس حدیث میں یا جوج و ماجوج کا جس نہر پر گزرنا اور اس کا پانی پی جانا بند کرنا ہے بعض

دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بکیرہ طبریہ ہوگا جیسا کہ عنقریب آتا ہے۔

(۲) حدیث کے اس جملہ ”حتیٰ کہ باقی ماندہ مسلمان اپنے شہروں اور قلعوں میں بند ہو جائیں گے“

سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمین شریفین کے مکین بھی اپنے آپ کو شہروں اور قلعوں میں محفوظ کر لیں گے

ظاہر ہے کہ انسان پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ عبادت رب کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے اس لئے



اس امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا کہ اس وقت بھی کم از مقامی لوگ ہی حج و عمرہ کی ادائیگی کریں گے۔  
(۳) یاجوج و ماجوج کی تعداد بہت زیادہ ہوگی۔

یہ پوری حدیث غیر حقیقی ہے اور کوہ طور کا ذکر ہی اسے اسرائیلی روایت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے نیز یہ درایت پر پوری نہیں اترتی۔ کیا مسلمان اتنے کم ہونگے کہ وہ شہروں میں بند ہو جائیں گے اور کیا یاجوج و ماجوج سے شہر بچ جائیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ واضعین حدیث نے ابوسعید کی طرف سے یہ حدیثیں گڑھ دی ہیں۔

حضرت حذیفہ بن اسیدؓ کی روایت:

”عن حذیفہ بن اسید الغفاری قال : اطلع النبی ﷺ علینا و نحن نتذاکر ، فقال : ما تذکرون ؟ قالوا : نذکر الساعة ، قال : انہا لن تقوم حتی ترون قبلہا عشر آیات ، فذکر الدخان ، والدجال ، والدابة ، وطلوع الشمس من مغربہا و نزول عیسیٰ ابن مریم ، ویاجوج و ماجوج ، وثلاثة خسوف : خسف بالمشرق ، و خسف بالمغرب ، و خسف بجزیرة العرب و آخر ذلک نار تخرج من الیمن تطرد الناس الی محشرہم“ (مسلم: ۷۲۸۵: ابوداؤد: ۴۳۱۱، ترمذی: ۲۱۸۳، ابن ماجہ، ۴۰۵۵، مسند احمد: ۱۶۲۴۰)

”حضرت حذیفہ بن اسید الغفاریؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک دن ہمارے پاس تشریف لائے، ہم آپس میں مذاکرہ کر رہے تھے، حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا بات چیت ہو رہی ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں، فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک اس سے پہلے دس بڑی بڑی نشانیاں نہ دیکھ لو، پھر ان کی تفصیل بیان فرمائی۔

۱۔ دھواں ۲۔ دجال ۳۔ دابۃ الارض ۴۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ۵۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام ۶۔ یاجوج و ماجوج اور تین مرتبہ زمین میں دھنسنے کا واقعہ ۷۔ مشرق میں خسف کا واقعہ ۸۔ مغرب میں دھنسنے کا واقعہ ۹۔ جزیرہ عرب میں دھنسنے کا واقعہ ۱۰۔ اور سب سے آخری علامت وہ آگ ہے جو یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو میدان حشر میں جمع کر دیں گی۔  
فائدہ:

یہ روایت مسلم شریف سے نقل کی گئی ہے دوسری کتب حدیث ”جن کا حوالہ دیا گیا ہے“ میں مضمون تو یہی ہے لیکن الفاظ کی تقدیم و تاخیر بھی ہے۔



اس حدیث میں قیامت کی دس بڑی اور اہم علامات بیان فرمائی گئی ہیں جن میں خروج یاجوج و ماجوج بھی شامل ہے۔

مرتب: خروج یاجوج و ماجوج کو نمبر دو اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کو نمبر ایک دیدیکئے حدیث درست ہو جائے گی۔

حضرت نواس بن سمان کی روایت:

”حضرت نواس بن سمان سے (ایک طویل حدیث میں جو خروج و قتل دجال سے متعلق ہے، نبی کریم ﷺ کے حوالے سے) مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی اسی حال میں ہوں گے کہ حق تعالیٰ کا حکم ہوگا، میں اپنے ایسے بندوں کو نکالنے والا ہوں جن سے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں ہے اس لئے آپ مسلمانوں کو جمع کر کے کوہ طور پر لے جائیں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو بھیج دے گا جو ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے محسوس ہوں گے۔

مرتب: (کیا یاجوج و ماجوج کے لئے کوہ طور پر پہنچنا ناممکن ہوگا اور کیا مسلمان اس قدر کم ہوں گے کہ کوہ طور پر سما جائیں گے۔ یہ دونوں باتیں غیر حقیقی محسوس ہوتی ہیں۔

یاجوج و ماجوج کا پہلا گروہ جب بحیرہ طبریہ کے پاس سے گزرے گا تو اس کا سارا پانی پی جائے گا اور آخری گروہ وہاں سے گزرتے ہوئے کہے گا کبھی یہاں بھی پانی ہوتا ہوگا، الغرض! یاجوج و ماجوج کی اس کثرت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کوہ طور پر محصور ہو کر رہ جائیں گے، کھانے پینے کا سامان اتنا کم ہو جائے گا کہ آج کے سو دینار کے مقابلے میں اس دن بیل کی سری بہتر سمجھی جائے گی۔

اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی گردن میں گلٹیاں پیدا کر دے گا اور سب کے سب اس سے ایسے ہو جائیں گے کہ گویا ان کی اتنی تعداد ہی نہ تھی بلکہ یہ کوئی ایک آدمی تھا جو اتنی آسانی سے مر گیا، اس کے بعد اللہ کے نبی عیسیٰ السلام اپنے رفقاء کے ساتھ زمین پر اتر آئیں گے لیکن زمین میں ایک بالشت کے برابر بھی ایسی جگہ نہ پائیں گے جو ان کی لاشوں کے تعفن اور بدبو سے خالی ہو۔

اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے رفقاء کے ساتھ دوبارہ دعا فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ سختی اونٹوں کی گردنوں جیسے پرندوں کو بھیجے گا جو انہیں اٹھا کر وہاں پھینک آئیں گے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایسی بارش برسائے گا جس سے کوئی کچا پکا گھر محروم نہ رہے گا اور ساری زمین



دھل کر شیشے کی طرح صاف ہو جائے گی۔

مرتب: حضرت ابو سعید خذری اور اس روایت میں تضاد ہے وہاں جانوروں کا گوشت کھانے کا ذکر ہے۔

پھر زمین کو حکم دیا جائے گا کہ تو اپنے ثمرات اگا اور اپنی برکات کو واپس لوٹا، چنانچہ اس زمانہ میں ایک انار ایک پوری جماعت کھا سکے گی اور اس کے چھلکے سے لوگ سایہ حاصل کریں گے اسی طرح دودھ میں بڑی برکت ہوگی حتیٰ کہ ایک اونٹنی کا دودھ بہت بڑی جماعت کے لئے، ایک گائے کا دودھ ایک قبیلے کے لئے اور ایک بکری کا دودھ پورے خاندان کے لئے کافی ہوا کرے گا۔

ابھی حالات ایسے ہی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہوا چلائے گا جس سے تحت الابط (بغل کے نیچے) کوئی بیماری ظاہر ہوگی اور ہر مسلمان کی روح قبض کر لی جائے گی اور صرف اشرار رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح برسر عام بدکاری کریں گے ایسے ہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔ (مسلم:

۸۳۸۳، ترمذی: ۲۲۴۰، ابن ماجہ: ۹۰۷۵، مسند احمد: ۱۸۸۸۹)

فائدہ:

اس حدیث سے متعلق چند باتیں قابل وضاحت ہیں۔

۱۔ اس حدیث کے راوی حضرت نو اس بن سمعانؓ پر بہت سے لوگوں نے مختلف نوعیتوں کے اعتراضات وارد کئے ہیں ان کی تفصیل و جواب کے لئے مولف کی کتاب ”فتنہ دجال قرآن و حدیث کی روشنی میں“ ملاحظہ فرمائیے۔

۲۔ مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد کی یہ طویل ترین روایت کا ایک حصہ ہے اس سے قبل حضور اقدس ﷺ نے خروج دجال، فتنہ دجال، قتل دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

۳۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی متعلقہ روایتوں میں اضافہ بھی ہے ”جو مسلم میں نہیں“ کہ یاجوج و ماجوج اپنے خروج کے بعد روئے زمین پر غالب آجائیں گے اور حماقت سے آسمان پر تیر برسائیں گے۔

۴۔ اس حدیث میں یہ بھی معلوم ہوا کہ یاجوج و ماجوج سے مقابلہ انسان کے بس سے باہر ہے، حدیث کی اس وضاحت کو جب قرآن کریم سے ملا کر دیکھا جاتا ہے تو سمجھ میں آتا ہے کہ آخر سد ذوالقرنین تعمیر سے قبل یاجوج و ماجوج کی قتل و غارت گری سے ان کے ہمسائے اتنے تنگ کیوں تھے؟



ظاہر ہے جب ان سے مقابلہ کرنا ان کی طاقت سے خارج تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حفاظت بھی فرماتے ہیں اس لئے بادی النظر میں ذوالقرنین کے ذریعہ یہ خدمت لے لی۔

(۲) ”عن النواس بن سمعان يقول : قال رسول الله ﷺ سئو قد المسلمون

من قسى يا جوج و ماجوج و نشابهم و اترستهم سبع سنين“ (ابن ماجہ: ۹۰۸۶)

”حضرت نواس بن سمعان سے مروی ہے کہ نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا عنقریب مسلمان یا جوج و ماجوج کے تیرکمان اور ڈھال سات سال تک جلائیں گے۔“

مرتب: یہ سب اسرائیلی روایات ہیں اب تیرکمان کا دور کہاں ہیں اور اب لکڑی کب جلائی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت:

(۱) ”عن عبد الله بن مسعود قال : لما كان ليلة اسرى برسول الله ﷺ لقي

ابراهيم و موسى و عيسى ، فتذاكروا الساعة فبدأوا بابراهيم فسالوه عنها فلم

يكن عنده منها علم ، فرد الحديث الى عيسى ابن مريم فقال : قد عهد الى فيما دون

وجبتها ، فاما وجبتها فلا يعلمها الا الله ، فذكر خروج الدجال قال : فانزل فاقتله

فيرجع الناس الى باددهم ، فيستقبلهم يا جوج و ماجوج وهم من كل حدب ينسلون

، فلا يمرون بماء الا شربوه ولا بشى الا افسدوه فيجارون الى الله فادعو الله ان

يميتهم ، فتتن الارض من ريحهم فيجارون الى الله فادعو الله فيرسل اسماء بالماء

، فيحملهم فيلقينهم في البحر ثم تنسف الجبال و تمدا الارض مدا لا ديم فعهد الى

متى كان ذلك كانت الساعة من الناس كالحامل التي لا يدري اهلها متى تفجؤها

بولادها“ (ابن ماجہ: ۴۰۸۱، مسند احمد: ۳۵۵۶)

”حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ شب معراج حضور اقدس ﷺ کی ملاقات

حضرت ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی، باتوں باتوں میں قیامت کا تذکرہ چھڑ گیا، چنانچہ

سب نے مل کر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ان سے قیامت کے وقت کے

بارے میں پوچھا لیکن ان سے اس کا جواب نہ مل سکا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں

نے بھی کوئی جواب نہ دیا، اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رجوع کیا تو وہ فرمانے لگے۔

اللہ نے مجھ سے ایک عہد فرما رکھا ہے لیکن وہ اس کے حتمی وقت سے متعلق نہیں کیونکہ قیامت

کا حتمی علم اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دجال کا تذکرہ فرمایا کہ میں



اتر کر اسے قتل کروں گا اور لوگ اپنے اپنے شہروں کو واپس جا رہے ہونگے کہ سامنے سے یاجوج و ماجوج آتے ہوئے دکھائی دیں گے جو ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے محسوس ہونگے۔

مرتب: یہ حصہ سابقہ حدیث سے متضاد ہے۔

پانی کی جس جگہ سے ان کا گزر ہوگا اسے پی کر ختم کر دیں گے اور جس چیز پر بھی گزریں گے اسے برباد کر دیں گے، لوگ اللہ سے التجائیں کریں گے اور میں بھی اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ ان سے ہمارا پیچھا چھڑا دے (چنانچہ وہ سب مرجائیں گے) اور ان کے گوشت کی بدبو سے زمین متعفن ہو جائے گی، لوگ پھر اللہ سے دعا کریں گے اور میں بھی دعا کروں گا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا اور ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے، پہاڑ دھن دئے جائیں گے اور زمین چمڑے کی طرح پھیلا دی جائے گی۔

میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے کہ جب یہ واقعہ ہو جائے گا تو لوگوں پر قیامت آنے کی مثال اس حاملہ کی سی ہوگی جس کے گھر والوں کو کچھ معلوم نہیں کہ کب اچانک اس کے یہاں ولادت ہو جائے گی؟ (یہ پوری روایت اسرائیلی ہے اور متضاد الوقت ہے)

(۲) ”عن عبد اللہ بن مسعود انه ذکر خروج الدجال و نزول عیسیٰ ابن مریم وقتله الدجال ، قال : ثم یخرج یاجوج و ماجوج فیموجون فی الارض فیفسدوا فیها قال : ثم قرا عبد اللہ و ہم من کل حدب ینسلون قال : فیعث اللہ علیہم دابة مثل هذا النغف فتلج فی اسماعہم و مناخرہم ، فیموتون منها ، ففتن الارض منهم تفجار الی اللہ فیطہر اللہ الارض منهم“ (الفتن: ۳۵۲)

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ خروج دجال، نزول عیسیٰ علیہ السلام اور قتل دجال کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمانے لگے کہ پھر یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا اور وہ زمین میں سمندر کی موجوں کی طرح پھیل کر فساد پھا کر دیں گے اس کے بعد انہوں نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی ”وہم من کل حدب ینسلون“ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان پر ایک کیڑا مسلط فرما دیں گے جو ان کے کانوں اور ناک کے نتھنوں میں گھس جائے گا اور وہ سب مرجائیں گے، ان کی بدبو سے زمین میں تعفن پیدا ہو جائے گا، اسے دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ ان کی لاشوں سے زمین کو پاک صاف کر دیں گے۔

نوٹ مرتب: یہ سابقہ احادیث سے متضاد ہے۔



قائدہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں اور صحابہ کرام کے بارے میں یہ اصول اور ضابطہ ہے کہ اگر وہ کوئی ایسی بات بیان کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی ذکر نہ کریں جو انسان اپنی عقل کی مدد سے معلوم کرنا چاہے اور وہ معلوم نہ ہو سکے تو سمجھا جائے گا کہ یہ صحابی کی اپنی بات نہیں بلکہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور نقل کر دیا ہے اس اعتبار سے اگرچہ اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی مذکور نہیں لیکن اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فرمان سمجھا جائے گا۔

(۳) ”عن ابن مسعود مرفوعاً: ان ياجوج و ماجوج اقل ما يتوك احدهم من صلبه القامن الذرية“۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۵۲ بحوالہ صحیح ابن حبان)

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ یاجوج ماجوج میں سے ہر آدمی اپنے پیچھے اپنی اولاد میں کم از کم ایک ہزار افراد چھوڑ کر جاتا ہے۔“  
مرتب: اس کا مطلب یہ ہے کہ یاجوج ماجوج آج بھی موجود ہیں مزید براں یہ امر خلاف حقیقت ہے کسی ایک نسل میں آبادی کی تعداد چند سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔

قائدہ:

علامہ آلوسی نے یہ روایت صحیح ابن حبان کے حوالے سے اپنی تفسیر میں نقل فرمائی ہے اور اس سے ان کا مقصد یاجوج ماجوج کی کثرت تعداد کی طرف اشارہ کرنا ہے جس کی فی الجملہ تائید قرآن کریم اور دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت:

”عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: امتی امة مرحومة لا عذاب علیہا فی الآخرة، عذاب بھانی الدنیا الذلازل والبلاء فاذا کان یوم القیمة اعطی اللہ کل رجل من امتی رجلاً من الکفار من یاجوج و ماجوج، فیقال: هذا فداؤک من النار، فقال رجل: یا رسول اللہ اقاين القصاص؟ فسکت“ (الفتن ص ۳۵۳ و صحیح الالبانی)

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت، امت مرحومہ ہے، اس پر آخرت میں کوئی عذاب نہ ہوگا، اس کا عذاب دنیا میں زلزلوں اور مصائب کی صورت میں ہو جاتا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ میری امت کے ہر آدمی کو یاجوج ماجوج



میں اسے ایک کافر دیکر فرمائیں گے کہ یہ تیرا جہنم سے بچاؤ کافد یہ ہے، ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر قصاص کہاں جائے گا؟ لیکن حضور ﷺ نے اس کا کوئی جواب دینے کی بجائے سکوت اختیار فرمایا۔“

مرتب: یہ حدیث مبہم ہے اور پہلی سے متضاد ہے۔ مسلمان تو یا جوج ماجوج کی موت کے بعد ہی کوہ طور سے نازل ہونگے تو اس طرح تو مسلمانوں اور یا جوج ماجوج کی تعداد برابر ہو جائیگی۔  
فائدہ:

امت مسلمہ ”جسے امت محمدیہ علی صاحبھا الوف صلوات و تحیات ہونے کا شرف حاصل ہے“ کے لئے یہ کتنے بڑے اعزاز کی بات ہے کہ خالق کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کی خاطر ان کی امت سے آخرت کے عذاب کو ٹال دیا، لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اب ہم بالکل آزاد ہیں، ہمیں عبادات، اخلاقیات، معاشرات و عقائدہ کے سلسلے میں کھلی چھٹی ہے بلکہ اس نعمت کا شکر یہ ادا کرنے کے لیے تو اور زیادہ اللہ کی مان کر اپنی زندگی کو گزارنا چاہئے تاکہ اس کے انعامات میں مزید اضافہ ہو۔  
حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت:

”عن وھب قال: سمعت عبداللہ بن عمرو بن العاص یذکر یا جوج ماجوج فقال: ما یموت الرجل منھم حتی یولد من صلبہ الف، وان من ورائھم لثلاث امم ما یعلم عدھم الا اللہ: منک، و تاویل، و تارلیس“ (الفتن ص ۲۵۲)

”وہب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو یا جوج ماجوج کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے کہ ان میں سے کوئی بھی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اس کی صلب سے ہزار افراد پیدا نہ ہو جائیں اور ان کے علاوہ بھی انکی تین قومیں ہیں جن کی تعداد اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ان کے نام منک، تاویل اور تارلیس ہیں“  
فائدہ:

بظاہر یہ روایت اسرائیلیات میں سے معلوم ہوتی ہے اور اگر اس کے لئے مولف کے پاس صرف الفتن کا حوالہ ہوتا تو وہ شاید اس روایت کو اوراق کتاب میں محفوظ کرنے پر کبھی راضی نہ ہوتا لیکن اسے اپنی رائے اس وقت بدلتی پڑی جب اس کے مزید شواہد حوالہ جات بھی مل گئے، چنانچہ اس روایت کو حاکم نے مستدرک ۵۴۵/۲، طبرانی نے معجم اوسط ۱۲۶۷/۸ ابن حبان نے اپنی صحیح ۱۲۴۱۵ اور پیشی نے موارد النظم ان ۱۰۷/۱ میں بھی روایت کیا ہے جس سے اس کا مضمون قابل اعتماد ہو جاتا ہے۔



## حضرت اسلم کی روایت:

”عن زید بن اسلم عن ابيه قال: ان رسول الله ﷺ قال: ان ياجوج وماجوج حين يخرجون، يخرج اوتهم بالبحيرة، بحيرة طبرية فيشربونها، ثم ياتي آخرهم عليها فيقولون: كانه كان ههنا مرة ماء، فاذا غلبوا على الارض قالوا: قد غلبنا على الارض تعالوا نقاتل احل السماء فقالوا: يا رسول الله سبحا يقال لها: العنان وكذلك اسمه عند الله فيرمونه بباهم، فسقط بناهم مختصة وما فيقولون: قد قتلنا الله، والله قاتلهم، فيمكثوا ماشاء الله فيجى الله تعالى الى السحاب فتمطر عليهم دودا كالنصف نغف الابل، تخرج منها فتأخذ كل واحدة في عنق واحد منهم فتقتله فيبناهم على ذلك اذ قال رجل من المسلمين: افتحو الى الباب اخرج النظر ما فعلوا اعداء لعل الله يكون قدا هلكهم، فخرج فاذا جاءهم ولجدهم قيا ماموتى بعضهم على بعض، فحمد الله وينادى الى اصحابه: ان الله قد اهلكهم، فبعث الله مطرا فيغسل الارض منهم، قال: فيستوقد المسلمون بقسيهم ونيهم كذا كذا سنة، وتاكل مواشى المسلمين من جيفهم تقسم عليهم وتكبر“ (الفتن ص ۳۲۷، ۳۲۸)

”زيد بن اسلم اپنے والد حضرت سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا جب یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا تو ان کا پہلا حصہ بحیرہ طبریہ پر گزرے گا اور اس کا سارا پانی پی جائے گا، اس کے بعد ان کا آخری حصہ وہاں سے گزرے گا تو وہ لوگ کہیں گے کہ لگتا ہے کبھی یہاں بھی پانی ہوتا ہوگا، بہر حال! جب وہ زمین پر غالب آجائیں گے تو کہیں گے کہ زمین پر تو ہم غالب آچکے، اب آؤ! آسمان والوں سے لڑتے ہیں صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس وقت مسلمان کہاں ہوں گے؟ فرمایا وہ قلعوں میں بند ہوں گے۔

الغرض! اس وقت اللہ تعالیٰ ”عنان“ نامی ایک بادل کو بھیجیں گے، یاجوج ماجوج اس پر تیر برسائیں گے جو خون آلودہ ہو کر ان کی طرف واپس لوٹ آئیں گے، یہ دیکھ کر وہ کہیں گے کہ (العیاذ باللہ) ہم نے اللہ کو ختم کر دیا حالانکہ اللہ انہیں قتل کرنے والا ہوگا۔

یہ لوگ اسی حال پر مشیت الہی کے مطابق رہتے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ بادل کو حکم دیں گے جس سے ان پر کیڑوں کی بارش ہوگی، وہ کیڑے ان میں سے ہر ایک کی گردن سے چپک جائیں گے اور یاجوج ماجوج کو ختم کر کے ہی دم لیں گے۔

یہاں ان کے ساتھ یہ ہو رہا ہوگا اور ادھر ایک مسلمان کہے گا کہ دروازہ کھولو، میں دیکھ کر آتا ہوں کہ ان دشمنان خدا کا کیا بنا؟ شاید اللہ نے انہیں تباہ کر دیا ہو چنانچہ جب وہ نکلے گا تو وہ سب اسے مرے ہوئے ملیں گے، کچھ کھڑے کھڑے ہی مر گئے ہوں گے اور کچھ ایک دوسرے پر پڑے ہوں گے،



وہ مسلمان یہ دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرے گا اور اپنے رفقاء کو آواز دے گا کہ اللہ نے انہیں تباہ کر دیا۔  
 پھر اللہ تعالیٰ بارش برسائیں گے جس سے زمین دھل جائے گی اور مسلمان ان کے تیر و کمان  
 اتنے اتنے سال تک جلاتے رہیں گے اور ان کے جانور یا جوج ماجوج کی لاشیں نوچتے پھریں گے جس  
 سے وہ بھی خوب صحت مند اور موٹے تازہ ہو جائے گے“  
 حضرت قتادہ کی روایت:

”عن قتادہ قال: قال رجل: يا رسول الله! قد رايت ردم يا جوج ماجوج وان الناس يكذبون،  
 قال النبي ﷺ: كيف رايتہ؟ قال: رايتہ كالبرد الخمر، قال: صدقت والذي نفسي بيده لقد رايتہ ردمه،  
 لبنة من ذهب ولبنة من رصاص“ (الفتن ص ۳۲۸)

”حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے  
 یا جوج ماجوج کی دیوار دیکھی ہے لیکن لوگ میری تکذیب کر رہے ہیں، نبی ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تم  
 نے اس دیوار میں کیا چیز دیکھی؟ عرض کیا جیسے دھاری دار چادر ہوتی ہے وہ بھی اسی طرح ہے، فرمایا تو سچ  
 کہتا ہے اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے تو نے اسے یقیناً دیکھا ہے، محسوس ایسا ہوتا  
 ہے جیسے اس کی اینٹ سونے کی ہو اور دوسری سیسے کی“ (الفتن ص ۳۲۸)  
 فائدہ:

بخاری شریف کی کتاب احادیث الانبیاء میں بھی یہی روایت تعلیقاً مروی ہے اس لئے فی  
 الجملہ اس سے اس کی تائید ہو جاتی ہے لہذا اس پر اعتماد کیا جاسکے اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دور سے وہ  
 دیوار سونے کی طرح چمکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔  
 خلاصہ احادیث:

فتنہ یا جوج ماجوج سے متعلق آپ نے گیارہ صحابہ کرام کی سترہ روایات ملاحظہ فرمائیں، جن  
 میں بہت سی باتیں مشترک بھی ہیں اور بہت سی باتیں نئی بھی ہیں، آخر میں تمام احادیث مبارکہ کا خلاصہ  
 پیش کیا جا رہا ہے تاکہ اس ذہن میں محفوظ کرنا اور رکھنا آسان ہو جائے۔

۱۔ یا جوج ماجوج کا تعلق نسل انسانی ہی سے ہے اور ان کا سلسلہ نسب یافث بن نوح کے واسطے  
 سے حضرت نوح علیہ السلام سے جا ملتا ہے اس سلسلے میں بعض حضرات نے اگرچہ یہ قول اختیار کیا ہے  
 کہ یا جوج ماجوج نسل آدم ہی میں سے ہیں، لیکن ان کا سلسلہ نسب صرف حضرت آدم علیہ السلام سے  
 جڑتا ہے، یہ حضرت جواء کی اولاد نہیں اور وہ اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت آدم



علیہ السلام سوئے ہوئے تھے، خواب میں احتلام ہو گیا اور آب حیات کے قطرے کچی مٹی میں مل گئے وہیں سے یا جوج ماجوج کا خمیرہ اٹھا لیکن یہ انتہائی بیہودہ بات ہے جس کا محققین کی نظر میں کوئی مقام نہیں کیونکہ یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام "احتلام" سے محفوظ ہوتے ہیں۔

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کی دعاء کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی گردن میں گاٹیاں پیدا فرمادیں گے اور اس کی وجہ وہ کیڑا ہوگا جو ان پر مسلط کر دیا جائے گا اور اس طرح وہ سب کے سب ایک بیک تباہ ہو جائیں گے۔

۳۔ یا جوج ماجوج کا انجام جہنم کے سوا کچھ نہیں۔

۴۔ انکی لاشوں سے زمین پٹ جائے گی اور تعفن اتنا زیادہ ہوگا کہ دو گھڑی گزارنا دو بھر ہو جائے گا۔

۵۔ خروج یا جوج ماجوج کے وقت ایک آدمی اپنی جان کی بازی لگا کر پہاڑ سے نیچے اترے گا اور ان سے کو مردہ پا کر بہت خوش ہوگا، اللہ کا شکر ادا کر کے اپنے رفقاء کو بھی یہ خوش خبری سنائے گا۔

۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کی دعاء پر اللہ تعالیٰ بڑے بڑے پرندوں کو بھیج کر ان کی لاشیں اٹھا کر ایک دریا میں پھینک دیں گے۔

۷۔ موسلا دھار بارش برساکر زمین کو دھو کر صاف کر دیا جائے گا۔

۸۔ یا جوج ماجوج کے بعد حج و عمرہ کی ادائیگی جاری رہے گی۔

۹۔ یا جوج ماجوج کا گوشت نوج نوج کر جانور بھی خوب فر بہ اور صحت مند ہو جائیں گے۔

۱۰۔ یا جوج ماجوج کے اپنے انجام تک پہنچنے کے بعد خوب برکات کا دور دورہ ہوگا۔

۱۱۔ یا جوج ماجوج کے تیرکمان اور ان کی ڈھالیں مسلمان سات سال تک ایندھن کے طور پر استعمال کرتے رہیں گے۔

۱۲۔ خروج یا جوج ماجوج کے بعد قیامت کا وقت بہت قریب آجائے گا۔

۱۳۔ یا جوج ماجوج امت مسلمہ کے فدیے کے طور پر جہنم کا حصہ بنیں گے۔

۱۴۔ خروج یا جوج ماجوج کے کچھ عرصہ بعد ایک خوشگوار ہوا کے ذریعے ہر مسلمان کی روح قبض کر لی جائے گی اور بدکار لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔

یہ خلاصہ ہی بتا رہا ہے کہ یہ احادیث نہیں ہیں اسرائیلی روایات میں جن کو واضعین حدیث نے ثقہ روایات کے نام پر حدیث بنا دیا ہے۔



اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہرقتہ، آزمائش اور مصیبت سے محفوظ فرمائے، ایمان پر خاتمہ اور جنت میں بلا حساب داخلہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

## ذوالقرنین از ترجمان القرآن مولانا ابوالکلام آزاد

ترجمہ: اے پیغمبر تم سے ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں۔

تم کہہ دو: میں اس کا کچھ حال تمہیں (کلام الہی میں) پڑھ کر سنا دیتا ہوں۔ ۸۳۔

ہم نے اسے زمین پر حکمرانی دی تھی، نیز اس کے لیے ہر طرح کا سامان مہیا کر دیا تھا۔ ۸۴۔  
تو (دیکھو!) اس نے (پہلے ایک مہم کے لیے) ساز و سامان کیا (اور پچھم کی طرف نکل کھڑا

ہوا۔ ۸۵۔

یہاں تک کہ (چلتے چلتے) سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچ گیا۔ وہاں اسے سورج ایسا دکھائی  
دیا جیسے ایک سیاہ دلدل کی جھیل میں ڈوب جاتا ہے اور اس کے قریب ایک گروہ کو بھی آباد پایا۔ ہم نے  
کہا: اے ذوالقرنین! (اب یہ لوگ تیرے اختیار میں ہیں) تو چاہے انہیں عذاب میں ڈالے  
چاہے، اچھا سلوک کر کے اچھا بنا لے۔ ۸۶۔

ذوالقرنین نے کہا: (ہم نا انصافی کرنے والے نہیں) جو سرکشی کریگا اسے ضرور سزا  
دیں گے، پھر اسے اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے۔ وہ (بد اعمالوں کو) سخت عذاب میں مبتلا  
کریگا۔ ۸۷۔

اور جو ایمان لائے گا اور اچھے کام کریگا تو اس کے بدلے اسے بھلائی ملے گی اور ہم اسے ایسی  
ہی باتوں کا حکم دیں گے جس میں اس کے لیے آسانی و راحت ہو۔ ۸۸۔

اس کے بعد پھر اس نے تیاری کی (اور پورب کی طرف نکلا)۔ ۸۹۔

یہاں تک کہ سورج نکلنے کی آخری حد تک پہنچ گیا اس نے دیکھا کہ سورج ایک گروہ پر نکلا ہے  
جس سے ہم نے ان کے لیے کوئی آڑ نہیں رکھی ہے۔ ۹۰۔

ان کی حالت ایسی ہی تھی۔ اور جو کچھ ذوالقرنین کے پاس تھا اس کی ہمیں پوری پوری خبر

ہے۔ ۹۱۔



اس نے پھر ساز و سامان تیار کیا یہاں تک کہ دو (پھاڑوں کی) دیواروں کے درمیان پہنچ گیا وہاں اس نے دیکھا اس طرف ایک قوم آباد ہے جس سے بات کہی جائے تو بالکل نہیں سمجھتی ۹۳۔

اس قوم نے (اپنی زبان میں) کہا: اے ذوالقرنین! یا جوج اور ماجوج اس ملک میں آکر لوٹ مار کرتے ہیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک روک بنا دیں اور اس غرض سے ہم آپ کے لیے کچھ خراج مقرر کر دیں؟ ۹۴۔

ذوالقرنین نے کہا: میرے پروردگار نے جو کچھ میرے قبضے میں دے رکھا ہے وہی میرے لیے بہتر ہے (تمہارے خراج کا محتاج نہیں)، مگر تم اپنی قوت سے (اس کام میں) میری مدد کرو، میں تمہارے اور یا جوج و ماجوج کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دوں گا ۹۵۔

(اس کے بعد اس نے حکم دیا:) لوہے کی سلیں میرے لیے مہیا کرو، پھر جب (تمام سامان مہیا ہو گیا اور) دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار اٹھا کر ان کے برابر بلند کر دی تو حکم دیا: (بھٹیاں سلگاؤ اور) دھونکو، پھر جب (اس قدر دھونکا گیا کہ) بالکل آگ (کی طرح لال) ہو گئی تو کہا: گلا ہوا تانبالاؤ، اس پر انڈیل دیں ۹۶۔

چنانچہ (اس طرح ایک ایسی سد بن گئی کہ) یا جوج اور ماجوج نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے، نہ اس میں سرنگ لگا سکتے تھے ۹۷۔

تشریح: ۸۳ تا ۹۷۔ اہل کتاب سے معلومات حاصل کر کے لوگوں نے بعض سوالات کیے تھے، انہیں میں ایک سوال ذوالقرنین کی نسبت تھا۔ یہاں اس کا جواب دیا ہے۔

فرمایا: ہم نے اسے زمیں میں حکم رانی دی تھی اور فتوحات کے سارے ساز و سامان مہیا کر دیے تھے۔

پھر اسکی تین مہموں کا ذکر کیا ہے:-

(۱) وہ پچھم کی طرف بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک ایسے سمندر کے کنارے پہنچ گیا جس کا پانی کیچڑ سے ملا ہوا! گدلا تھا اور معلوم ہوتا تھا روز سورج اسی پانی میں ڈوب جاتا ہے، کیوں کہ حدنگاہ تک خشکی دکھائی نہیں دیتی تھی۔

(ب) پھر وہ پورب کی طرف چلا، یہاں تک کہ وحشی قبائل کی ٹولیاں اسے ملیں۔ وہ کھلے میدانوں میں زندگی بسر کرتے تھے۔



(ج) پھر وہ نکلا اور ایسی جگہ پہنچا جہاں دو پہاڑوں نے دو دیواروں کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یا جوج اور ماجوج اسی راہ سے آتے تھے اور اس طرف کی بستیوں میں لوٹ مار کرتے تھے۔ وہاں کے باشندوں کی استدعا پر اس نے وہاں ایک دیوار بنا دی جس کی وجہ سے حملہ آوروں کا راستہ بند ہو گیا۔ ترجمہ: ذوالقرنین نے (تکمیل کار کے بعد) کہا یہ (جو کچھ ہوا تو فی الحقیقت) میرے پروردگار کی مہربانی ہے۔ جب میرے پروردگار کی فرمائی ہوئی بات ظہور میں آئے گی تو اسے ڈھا کر ریزہ ریزہ کر دیگا (مگر اس سے پہلے کوئی اسے ڈھا نہیں سکتا) اور میرے پروردگار کی فرمائی ہوئی بات سچ ہے، ٹلنے والی نہیں! ۹۸

۹۸ تا ۱۰۱۔ جب دیوار تیار ہو گئی تو ذوالقرنین نے کہا: یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ ایسا عظیم ا نشان کام میرے ہاتھوں انجام پا گیا۔ اب اسے کوئی ڈھا نہیں سکتا۔ ہاں! جب وہ مقررہ وقت آئے گا جس کی اللہ نے خبر دے دی ہے تو بلاشبہ یہ ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائے گی اور یہاں ہر چیز کو بالآخر فنا ہونا ہے!

تشریح: ذوالقرنین کے اس قول پر اس کی سرگزشت ختم ہو گئی۔ اب آیت ۹۹ میں فرمایا: مقررہ وقت آئیگا تو یہ تو میں نکلیں گی اور سمندر کی موجوں کی طرح ایک دوسرے پر آپڑیں گی۔ پھر ایک وقت آئے گا جب سب کو اکٹھا ہو جانا ہے اور اس وقت منکرین حق دیکھ لیں گے دوزخ ان کے سامنے ہے! جب لوگوں کو جمع کرنا مقصود ہوتا ہے تو نرسنگا پھونکا جاتا ہے اور اسکی آواز سنتے ہی ہر گوشے سے سب لوگ نکل آتے ہیں۔ فرمایا: ایک ایسی ہی بات اس دن بھی ہونے والی ہے۔ نرسنگا پھونکا جائے گا کہ سب اکٹھے ہو جائیں!

(۳) اس سورت میں تیسرا واقعہ جو بیان کیا گیا ہے وہ ذوالقرنین کا ہے، کیوں کہ لوگوں نے اس بارے میں سوال کیا تھا۔ تمام مفسرین متفق ہیں کہ سوال یہودیوں کی جانب سے تھا، اگرچہ غالباً مشرکین مکہ کی زبانی ہوا، کیوں کہ سورت مکی ہے۔

(۱) قرآن نے ذوالقرنین کی نسبت جو کچھ بیان کیا ہے اس بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل امور سامنے آجاتے ہیں:

اولاً، جس شخصیت کی نسبت پوچھا گیا ہے وہ یہودیوں میں ذوالقرنین کے نام سے مشہور



تھی، یعنی ذوالقرنین کا لقب خود قرآن نے تجویز نہیں کیا ہے، پوچھنے والوں کا مجوزہ ہے، کیوں کہ فرمایا "و یسئلونک عن ذی القرنین"۔

ثانیاً، اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسے حکمرانی عطا فرمائی تھی اور ہر طرح کا ساز و سامان جو ایک حکمران کے لیے ہوسکتا تھا، اس کے لیے فراہم ہو گیا تھا۔

ثالثاً، اس کی بڑی مہمیں تین تھیں: پہلے مغربی ممالک فتح کیے، پھر مشرقی، پھر ایک ایسے مقام تک فتح کرتا ہوا چلا گیا جہاں پہاڑی درہ تھا اور اس کی دوسری طرف سے یاجوج و ماجوج آکر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔

رابعاً، اس نے وہاں ایک نہایت محکم سد تعمیر کر دی اور یاجوج و ماجوج کی راہ بند ہو گئی۔  
خامساً، وہ ایک عادل حکمران تھا، جب وہ مغرب کی طرف فتح کرتا ہوا دور تک چلا گیا تو ایک قوم ملی جس نے خیال کیا کہ دنیا کے تمام بادشاہوں کی طرح ذوالقرنین بھی ظلم و تشدد کرے گا۔ لیکن ذوالقرنین نے اعلان کیا کہ بے گناہوں کے لیے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ جو لوگ نیک عملی کی راہ چلیں گے ان کے لیے ویسا ہی اجر بھی ہوگا۔ البتہ ڈرنا نہیں چاہیے جو جرم و بد عملی کا ارتکاب کرتے ہیں۔  
سادساً، وہ خدا پرست اور راست باز انسان تھا اور آخرت کی زندگی پر یقین رکھتا تھا۔

سابعاً، وہ نفس پرست بادشاہوں کی طرح طامع اور حریص نہ تھا۔ جب ایک قوم نے کہا: یاجوج اور ماجوج ہم پر حملہ آور ہوتے ہیں، آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک سد تعمیر کر دیں، ہم خراج دیں گے تو اس نے کہا: "ما مکنی فیہ ربی خیر" جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا ہے وہی میرے لیے بہتر ہے، میں تمہارے خراج کا طامع نہیں، یعنی میں خراج کی طمع سے یہ کام نہیں کروں گا، اپنا فرض سمجھ کر انجام دوں گا۔

تاریخ قدیم کی جس شخصیت میں یہ تمام اوصاف و اعمال پائے جائیں وہی ذوالقرنین ہوسکتا ہے۔  
سوال یہ ہے کہ یہ کون شخص تھا؟

سب سے پہلا حل طلب مسئلہ جو مفسرین کے سامنے آیا وہ اس کے لقب کا تھا۔ عربی میں بھی اور عبرانی میں بھی۔ "قرن" کے صاف معنی سینگ کے ہیں۔ پس "ذوالقرنین" کا مطلب ہوا دو سینگوں والا۔ لیکن چوں کہ تاریخ میں کسی ایسے بادشاہ کا سراغ نہیں ملا جس کا ایسا لقب رہا ہو، اس لیے مجبوراً "قرن" کے معنی میں طرح طرح کے تکلفات کرنے پڑے۔ پھر چوں کہ فتوحات کی وسعت اور



مغرب و مترق کی حکمرانی کے لحاظ سے سکندر مقدونی کی شخصیت سب سے زیادہ مشہور رہی ہے، اس لیے متاخرین کی نظریں اسی کی طرف اٹھ گئیں، چنانچہ امام رازی نے سکندر ہی کو "ذوالقرنین" قرار دیا ہے اور اگرچہ عادت وہ تمام اعتراضات نقل کر دیے ہیں جو اس تفسیر پر وارد ہوتے ہیں، لیکن پھر حسب عادت ان کے بے محل جوابات پر مطمئن بھی ہو گئے ہیں، حالانکہ کسی اعتبار سے بھی قرآن کا "ذوالقرنین" سکندر مقدونی نہیں ہو سکتا۔ نہ تو وہ خدا پرست تھا، نہ عادل تھا، نہ مفتوح قوموں کے لیے فیاض تھا اور نہ ہی اس نے کوئی سد بنائی۔

بہر حال مفسرین ذوالقرنین کی شخصیت کا سراغ نہ لگا سکے۔

اگر ذوالقرنین کے مفہوم کا کوئی سراغ ملتا تھا تو وہ صرف ایک دور کا اشارہ تھا جو حضرت دانیال کی کتاب میں ملتا ہے، یعنی ایک خواب جسکی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے بابل کی اسیری کے زمانے میں دیکھا تھا (دانیال - ۸: ۱ تا ۱۰)۔

بابل کی اسیری کا زمانہ یہودیوں کے لیے نہایت مایوسی کا زمانہ تھا۔ ان کی قومیت پامال ہو چکی تھی، ان کا ہیكل منہدم ہو چکا تھا، ان کے شہر اجاڑ تھے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ اس ہلاکت کے بعد ان کی زندگی کا کیا سامان ہو سکتا ہے۔ اسی زمانے میں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت دانیال نبی کا ظہور ہوا جو اپنے علم و حکمت کی وجہ سے شاہان بابل کے دربار میں نہایت مقرب ہو گئے تھے۔ انھیں کی نسبت تورات میں بیان کیا گیا ہے کہ بیل شازار (Belshazzar) شاہ بابل کی سلطنت کے تیسرے برس انھوں نے ایک خواب دیکھا تھا اور اس خواب میں انھیں آنے والے واقعات کی بشارت دی گئی تھی۔

چنانچہ کتاب دانیال میں ہے: میں کیا دیکھتا ہوں کہ ندی کے کنارے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں۔ دونوں سینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا اور بڑا دوسرے کے پیچھے تھا۔ میں نے دیکھا کہ پچھم، اتر اور دکن کی طرف وہ سینگ مارتا ہے، یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ رہ سکا اور وہ بہت بڑا ہو گیا۔ میں یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ دیکھو! پچھم کی طرف سے ایک بکرا آ کر تمام روئے زمین پر پھر گیا۔ اس بکرے کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک عجیب طرح کا سینگ تھا۔ وہ دو سینگ والے مینڈھے کے پاس آیا اور اس پہ غضب سے بھڑکا اور اس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور مینڈھے کو قوت نہ تھی کہ اس کا مقابلہ کرے (دانیال ۱: ۸)۔ پھر اس کے بعد ہے کہ جبریل نمایاں ہوا اور اس نے اس خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ دو سینگوں والا مینڈھا مادہ اور فارس کی بادشاہت ہے



اور بال والا بکر یونان کی۔ جو بڑا سینگ اس کی آنکھوں کے درمیان دکھائی دیا ہے وہ اس کا پہلا بادشاہ ہوگا (۸:۱۰)

اس بیان سے معلوم ہوا کہ مادہ (میڈیا - Media) اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی تھی اور چونکہ یہ دونوں مملکتیں مل کر ایک شہنشاہی بننے والی تھیں، اس لیے شہنشاہ مادہ و فارس کو دو سینگوں والے مینڈھے کی شکل میں ظاہر کیا گیا۔ پھر اس مینڈھے کو جس نے شکست دی، وہ یونان کے بکرے کا پہلا سینگ تھا، یعنی سکندر مقدونی تھا، جس نے فارس پر حملہ کیا اور کیانی شہنشاہی کا خاتمہ ہو گیا۔

اس خواب میں بنی اسرائیل کے لیے بشارت یہ تھی کہ انکی آزادی و خوش حالی کا نیا دور اسی دو سینگوں والی شہنشاہی کے ظہور سے وابستہ تھا۔ یعنی شہنشاہ فارس بابل پر حملہ کر کے فتح مند ہونے والا تھا اور پھر اسی کے ذریعے بیت المقدس کی از سر نو تعمیر اور یہودی قومیت کی دوبارہ شیرازہ بندی ہونے والی تھی۔ چنانچہ چند برسوں کے بعد سائرس (Cyrus) کا ظہور ہوا۔ اس نے میڈیا اور فارس کی مملکتیں ملا کر ایک عظیم الشان شہنشاہی قائم کر دی اور پھر بابل کو بھی مسخر کر لیا۔

چونکہ اس خواب میں میڈیا اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی تھی، اس لیے خیال ہوتا تھا کہ عجب نہیں فارس کے شہنشاہ کے لیے یہودیوں میں ذوالقرنین کا تخیل پیدا ہو گیا ہو، یعنی دو سینگوں والی شہنشاہی، اور وہ اسے اس لقب سے پکارتے ہوں۔ تاہم یہ محض ایک قیاس تھا، اس کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت موجود نہ تھی۔

لیکن اب سنہ ۱۸۳۸ء کے ایک انکشاف نے جس کے نتائج بہت عرصے کے بعد منظر عام پر آئے، اس قیاس کو ایک تاریخی حقیقت ثابت کر دیا اور معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت شہنشاہ سائرس کا لقب ذوالقرنین تھا اور یہ محض یہودیوں کا کوئی مذہبی تخیل نہ تھا بلکہ خود سائرس کا یا باشندگان فارس کا مجوزہ اور پسندیدہ نام تھا۔

اس انکشاف نے شک و تخمین کے تمام پردے اٹھا دیے۔ یہ خود سائرس کی ایک سنگی تمثال ہے جو اصطخر (Pasargadae) کے کھنڈروں میں دستیاب ہوئی۔ اس میں سائرس کا جسم اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس کے دونوں طرف عقاب کی طرح پر نکلے ہوئے ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو



سینگ ہیں۔ اوپر خط منحنی میں جو کتبہ کندہ ہے۔ وہ اس کے لیے کافی ہے کہ تمثال کی شخصیت واضح ہو جائے (۲۳)۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ مادہ اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دینے کا تخیل ایک مقبول اور عام تخیل تھا اور یقیناً سائرس کو ذوالقرنین کے لقب سے پکارا جاتا تھا (۲۵)۔

(ب) اس حقیقت کی وضاحت کے بعد جب سائرس کے ان حالات پر نظر ڈالی جاتی ہے جو یونانی مؤرخوں کی زبانی ہم تک پہنچے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے بیان کی ہو بہو تصویر ہے اور دونوں بیان اس درجہ باہم مطابقت رکھتے ہیں کہ ممکن نہیں کسی دوسری شخصیت کا وہم و گمان کیا جاسکے۔

زمانہ حال کے محققین نے فارس کی تاریخ کو تین عہدوں میں تقسیم کیا ہے: پہلا عہد حملہ اسکندر سے پہلے کا ہے۔ دوسرا پارٹھوی یا ملوک الطوائف کا۔ تیسرا ساسانی سلاطین کا۔ فارسی شہنشاہی کی عظمت کا اصلی عہد وہی ہے جو حملہ اسکندر سے پہلے گذرا اور جس کی تاریخ سائرس کے ظہور سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن بد قسمتی سے اس عہد کے حالات معلوم کرنے کے براہ راست ذرائع مقفود ہو گئے ہیں (۲۶)۔ جس قدر بھی حالات روشنی میں آئے ہیں، تمام تر یونانی تحریروں سے ماخوذ ہیں۔ ان میں زیادہ معتمد تین مؤرخ ہیں: ہیرودوٹس (Herodotus)، ٹی سیاز (Ctesies) اور زینو فن (Xenophon)۔

فتح ایران کے بعد جب عرب مؤرخین نے ایران کی تاریخ مرتب کرنی چاہی تو انہیں جس قدر مواد ہاتھ آیا، وہ تمام تر پارسیوں کی قومی روایات پر مشتمل تھا۔ ان روایات میں حملہ اسکندر سے پہلے کا زمانہ اسی طرح کے قومی افسانوں کی نوعیت رکھتا ہے جس طرح ہندوستان میں پرانوں کے افسانے مہا بھارت اور رامائن کے قصے ہیں۔ البتہ پچھلے دو عہدوں کی روایتیں تاریخی بنیادوں پر مبنی تھیں۔ جب دقیقہ اور فردوسی نے شاہنامہ نظم کرنا چاہا تو انھیں عربی میں ہی مواد ملا اور اسی کو ہی انھوں نے نظم کا جامع پہنا دیا۔ پس یہ تمام ذخیرہ قبل از اسکندر عہد کیلئے کچھ سود مند نہیں ہے اور سائرس کے حالات کے لیے ہمیں تمام تر یونانی مؤرخین کی شہادت پر ہی اعتماد کرنا ہے۔

(۲۷) عرب مؤرخ یونانی روایات سے بے خبر نہ تھے، چنانچہ البیرونی نے "الآثار الباقیہ" میں فارس کے قدیم فرماں رواؤں کی جو فہرست دی ہے وہ مختلف روایتی سلسلوں پر مشتمل ہے اور اس سلسلے میں ہمیں کوروش اور دارائے اول کے نام ملتے ہیں۔

عرب مؤرخوں میں تین شخصیتیں ایسی نظر آتی ہیں جو اس باب میں حقیقت حال سے بے خبر



نہ تھیں: ابو حمزہ اصفہانی، ابن مسکویہ اور البیرونی۔ ابو حمزہ ایران کے قومی افسانے کو تاریخی افسانے سے الگ کر کے دیکھنا چاہتا تھا مگر اسے کافی مواد نہیں ملا تھا۔

ابن مسکویہ "تجارب الامم" میں مطمئن نہیں ہے اور قابل اعتماد صرف ساسانی عہد کو تصور کرتا ہے۔

البیرونی نے "الآثار الباقیۃ" میں دونوں روایتوں کا سراغ لگایا ہے اور یونانی و ایرانی دونوں شجرہ حکومت مرتب کیے ہیں۔ "کتاب الہند" میں بھی وہ جا بجا دارپوش اول اور ارتخششت (اردشیر) اول و ثانی کا ذکر کرتا ہے۔ غالباً عرب مؤرخین میں یہ خصوصیت صرف البیرونی ہی کے حصے میں آئی تھی کہ ایران قدیم کے تاریخی افسانے پر نظر رکھتا تھا۔

حضرت مسیح سے پانچ سو ساٹھ برس پہلے ایران کی سرزمین دو مملکتوں میں بٹی ہوئی تھی: جنوبی حصہ پارس کہلاتا تھا اور شمال مغربی میڈیا (۲۸)۔ چونکہ انکے ہمسایہ میں آشوری اور بابلی حکومتیں کمال عروج تک پہنچ چکی تھیں، اس لیے قدرتی طور پر یہ ان سے دبی ہوئی تھیں۔ دونوں مملکتوں میں مختلف قبائل کے امراء تھے جو اپنے اپنے حلقوں میں قبائلی حکومت رکھتے تھے۔ سن ۶۱۲ قبل مسیح میں جب نینوی تباہ ہو گیا اور آشوری فرماں روائی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی تو میڈیا کے باشندے آزاد ہو گئے اور بتدریج ایک قومی حکومت نشوونما پانے لگی۔ اسی طرح پارس کے امراء قبائل میں سے بھی بعض امیروں کو سر اٹھانے کا موقع ملا اور حکمران خاندان پیدا ہو گیا۔ تاہم یہ دونوں مملکتیں وقت کی بے اثر حکومتیں تھیں بابل کی شہنشاہی جسے نبوخذ نصر (Nebuchadnezzar) (بخت نصر) کی قہارانہ فتح مند یوں نے تمام ایشیا میں سر بلند کر دیا تھا، سب پر چھائی ہوئی اور سب کو مقہور کیے ہوئے تھی۔

لیکن سن ۵۵۹ قبل از مسیح میں ایک معمولی شخصیت غیر معمولی حالات کے اندر ابھری اور اچانک تمام دنیا کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ یہ پارس کے ایک می نیز (۲۹) خاندان کا ایک نوجوان کورش تھا جسے یونانیوں نے سائرس، عبرانیوں نے خورس اور عربوں نے قوروش اور خیارشایا کیا رشا یا کے خسرو کے نام سے پکارا۔ اسے پہلے پارس کے تمام امیروں نے اپنا فرماں روا تسلیم کر لیا۔ پھر بغیر کسی خون ریزی کے میڈیا کی مملکت پر فرماں روا ہو گیا اور اس طرح دونوں مملکتوں نے مل کر ایران کی ایک عظیم الشان شہنشاہی کی صورت اختیار کر لی۔



پھر اس کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ فتوحات نہیں جو ظلم و قہر کی خوں ریزیوں کے ذریعے حاصل کی جاتی تھیں، بلکہ انسانیت و عدالت کی فتوحات جو تمام تر اس لیے تھیں کہ مظلوم قوموں کی داد رسی اور پامال ملکوں کی دست گیری ہو۔ چنانچہ ابھی بارہ برس کی مدت بھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ بحرِ اسود سے لیکر بکٹریا (Bactria) (باختر) تک ایشیا کی تمام مملکتیں اس کے آگے سر بسجود ہو چکی تھیں۔ دنیا کی تمام غیر معمولی شخصیتوں کی طرح سائرس کے ابتدائی حالات نے بھی ایک پراسرار افسانے کی نوعیت اختیار کر لی ہے اور ہمیں اس کی جھلک شاہ نامہ کے افسانوں میں صاف صاف نظر آ جاتی ہے۔ اس کا اٹھان زندگی کے عام اور غیر معمولی حالات میں نہیں ہوا بلکہ ایسے عجیب حالات میں جو ہمیشہ پیش نہیں آتے ہیں تو یہ قدرت کی ایک غیر معمولی کرشمہ سخی ہوتی ہے۔ قبل اس کے کہ وہ پیدا ہو، اس کے نانا اسٹیاگس (astyages) نے اس کی موت کا سامان پیدا کر دیا تھا، لیکن وہ ایک حیرت انگیز طریقے پر بچا لیا جاتا ہے اور اس کی ابتدائی زندگی جنگلوں اور پہاڑوں میں بسر ہوتی ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ اس کی غیر معمولی قابلیتیں اور اعلیٰ اخلاق و خصائل اسے ملک میں نمایاں کرتے ہیں اور اس کی خاندانی شخصیت پہچان لی جاتی ہے۔ اب اسے پورا موقع حاصل تھا کہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے، لیکن اسے ایک لمحے کے لیے بھی اس کا خیال نہیں گزرتا، حتیٰ کہ خود اسٹیاگس کی زندگی بھی اس کے ہاتھوں محفوظ رہتی ہے

تحت نشینی کے بعد سب سے پہلی جنگ جو اسے پیش آئی وہ لیڈیا (Lydia) کے بادشاہ کروئس (Croesus) سے تھی۔ لیکن تمام مورخین متفق ہیں کہ حملہ کروئس کی طرف سے ہوا تھا اور اسے سائرس کو دفاع پر مجبور کر دیا تھا۔ لیڈیا سے مقصود ایشیائے کوچک کا مغربی اور شمالی حصہ ہے جو یونانی تمدن کا ایشیائی مرکز بن گیا تھا اور اسکی حکومت بھی اپنے تمام خصائص میں ایک یونانی حکومت تھی جنگ میں سائرس فتح یاب ہوا۔ لیکن رعایا کے ساتھ کسی طرح کی بدسلوکی نہیں کی گئی۔ انھیں محسوس بھی نہیں ہوا کہ ملک ایک انقلاب جنگ کی حالت سے گزر رہا ہے۔ البتہ کروئس کی نسبت یونانی روایت یہ ہے کہ اسکی عزم و ہمت کی آزمائش کے لیے سائرس نے حکم دیا تھا: چتا تیار کی جائے اور اسے جلا دیا جائے۔ لیکن جب اس نے دیکھا وہ مردانہ وار چتا پر بیٹھ گیا ہے تو فوراً اس کی جان بخشی کر دی اور اس نے بقیہ زندگی عزت و احترام کے ساتھ بسر کی۔

اس جنگ کے بعد اسے مشرق کی طرف متوجہ ہونا پڑا، کیوں کہ گیڈروسیا (مکران) اور بکٹریا



(باختر) کے وحشی قبائل نے سرکشی کی تھی۔ یہ مہم سن ۵۴۰-۵۳۵ قبل مسیح کی درمیانی مدت میں واقع ہوئی ہوگی۔ تقریباً یہی زمانہ ہے جب باشندگان بابل نے اس سے درخواست کی ہے کہ بیل شازار (Belshazzar) (۳۰) کے مظالم سے انھیں نجات دلائے۔

نینوی کی تباہی نے ایک نئی بابلی شہنشاہی کی بنیادیں استوار کر دی تھیں اور نبوخذ نصر (بخت نصر) کی قاہرانہ فتوحات نے تمام مغربی ایشیا کو مسخر کر لیا تھا۔ اس کا حملہ بیت المقدس تاریخ کا ایک انقلاب انگیز واقعہ ہے۔ وہ صرف پادشاہوں کو مسخر ہی نہیں کرتا تھا بلکہ قوموں کو غلام بناتا اور ملکوں تباہ کر ڈالتا، لیکن اس کے مرنے کے بعد کوئی ایسی شخصیت پیدا نہیں ہوئی جو اس کی جنگ جو یا نہ قوتوں کی جانشین ہوتی۔ اس کے بعد بابل کے مندروں کے پجاریوں نے جو ملک میں سب سے زیادہ اثر و مقبولیت رکھتے تھے، نابونی دس (Nabonidus) کو تخت نشین کیا تھا۔ لیکن اس نے حکومت کا تمام کاروبار بیل شازار کے ہاتھ چھوڑ دیا جو ظلم و عیاشی کا مجسمہ تھا۔ اسی کی نسبت اس صحیفہ میں جو دانیال نبی کی طرف منسوب ہے، ہم پڑھتے ہیں کہ بیت المقدس کے ہیكل کے پیالوں میں اس نے شراب پی تھی اور ایک غیبی ہاتھ نے نمایاں ہو کر نئے نئے تقطیل افرسین کے الفاظ دیوار پر لکھ دیے تھے (دانیال ۱:۵ تا ۲۵)۔ تمام مؤخرین متفق ہیں کہ اس عہد میں بابل سے زیادہ مستحکم اور ناقابل فتح شہر کوئی نہ تھا۔ اس کی چار دیواری اتنی موٹی تہ درتہ اور اونچی تھی کہ اسے مسخر کرنے کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بائیں ہمہ سائرس نے باشندگان بابل کی فریاد پر لبیک کہا اور دو آہ کا تمام علاقہ فتح کرتا ہوا شہر کے سامنے نمودار ہو گیا۔ چونکہ خود باشندگان شہر بیل شازار کے مظالم سے تنگ آگئے تھے اور سائرس کے لیے چشم براہ تھے، اس لیے انھوں نے ہر طرح اس کا ساتھ دیا۔ خود بابلی مملکت کا ایک سابق گورنر گوب ریاس (Gobryas) اس کی فوج کے ساتھ تھا۔ ہیرودوٹس کا بیان ہے کہ اسی شخص نے دریا میں نہریں کاٹ کر اس کا بہاؤ دوسری طرف ڈال دیا اور دریا کی جانب سے فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ قبل اس کے کہ خود سائرس شہر میں پہنچے شہر فتح ہو چکا تھا۔

یہودیوں کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ سائرس کا ظہور اور بابل کی فتح بنی اسرائیل کے لیے زندگی اور خوش حالی کا نیا پیام تھا۔ اور یہ ٹھیک اسی طرح ظہور میں آئی جس طرح یسعیاہ نبی نے ایک سو ساٹھ برس پہلے اور یرمیاہ نے ساٹھ برس پہلے وحی الہی سے مطلع ہو کر خبر دے دی تھی۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے سائرس نے دانیال نبی کی نہایت توقیر کی، یہودیوں کو یروشلم میں بسنے کی اجازت دے دی۔ نیز اپنی تمام مملکت



میں اعلان کیا کہ "خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ یروشلم میں اس کے لیے ایک ہیکل بناؤں (قدیم برباد شدہ ہیکل سلیمان کو از سر نو تعمیر کروں)۔ پس تمام لوگوں کو ہر طرح کا ساز و سامان اس کے لیے مہیا کرنا چاہیے"۔ اس نے سونے چاندی کے وہ تمام ظروف جو بخت نصر ہیکل سے لوٹ کر لایا تھا بابل کے خزانہ سے نکل وائے اور یہودیوں کے ایک امیر شیش بضر (Sheshbazzar) کے حوالے کر دیئے کہ ہیکل کی تعمیر کے بعد اس میں بدستور رکھ دیئے جائیں (عزرا۔ باب اول)

بابل کی فتح کے بعد سائرس کی عظمت تمام مغربی ایشیا میں مسلم ہو گئی۔ سنہ ۵۳۹ قبل مسیح میں صرف اسی کی تہا شخصیت عظمت و حکمرانی کے عالم گیر تخت پر نمایاں نظر آتی ہے۔ بارہ برس پہلے وہ پارس کے پہاڑوں کا ایک گننام انسان تھا، لیکن اب ان تمام مملکتوں کا تہا فرماں روا ہے جو صدیوں تک قوموں کی ابتدائی عظمتوں اور فتح مند یوں کا مرکز رہ چکی ہیں فتح بابل کے بعد وہ تقریباً دس برس تک زندہ رہا اور سنہ ۵۲۹ قبل مسیح میں انتقال کر گیا۔

اب قبل اس کے کہ قرآن کے بیان کردہ حالات پر نظر ڈالی جائے، اس بات پر غور کر لینا چاہیے کہ یہودیوں کے اعتقاد میں انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں اس شخصیت کے بارے میں کیا تھیں اور کس طرح وہ حرف بحرف پوری ہوئیں؟

اس سلسلے میں سب سے پہلی پیشین گوئی یسعیاہ نبی کی کتاب میں ہے جن کا ظہور سائرس کی فتح بابل سے ایک سو ساٹھ برس پہلے ہوا تھا۔ انہوں نے پہلے بیت المقدس کی تباہی کی خبر دی ہے کہ بابل کے ہاتھوں ظہور میں آئے گی۔ اس کے بعد اس کی دوبارہ تعمیر کی بشارت دی ہے اور اس سلسلہ میں خورس (سائرس) کے ظہور کا ذکر کیا ہے: "خداوند تیرا نجات دلانے والا یوں فرماتا ہے کہ "۔۔۔ یروشلم پھر آباد کیا جائے گا۔ یہودا کے شہر بنائے جائیں گے۔ میں اس کے ویران مکانوں کو تعمیر کر دوں گا۔۔۔ میں خورس کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے، وہ میری ساری مرضی پوری کرے گا۔۔۔ خداوند اپنے مسیح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا دہنا ہاتھ پکڑا تا کہ قوموں کو اس کے قابو میں کر دوں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوادوں اور دہرے دروازے اس کے لیے کھول دوں۔ ہاں! میں تیرے آگے چلوں گا۔ میں ٹیڑھی جگہوں کو سیدھا کر دوں گا۔ میں پیتل کے دروازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ میں گڑے ہوئے خزانے اور چھپے ہوئے مکانوں کے کنج تجھے عطا کروں گا۔ اور یہ سب کچھ اس لیے کروں گا تا کہ تو جان لے کہ میں خداوند اسرائیل کا خدا ہوں۔ جس



نے اپنی برگزیدہ قوم اسرائیل کے لیے تجھے تیرا نام لے کر صاف صاف بلایا ہے۔  
(یسعیاہ ۴۴: ۲۸-۲۵: ۲ و ۲)۔

اس پیشین گوئی میں خدا کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ خورس (سائرس) میرا چرواہا ہوگا اور میں نے اسے اس لیے پکارا ہے کہ بنی اسرائیلیوں کو بابلیوں کے ظلم سے نجات دلائے، نیز اسے ”خدا کا مسیح“ بھی کہا ہے۔

اسی طرح یرمیاہ نبی نے ساٹھ برس پہلے پیشین گوئی کی تھی: ”قوموں کے درمیان منادی کر دو اور اسے مت چھپاؤ۔ تم کہو: بابل لے لیا گیا۔ بعل رسوا ہو۔ مردوک سراسیمہ کیا گیا اس کے بت نخل ہوئے۔ اس کی مورتنیں پریشان کی گئیں۔ کیوں کہ اتر سے ایک قوم اس پر چڑھتی ہوئی آرہی ہے جو اس کی سرزمین اجاڑ دے گی یہاں تک کہ اس میں کوئی نہیں رہے گا (۱:۵۰)۔

یرمیاہ نبی نے اس کی بھی پیشین گوئی کر دی تھی کہ ستر برس تک یہودی بابل میں قید رہیں گے اور اس کے بعد بیت المقدس کی نئی تعمیر ہوگی: ”خداوند کہتا ہے: جب بابل پر ستر برس گزر چکیں گے تو میں تمہاری خبر لینے آؤں گا۔ تب تم مجھے پکارو گے اور میں جواب دوں گا۔ تم مجھے ڈھونڈو گے اور مجھے پالو گے۔ میں تمہاری اسیری ختم کر دوں گا۔ تمہیں تمہارے مکانوں میں واپس لے آؤں گا (۱۰:۲۹)۔

اس پیشین گوئی میں خدا نے اپنی رحمت کی واپسی کو فتح بابل کے واقعہ سے وابستہ کر دیا ہے، گویا سائرس کا ظہور اس کی رحمت کا ظہور ہوگا جو بنی اسرائیل پر پھر لوٹ آئیگی۔

تورات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب سائرس نے جس کی نسبت یہودیوں کی روایت ہے کہ بابل فتح کیا تو دانیال نبی نے جو شاہان بابل کے وزراء میں شامل ہو گئے تھے، اسے یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی دکھائی کہ ایک سو ساٹھ برس پہلے اس کے ظہور کی خبر دے دی گئی تھی۔ یہ بات دیکھ کر بے حد متاثر ہوا اور بیان کیا جاتا ہے کہ اسی کا نتیجہ وہ فرمان تھا جو اس نے تعمیر ہیکل کے لیے جاری کیا۔

زمانہ حال کے نقادان پیشین گوئیوں کی اصلیت پر مطمئن نہیں ہیں۔ (۳۲) جرمن نقادوں نے یسعیاہ کی کتاب کے دو حصے کر دیے ہیں: پہلا حصہ آیت ۵۰ پر ختم ہو جاتا ہے، دوسرا آیت ۵۱ سے شروع ہوتا ہے۔ پہلے کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ اسی یسعیاہ کا نوشتہ ہوگا جو فتح بابل سے ایک سو ساٹھ برس پہلے پیدا ہوا تھا۔ دوسرے کی نسبت یقین کیا جاتا ہے کہ یہ جملہ بابل ہی کے زمانے میں لکھا گیا ہے۔



اور اسکی زبان اور اسلوب بیان بھی پہلے سے مختلف ہے۔ پہلے حصے کو وہ یسعیاہ اول اور دوسرے حصے کو یسعیاہ دوم کے نام سے پکارتے ہیں۔ لیکن بہر حال ہمیں یہاں یہ نہیں دیکھنا ہے کہ عہد عتیق کے تاریخی نوشتوں کی حیثیت کیا ہے۔ ہمیں صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ یہودیوں کا عام عقیدہ اس بارے میں کیا تھا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہودیوں کا عام اعتقاد برابر یہی رہا کہ سائرس کا ظہور نبیوں کی پیشین گوئی کے مطابق ہوا تھا اور وہ خدا کی ایک پسندیدہ ہستی تھی جو اسی لیے ہی پیدا کی گئی تھی کہ مظلوموں کی داد رسی ہو اور بابلویوں کے ظلم و شرارت سے قوموں کو نجات ملے۔

اب غور کرو! قرآن کی تصریحات نے جو جامع تیار کیا ہے وہ کس طرح ٹھیک ٹھیک صرف سائرس ہی کے جسم پر راست آتا ہے؟ ہم نے اس بحث کے آغاز میں تصریحات قرآنی کا خلاصہ دے دیا ہے جو سات دفعات پر مشتمل ہیں۔ ان پر پھر ایک نظر ڈال لو:

۱۔ سب سے پہلے اس بات پر غور کرو کہ ذوالقرنین کی نسبت سوال بالاتفاق یہودیوں کی جانب سے ہوا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی غیر یہودی بادشاہ کی شخصیت یہودیوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جاسکتی تھی تو وہ صرف سائرس ہی کی تھی۔ نبیوں کی پیشین گوئیوں کا مصداق، دانیال نبی کے خواب کا ظہور، رحمت الہی کی واپسی کی بشارت، بنی اسرائیل کا نجات دہندہ۔ خدا کا فرستادہ چرواہا اور مسیح یروشلم کی تعمیر ثانی کا وسیلہ! پس اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسی کی نسبت ان کا سوال ہو؟

سدی کی ایک روایت میں بھی جو قرطبی وغیرہ نے نقل کی ہے!، اس طرف صریح اشارہ ملتا ہے: ”قال: قالت ایہود: اخبنا عن نبی لم یذکر واللہ فی التورات الانی مکان واحد۔ قال: ومن؟ قالوا: ذوالقرنین“، یعنی یہود نے آنحضرت سے کہا: اس نبی کی نسبت ہمیں خبر دیجیے۔ جس کا نام تورات میں صرف ایک ہی مقام پر آیا ہے آپ نے فرمایا: وہ کون؟ کہا: ذوالقرنین۔ چونکہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا اشارہ صرف دانیال نبی کے خواب ہی میں آیا ہے، اس لیے یہودیوں کا یہ بیان ٹھیک ٹھیک اسی طرف اشارہ تھا۔ علاوہ بریں سائرس کے تمثال کے انکشاف نے قطعی طور پر یہ بات آشکارا کر دی ہے کہ اس کے سر پر دو سینگوں کا تاج رکھا گیا تھا اور یہ فارس اور مادہ کی مملکتوں کے اجتماع و اتحاد کی علامت تھی۔

۲۔ اس کے بعد قرآن کی تصریحات سامنے لاؤ۔ سب سے پہلا وصف جو اس کا بیان کیا ہے یہ



ہے کہ ”انا مکنا له فی الارض و اتینہ من کل شئی سبیا“ ۸۲ ہم نے اسے زمین میں قدرت دی تھی اور ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا تھا۔ قرآن جب کبھی انسان کی کسی کامرانی و خوش حالی کو براہ راست خدا کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے، جیسا کہ یہاں کہا ہے تو اس سے مقصود عموماً کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو عام حالات کے خلاف محض اس کے فضل و کرم سے ظہور میں آئی ہو۔ مثلاً حضرت یوسف کی نسبت فرمایا: ”و کذالك مکنا لیوسف فی الارض“ اس طرح ہم نے سرزمین مصر میں یوسف کا قدم جما دیا۔ ”ہم نے جما دیا“ کیوں کہ یہ ظاہر ہے کہ حضرت یوسف کو ہر طرح ناموافق حالات میں محض فضل الہی سے ایک غیر معمولی بات حاصل ہو گئی تھی۔ یہ بات نہ تھی کہ عام حالات کے مطابق ظہور میں آئی ہو پس ضروری ہے کہ ذوالقرنین کو بھی حکم رانی کا مقام ایسے ہی حالات میں ملا ہو جو بالکل غیر معمولی قسم کے ہوں اور انھیں محض ”توفیق الہی“ کی کرشمہ سازی سمجھا جاسکے، کیوں کہ اس کے ”تمکن فی الارض“ کو براہ راست خدا کی طرف سے نسبت دی ہے۔

لیکن اس اعتبار سے سائرس کی زندگی ٹھیک ٹھیک اس آیت کی تصویر ہے۔ اس کی ابتدائی زندگی ایسے حالات میں بسر ہوئی جنہیں حیرت انگیز حوادث نے ایک افسانے کی شکل دے دی ہے۔ قبل اس کے کہ پیدا ہو، خود اس کا نانا اس کی موت کا خواہش مند ہو گیا تھا۔ ایک وفادار آدمی اس کی زندگی بچاتا ہے اور وہ شاہی خاندان سے بالکل الگ ہو کر ایک گم نام گڈریے کی طرح پہاڑوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اچانک نمایاں ہوتا ہے اور بغیر کسی جنگ و مقابلے کے میڈیا کا تخت اس کے لیے خالی ہو جاتا ہے۔ یقیناً یہ صورت حال واقعات و حوادث کی عام رفتار نہیں ہے جو ہمیشہ پیش آتی ہو۔ نوادر ہستی کی ایک غیر معمولی عجائب آفرینی ہے اور صاف نظر آ رہا ہے کہ قدرت کا مخفی ہاتھ کسی خاص مقصد سے ایک خاص ہستی تیار کر رہا ہے اور زمانے کی عام رفتار تھم گئی ہے تاکہ اس کی راہ صاف ہو جائے۔

۳۔ اس کے بعد اس کی تین بڑی مہموں کا ذکر آتا ہے: ایک ”مغرب الشمس“ کی طرف یعنی پچھم کی طرف۔ ایک ”مطلع الشمس“ کی طرف یعنی پورب کی طرف (۳۳)۔ تیسری ایک ایسے مقام تک جہاں کوئی وحشی قوم آباد تھی اور یا جوج و ماجوج وہاں آ کر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔ اب دیکھو! اب دیکھو یہ تمام تفصیلات کس طرح ٹھیک ٹھیک سائرس کی فتوحات پر منطبق ہوتی ہیں؟

اوپر پڑھ آئے ہو کہ سائرس نے ابھی فارس اور میڈیا کا تاج سر پر رکھا ہی تھا کہ ایشیائے کوچک کے بادشاہ کروئس نے حملہ کر دیا



ایشیائے کوچک کی یہ بادشاہت جو لیڈیا (Lydia) کے نام سے مشہور ہوئی، پچھلی صدی کے اندر ابھری تھی۔ اس کا دار الحکومت سارڈیس (Sardis) تھا۔ سائرس کی تخت نشینی سے پہلے میڈیا اور لیڈیا میں کئی جنگیں ہو چکی تھیں۔ بالآخر کروئس کے باپ نے سائرس کے نانا اسٹیگس (Astyages) کے باپ سے صلح کر لی اور باہمی اتحاد کے استحکام کے لیے باہمی ازدواج کا رشتہ بھی قائم ہو گیا۔

لیکن کروئس نے یہ تمام عہد و پیمانے اور باہمی علاقے بھلا دیے۔ وہ سائرس کی یہ کامرانی برداشت نہ کر سکا کہ فارس اور میڈیا کی ملکیتیں متحد ہو کر ایک عظیم مملکت کی حیثیت اختیار کر رہی ہیں۔ اس نے پہلے بابل، مصر اور اسپارٹا کی مملکتوں کو اس کے خلاف ابھارا اور پھر اچانک حملہ کر کے سرحدی شہر پٹیریا (Pteria) پر قبضہ کر لیا

اب سائرس مجبور ہو گیا کہ بلا توقف اس حملے کا مقابلہ کرے۔ وہ میڈیا کے دار الحکومت ہگ متانا (۳۴) سے (جواب ہمدان کے نام سے پکارا جاتا ہے) اور تیزی کے ساتھ بڑھا کہ صرف دو جنگوں کے بعد جو پٹیریا اور سارڈیس کے قریب واقع ہوئی تھیں، لیڈیا کی تمام مملکت پر قابض ہو گیا۔ ہیروڈٹس نے اس جنگ کی سرگزشت پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے اور اسکی بعض تفصیلات نہایت دل چسپ اور اہم ہیں لیکن یہ موقع اطناب کا نہیں۔ وہ کہتا ہے: سائرس کی فتح مندی ایسی عجیب اور معجزانہ تھی کہ پٹیریا کے معرکہ کے بعد صرف چودہ دن کے اندر لیڈیا کا مستحکم دار الحکومت مسخر ہو گیا اور کروئس ایک جنگی قیدی کی حیثیت میں سائرس کے آگے سرنگوں کھڑا تھا۔ (۳۵)

اب تمام ایشیائے کوچک بحر شام سے لے کر بحر اسود تک اس کے زیر نگیں تھا وہ برابر بڑھتا گیا یہاں تک کہ مغربی ساحل تک پہنچ گیا۔ قدرتی طور پر اس کے قدم یہاں پہنچ کر اسی طرح رک گئے جس طرح بارہ سو سال بعد موسیٰ بن نصیر کے قدم افریقہ کے شمالی ساحل پر رک جانے والے تھے۔ اس کے فتح مند قدموں کے لیے صحراؤں کی وسعتیں اور پہاڑوں کی بلندیاں روک نہ ہو سکیں۔ اس نے فارس سے لیکر لیڈیا تک چودہ سو میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ لیکن سمندر کی موجوں پر چلنے کے لیے اس کے پاس کوئی سواری نہ تھی۔ اس نظر اٹھا کر دیکھا تو حد نظر تک پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا اور سورج اس کی لہروں میں ڈوب رہا تھا!



یہ لشکر کشی جو اسے پیش آئی، صریح مغرب کی لشکر کشی تھی۔ کیوں کہ وہ ایران سے مغرب کی طرف چلا اور خشکی کے مغربی کنارے تک پہنچ گیا۔ یہ اس کے لیے ”مغرب الشمس“ کی آخری حد تھی۔ ایشیائے کوچک کا مغربی ساحل نقشے میں نکالو۔ تم دیکھو گے تمام ساحل اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ چھوٹے چھوٹے خلیج پیدا ہو گئے ہیں اور سمیرنا (Samyrna) کے قریب اس طرح کے جزیرے نکل آئے ہیں جنہوں نے ساحل کو ایک جھیل یا حوض کی شکل دے دی ہے۔ لیڈیا کا دار الحکومت سار ڈیس مغربی ساحل کے قریب تھا اور اس کا محل موجودہ سمیرنا سے بہت زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ پس جب سائرس سار ڈیس کی تسخیر کے بعد آگے بڑھا ہوگا تو یقیناً بحر ایجن (Aegean Sea) کے اسی ساحلی مقام پر پہنچا ہوگا جو سمیرنا کے قرب و جوار میں واقع ہے۔ یہاں اس نے دیکھا ہوگا کہ سمندر نے ایک جھیل کی سی شکل اختیار کر لی ہے۔ ساحل کی کچھڑ سے پانی گدلا ہو رہا ہے اور شام کے وقت اسی میں سورج ڈوبتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی صورت حال کو قرآن نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے: ”وجدھا مغرب فی عین حمئة“ اسے ایسا دکھائی دیا کہ سورج ایک گدے لے حوض میں ڈوب رہا ہے!

یہ ظاہر ہے کہ سورج کسی مقام میں بھی ڈوبتا نہیں، لیکن ہم سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں تو ایسا ہی دکھائی دیتا ہے کہ ایک سمندری تھالی آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوب رہی ہے۔

دوسری لشکر کشی مشرق کی طرف تھی۔ چنانچہ ہیروڈوٹس اور ٹیسیاز (۳۶) دونوں اس کی مشرقی لشکر کشی کا ذکر کرتے ہیں جو لیڈیا کی فتح کے بعد اور بابل کی فتح سے پہلے پیش آئی تھی اور دونوں نے تصریح کی ہے کہ مشرق کے بعض وحشی اور صحرائین قبائل کی سرکشی اس کا باعث ہوئی تھی۔ یہ ٹھیک ٹھیک قرآن کے اس اشارے کی تصدیق ہے کہ ”حتی اذا بلغ مطلع الشمس وجدھا تطلع علی قوم لم نجعل لهم من دونھا سترا“، جب وہ مشرق کی طرف پہنچا تو اسے ایسی قوم ملی جو سورج کے لیے کوئی آڑ نہیں رکھتی تھی، یعنی خانہ بدوش قبائل تھے۔

یہ خانہ بدوش قبائل کون تھے؟ ان مورخین کی صراحت کے مطابق بکٹریا (Bactria) یعنی بلخ کے علاقے کے قبائل تھے۔ نقشے پر اگر نظر ڈالو گے تو صاف نظر آ جائے گا کہ بکٹریا ٹھیک ٹھیک ایران کے لیے مشرق اقصیٰ کا حکم رکھتا ہے، کیوں کہ اسکے آگے پہاڑ ہیں اور انہوں نے راہ روک دی ہے اس کا اشارہ بھی ملتا ہے کہ گیڈروسیا کے وحشی قبائل نے اسکی مشرقی سرحد میں بدامنی پھیلانی تھی اور انکی گوش مالی کے لیے نکلنا پڑا۔ گیڈروسیا سے مقصود وہی علاقہ ہے جو آج کل مکران کہلاتا ہے۔ اس سلسلے میں



ہندوستان کی طرف ہمیں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اس لیے قیاس کہتا ہے کہ مکران سے نیچے اس کے قدم نہیں اترے ہوں گے، اور اگر اترے ہوں گے تو دریائے سندھ سے آگے نہیں بڑھے ہونگے، کیوں کہ دارا کے زمانے میں بھی اس کی جنوب مشرقی سرحد دریائے سندھ ہی تک معلوم ہوتی ہے۔

تیسری لشکر کشی اس نے ایسے علاقے تک کی جہاں یا جوج ماجوج کے حملے ہوا کرتے تھے۔ یہ یقیناً اسکی شمالی مہم تھی جس میں وہ بحر خزر (Caspian Sea) کو ذہنی طرف چھوڑتا ہوا کاکیشیا (Caucasus) کے سلسلہ کوہ تک پہنچ گیا تھا اور وہاں اسے ایک درہ ملا تھا جو دو پہاڑی دیواروں کے درمیان تھا۔ اسی راہ سے یا جوج ماجوج آ کر اس طرف کے علاقے میں تاخت و تاراج کیا کرتے تھے اور یہیں اس نے سد تعمیر کی۔

قرآن نے اس مہم کا حال ان لفظوں میں بیان کیا ہے ”حتی اذا بلغ بین السدین وجد من دونہا قومًا لا یکادون یفقیہون قولاً“۔ ۹۳ یہاں تک کہ وہ دو (پہاڑی) دیواروں کے درمیان پہنچ گیا۔ ان کے اس طرف سے ایک قوم ملی جو کوئی بات بھی سمجھ نہیں سکتی تھی۔ پس صاف معلوم ہوتا ہے ”سدین“ سے مقصود کاکیشیا کا پہاڑی درہ ہے، کیوں کہ اس کے ذہنی طرف بحر خزر ہے جس نے شمال اور مشرق کی راہ روک رکھی ہے۔ بائیں جانب بحر اسود ہے جو شمال مغرب کے لیے قدرتی روک ہے۔ درمیانی علاقے میں اس کا سر بفلک سلسلہ کوہ ایک قدرتی دیوار کا کام دے رہا ہے۔ پس اگر شمالی قبائل کے حملوں کے لیے کوئی راہ باقی رہی تھی تو وہ صرف اس سلسلہ کوہ کا ایک عریض درہ یا وسطی وادی تھی اور یقیناً یہیں سے یا جوج ماجوج کو دوسری طرف پہنچنے کا موقع ملتا تھا۔ اس راہ کے بند ہو جانے کے بعد نہ صرف بحر خزر سے لے کر بحر اسود تک کا علاقہ محفوظ ہو گیا، بلکہ سمندروں اور پہاڑوں کی ایک ملی جلی ایسی دیوار قائم ہو گئی جس نے تمام مغربی ایشیا کو اپنی پاسبانی میں لے لیا اور شمال کی طرف سے حملے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔ اب ایران، شام، عراق، عرب، ایشیائے کوچک، بلکہ مصر بھی شمال کی طرف سے بالکل محفوظ ہو گیا تھا۔

نقشے میں یہ مقام دیکھو! تمام مغربی ایشیا نیچے ہے، اوپر شمال میں بحر خزر ہے۔ اس سے بائیں جانب مشرق کی طرف بحر اسود ہے۔ درمیان میں بحر خزر کے مغربی ساحل سے بحر اسود کے مشرقی ساحل تک کاکیشیا کا سلسلہ کوہ چلا گیا ہے۔ ان دو سمندروں اور درمیان کے سلسلہ کوہ نے مل کر سیکڑوں



میلوں تک ایک قدرتی روک پیدا کر دی ہے۔ اب اس روک میں اگر کوئی شگاف رہ گیا تھا جہاں سے شمالی اقوام کے قدم اس روک کو لانگ سکتے تھے تو وہ صرف یہی دو پہاڑوں کے درمیان کا درّہ تھا۔ ذوالقرنین نے اسے بھی بند کر دیا، اور اس طرح شمال اور مغربی ایشیا کا یہ درمیانی پھاٹک پوری طرح مقفل ہو گیا۔

یا جوج ماجوج:

باقی رہا یہ سوال کہ وہاں جو قوم ذوالقرنین کو ملی تھی اور جو بالکل نا سمجھ تھی، وہ کون سی قوم تھی؟ تو اس سلسلے میں دو قومیں نمایاں ہوتی ہیں اور دونوں کا اس زمانے میں وہاں قریب قریب آباد ہونا تاریخ کی روشنی میں آچکا ہے۔ پہلی قوم وہ ہے جو بحر خزر کے مشرقی ساحل پر آباد تھی۔ اسے یونانی مورخوں نے ”کاسپین“ (Caspian) کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے نام سے بحر خزر کا نام بھی ”کاسپین“ پڑ گیا ہے۔ دوسری قوم وہ جو اس مقام سے آگے بڑھ کر عین کاکیشیا کے دامن میں آباد تھی۔ یونانیوں نے اسے ”کولچی“ یا ”کولشی“ (Colchians) کے نام سے پکارا ہے۔ اور دارا کے کتبہ اصطخر میں اس کا نام ”کوشیہ“ آیا ہے۔ (۳۷)۔ انھیں دو قوموں میں سے کسی نے یا دونوں قوموں نے ذوالقرنین سے یا جوج ماجوج کی شکایت کی ہوگی اور چونکہ یہ غیر متمدن قومیں تھیں، اس لیے ان کی نسبت فرمایا: ”لا یکا دون یفقہون قولا“۔

۴۔ اس کے بعد ذوالقرنین کا جو وصف سامنے آتا ہے وہ اس کی عدالت گستری اور خدمت انسانی کی فیاضانہ سرگرمی ہے۔ اور یہ اوصاف سائرس کی تاریخی سیرت کی اس درجہ آشکارا حقیقتیں ہیں کہ مورخ کی نگاہ کسی دوسری طرف اٹھ ہی نہیں سکتی۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے مغرب میں جو قوم ملی تھی اس کی نسبت حکم الہی ہوا تھا: ”یذا القرنین اما ان تعذب واما ان تتخذ فیہم حسنا“۔ ۸۶، یعنی یہ قوم اب تیرے بس میں ہے۔ جس طرح چاہے تو ان کے ساتھ سلوک کر سکتا ہے۔ خواہ سزا دے، خواہ انھیں اپنا دوست بنا لے۔ یقیناً یہ لیڈیا کی یونانی قوم تھی۔ اس کے بادشاہ کروئس نے تمام عہد و پیمانے اور باہمی رشتہ داریاں بھلا کر بلا وجہ سائرس پر حملہ کر دیا تھا۔ اور صرف خود ہی حملہ آور نہیں ہوا تھا، بلکہ وقت کی تمام طاقت ور حکومتوں کو بھی اس کے خلاف ابھار کر اپنے ساتھ کر لیا تھا۔ اب جب تائید الہی نے اپنا کرشمہ دکھایا اور تمام لیڈیا مسخر ہو گیا تو حکم الہی ہوا: یہ لوگ بالکل تیرے رحم پر ہیں۔ تو جو چاہے ان کے ساتھ کر سکتا



ہے، کیوں کہ یہ اپنے ظلم و شرارت کی وجہ سے ہر طرح سزا کے مستحق ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ تائید الہی نے تیرا ساتھ دیا، دشمنوں کو مسخر کر دیا۔ اب وہ بالکل تیرے اختیار میں ہیں، لیکن تجھے بدلا نہیں لینا چاہیے وہی کرنا چاہیے جو نیکی اور فیاضی کا مقتضا ہے۔ چنانچہ ذوالقرنین نے ایسا ہی کیا: ”قال اما من ظلم فسوف نعذبه ثم يرد الى ربه فيعذبه عذابا نكرا ﴿١٧﴾ واما من امن و عمل صالحا فله جزاء الحسنى، و سنقول له من امرنا يسرا ﴿١٨﴾“۔ اس نے اعلان کیا کہ میں پچھلے جرم کی بنا پر کسی کو سزا نہیں دینا چاہتا۔ میری جانب سے عام بخشش کا اعلان ہے۔ البتہ آئندہ جو کوئی برائی کریگا، بلاشبہ اسے سزا دوں گا۔ پھر اسے مرنا ہے اور آخرت کا عذاب سخت جھیلنا ہے۔ اور جو لوگ میرے احکام مانیں گے اور نیک کردار ثابت ہوں گے تو انکے لیے ویسا ہی بہتر اجر بھی ہوگا۔ اور وہ میرے احکام بھی بہت آسان پائیں گے، میں بندگان خدا پر سختی کرنا نہیں چاہتا۔ یہ ہو بہو اس طرز عمل کی تعبیر ہے جس کی تفصیل ہمیں یونانی تاریخوں کے صفحات میں ملتی ہے اور جسے زمانہ حال کے تمام محققین تاریخ نے ایک ایک مسلمہ تاریخی حقیقت تسلیم کر لیا ہے۔

تمام یونانی مؤرخ بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ سائرس نے فتح کے بعد باشندگان لیڈیا کے ساتھ جو سلوک کیا وہ صرف منصفانہ ہی نہ تھا، وہ اس سے بھی زیادہ تھا، وہ فیاضانہ تھا۔ وہ اگر اپنے دشمنوں کے ساتھ سختی کرتا تو یہ انصاف ہوتا، کیوں کہ زیادتی انھیں کی تھی۔ لیکن وہ صرف منصف ہونے پر قانع نہیں ہوا، اس نے رحم و بخشش کا شیوہ اختیار کیا۔ ہیر و ڈوٹس لکھتا ہے کہ سائرس نے اپنی فوج کو حکم دے دیا تھا کہ دشمن کی فوج کے سوا اور کسی انسان پر ہتھیار نہ اٹھائیں۔ اور دشمن کی فوج میں سے بھی جو کوئی نیزہ جھکا دے، اسے ہرگز قتل نہ کیا جائے۔ کروئس شاہ لیڈیا کی نسبت صریح حکم تھا کہ کسی حال میں بھی اسے گزند نہ پہنچائی جائے۔ اگر وہ مقابلہ کرے تب بھی اس پر تلوار نہیں اٹھانی چاہیے۔ اس حکم کی فوج نے اس دیانت داری کے ساتھ تعمیل کی کہ باشندوں کو جنگ کی مصیبت ذرا بھی محسوس نہ ہوئی۔ یہ گویا محض فرماں روا خاندان کا ایک شخصی انقلاب تھا کہ کروئس کی جگہ سائرس نے لے لیا اس سے زیادہ کوئی انقلاب قوم کو محسوس ہی نہیں ہوا۔

یہ پادر کھنا چاہیے کہ سائرس کی فتح یونانی دیوتاؤں کی شکست تھی، کیوں کہ وہ اس مصیبت سے اپنے پوستلر کروئس (Croesus) کو نہ بچا سکے، حالانکہ حملے سے پہلے اس نے مندروں کے ہاتف (۳۸) سے استصواب کر لیا تھا اور ڈلفی (Delfi) کے ہاتف نے فتح و کامرانی کی بشارت دی



تھی۔ پس قدرتی طور پر واقعات کی یہ رفتار یونانیوں کے لیے خوش گوار نہ ہو سکی اور اس امر کی کوشش شروع ہو گئی کہ اس شکست میں بھی اخلاق اور مذہبی فتح مندی کی شان پیدا کر دی جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کروئس کا معاملہ اچانک ایک پراسرار افسانے کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور یونانی دیوتا اپنے سارے معجزوں کے ساتھ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ہیرودوٹس لیڈیا کے باشندوں کی یہ روایت نقل کرتا ہے کہ ڈلفی کے ہاتف کا جواب غلط نہ تھا، مگر کروئس نے جنگ کے جوش طلب میں اس کا صحیح مطلب نہیں سمجھا۔ ہاتف نے کہا تھا: ”اگر اس نے پارسیوں پر حملہ کیا تو وہ ایک بڑی مملکت تباہ کر دیگا“ یعنی خود اپنی مملکت تباہ کر دیگا۔ مگر اس نے خیال کیا بڑی مملکت سے مقصود پارسیوں کی مملکت ہے۔ نیز وہ کہتا ہے: پہلے سائرس نے حکم دیا تھا کہ لکڑیوں کی چتاتیار کی جائے اور اس پر کروئس کو بٹھا کر آگ لگا دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آگ لگا دی گئی، لیکن پھر جب کروئس کی بعض باتیں سنیں تو بے حد متاثر ہوا اور آگ بجھانے کا حکم دیا لیکن بعد میں ایک افسانہ گھڑ لیا گیا آگ پوری طرح مشعل ہو گئی تھی، ممکن نہ تھا اسے فوراً بجھا دیا جائے۔ یہ حال دیکھ کر کروئس نے اپالو (Apollo) دیوتا کو پکارا اور باوجود یہ کہ آسمان بالکل صاف تھا، اچانک بارش شروع ہو گئی اور اس طرح اس معجزہ نے بر وقت ظاہر ہو کر اس کی جان بچالی۔

لیکن خود ہیرودوٹس اور زینوفن کی تصریحات سے جو حقیقت معلوم ہوتی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ سائرس یا تو کروئس کے عزم و صبر کا امتحان لینا چاہتا تھا یا یہ بات اشکارا کر دینا چاہتا تھا کہ یونانیوں کے خود ساختہ دیوتا اپنے عبادت گزاروں کی کچھ مدد نہیں کر سکتے اور جن دیوتاؤں کی مزعومہ بشارت پر اعتماد کر کے جنگ کی گئی تھی ان میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ اپنے پرستار کو زندہ جلنے کے عذاب سے بچا لیں۔ یعنی مقصود یہ تھا کہ پہلے اسے چتا پر بٹھایا جائے، آگ بھی لگا دی جائے، لیکن جب وہ خود اور تمام لوگ دیکھ لیں کہ دیوتاؤں کا کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا تو پھر اسے بخش دے اور عزت و احترام کے ساتھ اپنے ہمراہ لے جائے۔ دوسری علت زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ خود ہیرودوٹس کی روایت میں اس کی جھلک موجود ہے اور یونانی افسانے میں اپالو کے معجزہ کی نمود بھی اسی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ سائرس نے اپنے عمل سے جو حقیقت اشکارا کر دی تھی، یونانی افسانے نے اسی کا توڑ کرنے کے لیے اپالو کا معجزہ گھڑ دیا۔

قرآن نے ذوالقرنین کا یہ اعلان نقل کیا ہے کہ آئندہ جو ظلم کرے گا، سزا پائیگا۔ جو حکم مانے گا



اور نیک عمل ہوگا، اسے انعام ملے گا۔ بعینہ زینوفن کی بھی ایسی ہی روایت ہے۔ قرآن میں ہے کہ ”وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا“، اگر لوگوں نے نیک عملی اختیار کی تو دیکھ لیں گے میرے احکام و قوانین میں ان کے لیے سختی نہ ہوگی تمام مورخ بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ اس کے احکام ایسے ہی تھے۔ وہ مفتوحہ ممالک کے باشندوں کے لیے سرتاسر شفقت و مرحمت کا تھا۔ اس نے ان تمام بوجھل ٹیکسوں اور خراجوں سے رعایا کو نجات دے دی جو اس عہد کے تمام حکمراں وصول کیا کرتے تھے۔ اس نے جس قدر احکام و فرامین نافذ کیے وہ زیادہ سے زیادہ ہلکے تھے۔

۵۔ یہ تو صرف اس کی مغربی فتح مندی کی سرگزشت تھی۔ اب دیکھنا چاہیے کہ اس کے اعمال کی عام رفتار کیسی رہی اور قرآن کا بیان کردہ وصف کہاں تک اس پر راست آتا ہے؟

لیکن قبل اس کے کہ ہم یونانی مورخوں کی شہادتوں پر متوجہ ہوں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ یونانی مورخ سائرس کے ہم قوم نہیں تھے، ہم وطن نہیں تھے: ہم مذہب نہیں تھے: اتنا ہی نہیں بلکہ دوست بھی نہیں تھے۔ سائرس نے لیڈیا کو شکست دی تھی اور لیڈیا کی شکست یونانی قومیت، یونانی تہذیب اور سب سے زیادہ یہ کہ یونانی مذہب کی شکست تھی۔ پھر سائرس کے جانشینوں نے براہ راست یونانیوں کو زیر کیا تھا اور ہمیشہ کے لیے دونوں قومیں ایک دوسرے کی حریف ہو گئی تھیں۔ ایسی حالت میں قدرتی طور پر یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ یونانی دماغ اپنے حریف کی مدحت سرائی کا شائق ہوگا۔ تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر مورخ اس کی غیر معمولی عظمتوں اور ملکوتی صفتوں کی مدحت سرائی میں رطب اللسان ہے۔ اور اس لیے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس کے محاسن نے ایک ایسے عالم گیر اعتراف و تاثیر کی نوعیت اختیار کر لی تھی کہ دوست و دشمن کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہا تھا۔ سب کے دلوں میں ان کا اعتقاد پیدا ہو گیا تھا، سب کی زبانوں پر ان کی مدحت سرائی تھی۔ اور محاسن وہی ہیں جن کی حریفوں کو بھی شہادت دینی پڑے:

و ملیحة شہدت لها ظرا تھا والفضل ما شہدت به الا عدا

زینوفن لکھتا ہے: سائرس ایک نہایت دانشمند، سنجیدہ اور ساتھ ہی رحم دل فرماں روا تھا۔ اس

کی شخصیت ہر طرح کے شاہی اوصاف اور حکیمانہ فضائل کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ تھی۔ یہ بات عام طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ اس کی شوکت و حشمت سے کہیں زیادہ اس کی اعلیٰ حوصلگی اور سیر چشمی تھی اور اس کی



فیاضی اور رحم دلی اپنی کوئی دوسری مثال نہیں رکھتی۔ انسان کی خدمت اور ہمدردی اس کی شاہانہ طبیعت کا سب سے بڑا جوہر تھا۔ وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتا تھا کہ مصیبت زدہ انسانوں کی خبر گیری کرے، مظلوموں کو ظلم سے نجات دلائے، درد ماندہ انسانوں کا ہاتھ پکڑے، غم زدوں کے دکھ درد میں شریک ہو، پھر ان تمام اعلیٰ صفتوں کے ساتھ عاجزی و انکساری اس کے حسن و کمال کا سب سے بڑا زیور تھی۔ اس نے ایک ایسے تخت پر بیٹھ کر جس کے آگے تمام قوموں کے سر جھک گئے تھے اور ایک ایسے خزانے کا مالک ہو کر جس میں تمام دنیا کی دولت سمٹ آئی تھی، کبھی گوارا نہیں کیا کہ فخر و غرور کو اپنے دماغ میں جگہ دے۔

ہیروڈوٹس لکھتا ہے: وہ ایک نہایت ہی مخیر بادشاہ تھا۔ اسے دنیا کے تمام بادشاہوں کی طرح دولت جمع کرنے کی حرص نہیں تھی بلکہ جو دوسخاوت کا جوش تھا۔ وہ کہتا تھا: سب سے بڑی دولت یہ ہے کہ نوح انسانی کی بھلائی کا موقع ملے اور مظلوموں کی دادرسی ہو!

ٹی سیاز لکھتا ہے: اس کا عقیدہ یہ تھا کہ دولت بادشاہوں کے ذاتی عیش و آرام کے لیے نہیں ہے، بلکہ اس لیے ہے کہ رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کی جائے اور ماتحتوں کو اس سے فیض پہنچے۔ چنانچہ اس کی اسی فیض رسانی نے اس کی تمام رعایا کے دل اس کے ہاتھوں میں دے دیے تھے، وہ اس کے لیے خوشی خوشی اپنی گردنیں کٹوا دیتے تھے۔

سب سے زیادہ نمایاں بات جو ان تمام مورخوں کے صفحات پر ملتی ہے، وہ سائرس کی شخصیت کی غیر معمولی نمود ہے۔ سب کہتے ہیں کہ وہ جس عہد میں پیدا ہوا، اس کی مخلوق نہیں تھا، ایک بالاتر شخصیت تھی جسے قدرت نے اپنا کرشمہ دکھانے کے لیے نمودار کر دیا تھا۔ دنیا کے کسی حکیم نے اس کی تربیت نہیں کی۔ وقت کے متمدن ملکوں میں سے کسی ملک میں اس کی پرورش نہیں ہوئی۔ وہ محض قدرت کا پروردہ تھا اور قدرت ہی کے ہاتھوں نے اسے اٹھایا تھا۔ اس کی تمام ابتدائی زندگی صحراؤں کی گود اور پہاڑوں کی آغوش میں بسر ہوئی۔ وہ فارس کے مشرقی پہاڑوں کا چرواہا تھا۔ تاہم یہ کیسی عجیب بات ہے کہ یہی چرواہا جب دنیا کے سامنے آیا تو حکمرانی کا سب سے بڑا جلوہ پیکر، فضیلت کا سب سے بڑا نمونہ تھا۔

سکندر اعظم کو ارسطو کی تعلیم و تربیت نے تیار کیا تھا اور بلاشبہ وہ بہت بڑا فاتح نکلا، لیکن کیا انسانیت و اخلاق کا بھی کوئی گوشہ فتح کر سکا؟ سائرس کے لیے ہمیں کوئی ارسطو نہیں ملتا۔ اس نے انسانی حکمت کی درس گاہ کی جگہ قدرت کی درس گاہ میں پرورش پائی تھی، تاہم اس نے سکندر کی طرح صرف



ملکوں ہی کو نہیں بلکہ انسانیت و فضائل کی مملکتوں کو بھی مسخر کر لیا تھا۔

سکندر کی تمام فتوحات کی عمر اس سے زیادہ نہ تھی جتنی خود اس کی عمر تھی۔ لیکن سائرس کی فتوحات نے جو اینٹیں چن دی تھیں وہ دو سو برس تک نہ ہل سکیں۔ سکندر کے دم توڑتے ہی اس کی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، لیکن سائرس نے جب دنیا چھوڑی تو اس کی مملکت روز بروز وسیع ہونے والی تھی۔ اس کی فتوحات میں صرف مصر کا خانہ خالی رہ گیا تھا۔ اس کے فرزند نے اسے بھی بھر دیا اور پھر چند برسوں کے بعد دنیا کی وہ عالمگیر سلطنت ظہور میں آگئی جو ایشیا، اور یورپ کے اٹھائیس ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی اور اس پہ سائرس کا جانشین داراوش (Darius) تن تھا حکمراں تھا۔

سکندر کی فتوحات صرف جسم کی فتوحات تھیں جنہیں قہر و طاقت نے سر کیا تھا، لیکن سائرس کی فتوحات روح و دل کی فتوحات تھیں جنہیں انسانیت و فضیلت نے سر کیا تھا۔ پہلی سر اٹھاتی ہے لیکن ٹک نہیں سکتی، دوسری ٹک جاتی ہے اور پھر ٹلتی نہیں

سائرس فتح بابل کے بعد دس برس تک زندہ رہا۔ اب اس کی حکومت عرب سے لے کر بحر اسود تک اور ایشیائے کوچک سے بلخ تک پھیلی ہوئی تھی اور ایشیا کی تمام قومیں اس کے ماتحت آچکی تھیں۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس تمام عرصے میں بغاوت اور سرکشی کا ایک حادثہ بھی نہیں ہوا۔ کیوں کہ زینون کے لفظوں میں ”وہ صرف بادشاہ ہی نہ تھا، بلکہ انسانوں کا شفیق مربی اور قوموں کا رحیم باپ بھی تھا“۔ اور رعایا سخت گیر حکمرانوں سے بغاوت کر سکتی ہے، لیکن اولاد اپنے شفیق باپ سے باغی نہیں ہو سکتی۔ موجودہ زمانے کے تمام مؤرخ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ایک حیرت انگیز خصوصیت تھی، یہ ایسی خصوصیت تھی جو آگے چل کر رومن امپائر کو بھی نصیب نہ ہوئی۔

سب متفقہ شہادت دیتے ہیں کہ اس عہد کے بادشاہوں کی سخت گیری، قساوت قلبی اور ہیبت انگیز طریق تعذیب کی چھوٹی سے چھوٹی مثال بھی سائرس کے عہد میں نہیں ملتی۔

یاد رہے کہ یہ محض قدیم یونانی مؤرخوں کی روایات ہی نہیں ہیں بلکہ موجودہ زمانے کے تمام محققین تاریخ کے تاریخی مسلمات ہیں۔ بالاتفاق یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ سائرس تاریخ قدیم کی سب سے بڑی شخصیت ہے جس میں بیک وقت فتوحات کی وسعت، فرماں روائی کی عظمت اور اخلاقی و انسانیت کی فضیلت جمع ہو گئی تھی اور وہ جس عہد میں ظاہر ہوا اس عہد میں اس کی شخصیت ہر اعتبار سے انسانیت کا ایک پیام اور قوموں کی نجات تھی۔







سے مجرم کو نہیں پینا جاتا تھا، اب قتل عام کے احکام صادر نہیں ہوتے تھے، اب قوموں اور قبیلوں کو جلا وطن نہیں کیا جاتا تھا۔ برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے آشوری اور بابلی بادشاہوں کے تمام مظالم کے اثرات ایک قلم محو کر دیے۔ جلاوطن قومیں اپنے وطنوں میں لوٹائی گئیں، ان کے معبود اور معبود ان کو واپس دے دیے گئے، قدیم رسموں اور عبادتوں کے خلاف کوئی جبر و تشدد باقی نہ رہا، ہر قوم کے ساتھ پوری طرح دادرسی کی گئی، ہر مذہب کے پیروں کو پوری پوری مذہبی آزادی دی گئی، دنیا کی گزشتہ عالم گیر دہشت ناک کی جگہ ایک عالم گیر واداری اور عفو و بخشش کا مبارک دور شروع ہو گیا (۳۹)۔

غور کرو! قرآن نے چند لفظوں کے اندر جو اشارات کر دیے ہیں، آج تاریخ کا داستان سرا کس طرح اس کے ایک ایک حرف کی شرح و تفصیل بنا رہا ہے۔

۲۔ اب چند لمحوں کے کیے ان تصریحات پر غور کرو جو تورات کے صحائف میں مندرج ہیں! کس طرح وہ سائرس کی شخصیت کی سب سے بڑی خصوصیت واضح کر رہے ہیں اور کس طرح قرآن کے ارشادات بھی ٹھیک ٹھیک ان کی تصدیق ہیں! یسعیاہ نبی کی کتاب میں ہے کہ خداوند کہتا ہے "خوس میرا چرواہا ہے" اور پھر یہ بھی کہا ہے کہ "وہ میرا مسیح ہے" اور یرمیاہ نبی کا بیان اوپر گزر چکا ہے کہ وہ بابلیوں کے ظلم سے نجات دلائے گا۔ اب دیکھو! اس کی شخصیت ٹھیک ٹھیک ایک موعود اور منتظر نجات، دہندہ کی شخصیت تھی یا نہ تھی۔

جب ہم اس عہد کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور پھر سائرس کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو بہ اول نظر یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ اس کا ظہور ٹھیک ٹھیک ایسی شخصیت کا ظہور تھا جس کے لیے وقت کی تمام قوتیں چشم براہ ہوں۔ قوموں کا انتظار ان کی زبانوں پر نہیں ہوتا، ان کے حالات کے قدرتی تقاضے میں ہوتا ہے۔ غور کرو! اس عہد کی رفتار زمانہ کا قدرتی تقاضا کیا تھا۔ یہ تاریخ کے صبح تمدن کی نمود تھی جس کی روشنی میں ہم انسانی حکمرانی کی ساری تاریکیاں پھیلی ہوئی دیکھتے ہیں۔ صاف دکھائی دیتا ہے کہ اس وقت تک انسانی فرماں روائی کی عظمت قہر و غضب ہی کے نقاب میں رونما ہوئی تھی اور سب سے بڑا حکمران وہی سمجھا جاتا تھا جو سب سے زیادہ انسانوں کے کیے خوفناک ہو۔ اشور بنی پال (Ashurbanipal) نینوی کا سب سے بڑا بادشاہ تھا، اس لیے کہ وہ شہروں کے جلانے اور آبادیوں کے ویران کرنے میں سب سے زیادہ بے باک تھا۔ بابل کی نشاۃ ثانیہ میں نبوخذ نصر (بخت نصر) سب سے بڑا فاتح تھا، اس لیے کہ قوموں کی ہلاکت اور مملکتوں کی ویرانی میں سب سے



زیادہ قہر مان تھا۔ مصریوں، آکادیوں، ابلامیوں، آشوریوں اور بابلیوں سب میں انسانی حکومت و عظمت کے مظاہر خوف ناکیاں اور دہشت انگیزی کے مظاہر تھے، اور انکی شخصیتوں نے دیوتائی الوہیت کی تقدیس سے ملکر انسانوں کے قتل و تعذیب کا ہول ناک استحقاق حاصل کر لیا تھا۔ سائرس کے ظہور سے پچاس برس پہلے نبوخذ نصر (بخت نصر) کی شہنشاہی کا ظہور ہوا اور ہمیں معلوم ہے کہ اس نے بیت المقدس پر پہم تین حملے کر کے نہ صرف دنیا کا سب سے بڑا زرخیز علاقہ تاراج و ویران کر دیا، بلکہ فلسطین کی پوری آبادی کو اس طرح ہنکا کر بابل لے گیا کہ جوزیفوس (Josepus) کے لفظوں میں ”کوئی سخت سے سخت بے رحم قصائی بھی اس وحشت و خون خواری کے ساتھ بھٹروں کو مذبح میں نہیں لے جاتا“۔ پھر کیا ان حالات کا قدرتی تقاضا یہ نہ تھا کہ دنیا ایک نئی شخصیت کے لیے چشم براہ ہو؟ تو میں ایک نجات دہندہ کی راہ تک رہی ہوں؟ ایک ایسے نجات دہندہ کی جو انسانوں کے گلے کے لیے خدا کا بھیجا ہوا چرواہا ہو، جو ان کی بیڑیاں کاٹے اور ان کے سروں کا بوجھ ہلکا کر دے، جو دنیا کو اس ربانی صداقت کا سبق دیدے کہ انسانی حکمرانی نوع انسانی کی خدمت کے لیے ہونی چاہیے، دہشت انگیزی اور خوف ناک کے لیے نہیں!

دنیا بادشاہوں کے ہاتھوں تنگ آچکی تھی۔ اب وہ ایک چرواہے کے لیے مضطرب تھی اور یسعیاہ نبی کے لفظوں میں ”خدا کا وہ فرستادہ چرواہا“ نمودار ہو گیا!

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قوموں نے اسے قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کے استقبال کے لیے بے اختیار لپکیں، کیوں کہ وہ وقت کی جستجو کا قدرتی سراغ اور زمانے کی طلب کا قدرتی جواب تھا۔ اور اگر رات کی تاریکی کے بعد صبح کی روشنی کا خیر مقدم کیا جاتا ہے تو ممکن نہ تھا کہ انسانی سقاوت کی اس طولانی تاریکی کے بعد صبح سعادت کی اس جہاں تابی کا استقبال نہ کیا جاتا!

غور کرو! یسعیاہ نبی کا یہ جملہ صورت حال کی کیسی ہو بہو تصویر ہے کہ ”وہ میرا چرواہا ہوگا۔ وہ میری ساری مرضی پوری کریگا۔ میں اس کا دہنا ہاتھ پکڑ کے قوموں کو اس کے قابو میں دے دوں گا۔ اور بادشاہوں کی کمریں اس کے آگے کھلوا ڈالوں گا۔ میں اس کے آگے چلوں گا۔ میں ٹیڑھے راستے اس کے لیے سیدھے کر دوں گا۔“ (۲۸:۲۳-۲۵:۲۱)۔ سارے مؤرخ گواہی دے رہے ہیں کہ وہ ایک چرواہے کی طرح آیا اور اس نے بندگان خدا کی رکھوالی کی۔ سب کہہ رہے ہیں کہ اس نے جس ملک کا



رخ کیا اس کی شقاوت ختم ہوگئی۔ وہ جس قوم کی طرف بڑھا اس کی بیڑیاں کٹ گئیں۔ اس نے جس گروہ کے سر پر ہاتھ رکھا اس کے سارے بوجھ ہلکے ہو گئے۔ وہ صرف بنی اسرائیل ہی کا نہیں بلکہ تمام قوموں کا نجات دہندہ تھا!

یاد رہے کہ یسعیاہ نبی کی اس پیشین گوئی میں اسے ”خدا کا مسیح“ بھی کہا ہے اور تورات کی اصطلاح میں ”مسیح“ وہ ہوتا ہے جسے خدا اپنی برکتوں کے ظہور کے لیے برگزیدہ کر لے۔ اور قوموں کی نجات کے لیے اس کا ظہور ہو۔ چنانچہ حضرت داؤد کی نسبت بھی آیا ہے کہ ”مسیح“ تھے، سائرس کی نسبت بھی یہی کہا ہے اور اسی طرح بنی اسرائیل کی نجات کے لیے ایک آخری مسیح کی بھی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔

سائرس کو ”مسیح“ کہنا اس میں شک نہیں کہ اس کے تقدس اور الہی برگزیدگی کی سب سے زیادہ واضح اور قطعی اسرائیلی شہادت ہے۔

۵۔ اس سلسلے میں آخری وصف جو ذوالقرنین کا سامنے آتا ہے وہ اس کا ایمان باللہ ہے۔ قرآن کی باتیں اس بارے میں ظاہر و قطعی ہیں کہ وہ ایک خدا پرست انسان تھا، آخرت پر یقین رکھتا تھا، احکام الہی کے مطابق عمل کرتا تھا اور اپنی تمام کامرانیوں کو اللہ کا فضل و کرم سمجھتا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سائرس کا بھی ایسا ہی اعتقاد و عمل تھا؟ لیکن پچھلی تمام تفصیلات پڑھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ نہیں تھا؟ یہودیوں کے صحائف کی واضح شہادت موجود ہے کہ وہ خدا کا اپنا فرستادہ اور ”مسیح“ تھا اور وہ نبیوں کا موعود و منتظر تھا۔ ظاہر ہے ایسی ہستی خدا کی نافرمان ہستی نہیں ہو سکتی۔ جس کا ”دہنا ہاتھ خدا نے پکڑا ہو“ اور جسکی ”تیرھی راہیں وہ درست کرتا جائے“ یقیناً وہ خدا کا ناپسندیدہ بندہ نہیں ہو سکتا (۴۰) آج کل کے اصحاب نقد و نظر یسعیاہ نبی کی اس پیشین گوئی کو مشتبہ سمجھتے ہیں، کیوں کہ یہ سائرس سے ڈیڑھ سو برس پہلے کی گئی تھی۔ لیکن اگر اس سے قطع نظر کر لی جائے، جب بھی صورت حال پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ خود سائرس کے عہد میں جو اسرائیلی نبی موجود تھے، ان کی شہادتیں موجود ہیں اور وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ یہودیوں کا عام اعتقاد یہی تھا اور اسی حیثیت سے اس کا استقبال کیا تھا۔ حزقیل اور دانیال سائرس کے معاصر تھے اور دانیال کی نسبت یہودیوں کا اعتقاد ہے کہ دارا کے عہد تک زندہ رہے۔ ان دونوں کی تصریحات سائرس کی نسبت موجود ہیں۔ پھر دارا کے زمانے میں جچی اور ذکریا کے صحیفے مرتب ہوئے اور زکسیر (Xerxes) (اردشیر یا ارتخششت) کے عہد میں عزرا اور



نحمیاہ کا ظہور ہوا۔ انکی تمام شہادتیں بھی موجود ہیں اور ان سب سے قطعی طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سائرس کو بنی اسرائیل نے ایک موعود ہستی اور برگزیدہ انسان تسلیم کر لیا تھا۔

اگر یہودیوں کا عام اعتقاد یہ تھا تو کیا ایک لمحے کے لیے بھی یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ وہ ایک بت پرست انسان کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنے کی جرات کرے! تسلیم کر لیا جائے کہ یہ تمام پیشین گوئیاں سائرس کے ظہور کے بعد بنائی گئیں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہودیوں نے ہی بنائیں اور یہودیوں میں پھیلیں، حتیٰ کہ ان کی مقدس کتاب میں داخل ہو گئیں۔ پھر کیا ممکن تھا کہ ایک بت پرست انسان کے لیے ایسی پیشین گوئیاں بنائی جاسکتی تھیں؟ کیا ممکن تھا کہ ایک بت پرست کو اسرائیلی وحی کا مدوح اور اسرائیلی نبیوں کا موعود بنا دیا جاتا؟

یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اجنبیوں اور غیر اسرائیلیوں کے خلاف یہودیوں کا تعصب بہت ہی سخت تھا۔ ان کے نسلی غرور پر اس سے زیادہ اور کوئی بات شاق نہیں گزرتی تھی کہ کسی غیر اسرائیلی انسان کی بزرگی کا اعتراف کریں۔ ظہور اسلام کے وقت بھی یہی عصبیت انھیں اعتراف حق سے روکتی تھی ”ولا تو منوا الا لمن تبع دینکم“ (۷۳:۳)۔ تاہم وہ سائرس کی فضیلت کے آگے جھک گئے جو انکے لیے ہر اعتبار سے اجنبی تھا اور نہ صرف اس کی بزرگی ہی کا اعتراف کیا، بلکہ نبیوں کا موعود اور خدا کا برگزیدہ تسلیم کر لیا۔ یہ صورت حال اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ سائرس کی شخصیت ان کے لیے بڑی ہی محبوب شخصیت تھی اور اس کی فضیلتیں ایسی قطعی اور آشکارا تھیں کہ انکے اعتراف میں نسلی عصبیت کا جذبہ بھی حائل نہ ہو سکا۔ ظاہر ہے کہ ایک بت پرست انسان کے لیے جو اجنبی بھی ہو، یہودیوں میں ایسی محبوبیت نہیں پیدا ہو سکتی تھی۔ اگر ایک بت پرست بادشاہ نے انھیں نجات دلائی تھی تو وہ اس کا شاہانہ عظمتوں کی مداحی کرتے، مگر خدا کا مسیح اور برگزیدہ کبھی نہ سمجھتے۔ ضروری ہے کہ اس کی فضیلتیں مذہبی ہوں۔ یہ یہودیوں کی پوری تاریخ میں غیر اسرائیلی فضیلت کے اعتراف کا تنہا واقعہ ہے اور ممکن نہیں کہ ایک ایسے انسان کے لیے ہو جسے وہ مذہبی حیثیت سے محترم نہ سمجھتے ہوں۔

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سائرس کے دینی عقائد کے بارے میں ہماری معلومات کیا کہتی ہے؟

تاریخی حیثیت سے یہ قطعی ہے کہ سائرس زردشت کا پیرو تھا جسے یونانیوں نے زارادسترو کے نام سے پکارا ہے اتنا ہی نہیں بلکہ غالباً اسی کی شخصیت ہے جو اس نئی دعوت کی تبلیغ و عروج کا ذریعہ ہوئی۔



اس نے فارس اور میڈیا میں نئی شہنشاہی کی بنیاد ہی نہیں رکھی تھی، بلکہ قدیم مجوسی دین کی جگہ نئے زردشتی دین کی بھی تخم ریزی کی تھی۔ وہ ایران میں نئی شہنشاہی اور نئے دین دونوں کا بانی تھا۔

زردشت کی ہستی کی طرح اس کے ظہور کا زمانہ، اور محل بھی تاریخ کا ایک مختلف فیہ موضوع بن گیا ہے اور انیسویں صدی کا پورا زمانہ مختلف نظریوں اور قیاسوں کے رد و کد میں بسر ہو چکا ہے۔ بعضوں کو اس کی تاریخی ہستی ہی سے انکار ہوا۔ بعضوں نے شاہ نامہ کی روایت کو ترجیح دی اور گشتاسپ والا قصہ تسلیم کر لیا۔ بعضوں نے اس کا زمانہ ایک ہزار برس قبل مسیح قرار دیا۔ بعضوں نے یہ مدت دو ہزار برس قبل مسیح تک بڑھا دی۔ اسی طرح محل کے تعین میں بھی اختلاف ہوا۔ بعضوں نے باختر، بعضوں نے خراسان، بعضوں نے میڈیا اور شمالی ایران قرار دیا۔ لیکن اب بیسویں صدی کی ابتدا سے اکثر محققین نے تاریخ گلڈنر (Geldner) کی رائے پر متفق ہو گئے ہیں اور عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ زردشت کا زمانہ وہی تھا جو سائرس کا تھا۔ اور گشتاسپ ہے جو دارا کا باپ اور ایک صوبے کا گورنر تھا۔ زردشت کا ظہور شمال مغربی ایران یعنی آذربائیجان میں ہوا جسے اوستا کے حصے ”ویندی داد“ میں ”ایریانہ ویجو“ (Airyana Vigo) سے تعبیر کیا ہے، البتہ کامیابی باختر میں ہوئی جس کا گورنر گشتاسپ تھا۔

اس تحقیق کے مطابق زردشت کا سال وفات تقریباً سنہ ۵۵۰ قبل مسیح سے لے کر سنہ ۵۸۳ قبل مسیح تک ہونا چاہیے اور سائرس کی تخت نشینی بالاتفاق سنہ ۵۵۰ قبل مسیح میں ہوئی، یعنی زردشت کی وفات کے تیس سال بعد، یا عین اسی سال۔

لیکن اگر سائرس زردشت کا معاصر تھا تو کیا کوئی براہ راست شہادت موجود ہے جس سے اس کا دین زردشتی قبول کرنا ثابت ہو؟ نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ تمام قرائن جمع کیے جائیں جو خود تاریخ کی روشنی نے مہیا کر دیے ہیں تو یقیناً ایک بالواسطہ شہادت نمایاں ہو جاتی ہے اور اس میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا کہ کہ سائرس نہ صرف دین زردشتی پر عامل تھا۔ بلکہ اس کا پہلا حکمران داعی تھا اور اسی نے یہ ورثہ اپنے جانشینوں کے لیے چھوڑا جو دو سو برس تک بلا استثناء دین زردشتی پر عمل پیرا رہے۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ روشنی جن واقعات سے پڑتی ہے، وہ دو ہیں اور دونوں کی تاریخی نوعیت مسلم ہے: پہلا واقعہ ”گوماتا“ (Gaumata) کی بغاوت کا ہے۔ جو سائرس کی



وفات کے آٹھ برس بعد ظہور میں آئی۔ دوسرا دارا کے کتبے ہیں جن سے اس کے دینی عقائد کی نوعیت آشکارا ہو گئی ہے۔

سائرس کا بالاتفاق سنہ ۵۲۹ قبل مسیح میں انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا کم بی سیز (Cambyses) کبوجیہ یا کیتباد) تخت نشین ہوا۔ اس نے سنہ ۵۲۵ ق م میں مصر فتح کیا۔ لیکن ابھی مصر ہی میں تھا کہ معلوم ہوا کہ ایران میں بغاوت ہوئی ہے اور ایک شخص ”گوماتا“ نامی نے اپنے آپ کو سائرس کا دوسرا لڑکا سمرڈیز (Smerdis - فارسی: بردیہ) مشہور کر دیا ہے جو بہت پہلے مرچکا تھا، یا مارڈالا گیا تھا۔ یہ خبر سن کر وہ مصر سے لوٹا لیکن ابھی شام میں تھا کہ سنہ ۵۲۲ ق م میں اچانک انتقال کر گیا۔ اب چونکہ سائرس کی براہ راست نسل سے کوئی شہزادہ موجود نہ تھا، اس لیے اس کا عمزاد بھائی دارا ابن گتاسپ تخت نشین ہو گیا۔ دارا نے بغاوت فرو کی، گوماتا کو قتل کیا اور نئی مملکت کو اس کے عروج و کمال تک پہنچا دیا۔ دارا کی تخت نشینی بالاتفاق سنہ ۵۲۱ ق م میں ہوئی ہے۔ پس اس کا عہد سائرس کے انتقال سے آٹھ برس بعد شروع ہو گیا تھا۔

یونانی مورخوں کی شہادت موجود ہے کہ یہ بغاوت میڈیا کے قدیم مذہب کے پیروں کی بغاوت تھی اور خود دارا اپنے کتبے بے ستون میں ”گوماتا“ کو ”مؤگوش“ لکھتا ہے یعنی مجوس، اور مجوسی مذہب سے مقصود قدیم مذہب ہے (۲۵)۔ تاریخ میں اس کا بھی سراغ ملتا ہے کہ پرانے مذہب کے پیروں کی سرکشی اس کے بعد بھی جاری رہی۔ چنانچہ دوسری بغاوت ”پراورتیش“ (Phraortes) نامی مجوس نے کی تھی جسے دارا نے ہمدان میں قتل کیا اور تیسری ”چترت خمہ“ (Chitratakhama) نامی نے جواربیل (Arbla) میں قتل ہوا۔

دوسرا واقعہ دارا کے کتبوں سے روشنی میں آیا ہے۔ یہ دنیا کی خوش قسمتی ہے کہ دارا نے بعض کتبے پہاڑوں کی محکم چٹانوں پر نقش کرائے جنہیں سکندر کا حملہ بھی برباد نہ کر سکا۔ ان میں سب سے زیادہ اہم کتبے بے ستون کا ہے جس میں دارا نے گوماتا مجوسی کی بغاوت اور اپنی تخت نشینی کی سرگزشت قلم بند کی ہے۔ دوسرا اصطخر کا ہے۔ جس میں اپنے تمام ماتحت ممالک کے نام گنوائے ہیں۔ ان دونوں میں وہ بار بار ”آہورا موزدہ“ (Ahura Mazda) کا نام لیتا ہے اور اپنی تمام کامرانیوں کو اس کے فضل و کرم سے منسوب کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ”آہورا موزدہ“ زردشت کی تعلیم کا ”اللہ“ ہے۔

ان دو واقعوں پر ایک تیسرے واقعہ کا بھی اضافہ کر دینا چاہیے۔ یعنی تاریخ میں کوئی اشارہ



اس کا نہیں ملتا کہ کم بی سز نے کوئی نیا دین قبول کیا تھا یا دارا کو اس طرح کا کوئی معاملہ پیش آیا تھا۔ ہیروڈوٹس نے دارا کی وفات سے پچاس ساٹھ برس بعد اپنی تاریخ لکھی ہے۔ (۴۶) اس کے لیے دارا کے عہد کے واقعات بالکل قریبی زمانے کے واقعات تھے۔ اور لیڈیا میں فارسی حکومت قائم ہو جانے کی وجہ سے یونانیوں اور فارسیوں کے تعلقات بھی روز بروز بڑھ رہے تھے، تاہم وہ کسی ایسے واقعہ کا ذکر نہیں کرتا پس سائرس کی وفات اور دارا کی تخت نشینی کے درمیان آٹھ برس کی جو مدت گزری ہے، ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس عرصے میں کسی نئی مذہبی دعوت کے ظہور و قبول کا کوئی واقعہ نہیں گزرا۔

اب غور کرو! ان واقعات کا لازمی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اگر سائرس کے بعد کمبی سز اور دارا نے کوئی نئی دعوت قبول نہیں کی تھی اور دارا کا دین زردشتی پر عمل تھا تو کیا اس سے ثابت نہیں ہو رہا ہے کہ دارا اور کم بی سز سے پہلے زردشتی دین خاندان میں آچکا ہے۔ اگر سائرس کی وفات کے چند سال بعد قدیم مذہب کے پیرو اس لیے بغاوت کرتے ہیں کہ کیوں کہ ایک نیا مذہب قبول کر لیا گیا ہے تو کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ سائرس نیا مذہب قبول کر چکا تھا اور تبدیل مذہب کا معاملہ نیا نیا پیش آیا تھا؟ پھر اگر زردشت سائرس کا معاصر تھا تو کیا یہ اس بات کا مزید ثبوت نہیں ہے کہ سب سے پہلے سائرس ہی نے یہ دعوت قبول کی تھی اور وہ فارس اور لیڈیا کا نیا شہنشاہ بھی تھا اور نئی دعوت کا پہلا حکمراں داعی بھی؟

اتنا ہی نہیں، بلکہ ہم غور کرتے ہیں تو اس زنجیر کی کڑیاں اور آگے تک بڑھتی جاتی ہیں، البتہ ہم اسے ایک قیاس سے زیادہ کہنے کی جرات نہیں کریں گے۔ اگر سائرس زردشت کا معاصر تھا اور سائرس کا ابتدائی زمانہ خاندان سے الگ اور گم نامی میں بسر ہوا تو کیا اسی زمانے میں دونوں شخصیتیں ایک دوسرے کے قریب نہیں پہنچ جاتیں؟ اور کیا ایسا نہیں سمجھا جاسکتا کہ کسی زمانے میں سائرس زردشت کی تعلیم و صحبت سے بہرہ مند ہوا؟ سائرس کی ابتدائی زندگی کی سرگزشت تاریخ کی ایک گم شدہ داستان ہے۔ پھر کیا اس داستان کا سراغ ہمیں ان دونوں شخصیتوں کی معاشرت کے واقعے میں نہیں مل جاتا؟

مؤرخ زینوفن نے سائرس کی ابتدائی زندگی کا افسانہ ہمیں سنایا ہے اس افسانے میں ایک پر اسرار شخص کی پرچھائیں صاف نظر آرہی ہے جو دشت و جبل کے اس پروردہ قدرت کو آنے والے کارناموں کے لیے تیار کر رہا ہے۔ کیا اس پرچھائیں میں ہم خود زردشت کی مقدس شخصیت کی نمود نہیں دیکھ رہے؟ اگر زردشت کا ظہور شمال مغربی ایران میں ہوا تھا اور اگر سائرس کی ابتدائی گمنامی کا کارنامہ بھی شمالی کوہستان میں بسر ہوا تو کیوں یہ دونوں کڑیاں باہم ملکر ایک گم شدہ داستان کا سراغ نہ بن



جائیں؟

سائرس کی شخصیت وقت کے تمام ذہنی اور اخلاقی رجحانات کے برخلاف ایک انقلاب انگیز شخصیت تھی۔ ایسی شخصیت کسی انقلاب انگیز داعی کی دعوت ہی سے پیدا ہو سکتی ہے اور صاف نظر آ رہا ہے کہ وہ داعی شخصیت زردشت ہی کی تھی۔

بہر حال سائرس نے اپنی ابتدائی گم نامی کے عہد میں نئی دعوت قبول کی ہو، یا تخت نشینی کے بعد، لیکن یہ قطعی ہے کہ وہ دین زردشتی پر عامل تھا۔

لیکن اگر ذوالقرنین دین زردشتی پر عامل تھا اور قرآن ذوالقرنین کے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا اثبات کرتا ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ اسے ”ملہم من اللہ“ قرار دیتا ہے تو کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زردشت کی تعلیم دین حق کی تعلیم تھی؟ یقیناً لازم آتا ہے۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اس لزوم سے ہم بچنے کی کوشش کریں، کیوں کہ یہ حقیقت اب پوری طرح روشنی میں آچکی ہے کہ زردشت کی تعلیم سرتاسر خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم تھی اور آتش پرستی اور مجوسیت کا اعتقاد اس کا پیدا کیا ہوا اعتقاد نہیں ہے، بلکہ قدیم میدوی مجوسیت کا رد عمل ہے۔

جس طرح روم کی مسیحیت قدیم رومی بت پرستی کے رد عمل سے محفوظ نہ رہ سکی، اسی طرح زردشت کی خالص خدا پرستانہ تعلیم بھی قدیم مجوسیت کے رد عمل سے بچ نہ سکی، خصوصاً ساسانی عہد میں جب وہ از سر نو مدون ہوئی تو اصل تعلیم سے بالکل ایک مختلف چیز بن چکی تھی۔

زردشت کے ظہور سے پہلے فارس اور میڈیا کے باشندوں کے عقائد کی بھی نوعیت وہی تھی۔ جو انڈو یورپین آریاؤں کی تمام دوسری شاخوں کی رہ چکی ہے۔ ہندوستان کے آریاؤں کی طرح ایران کے آریوں میں بھی پہلے مظاہر قدرت کی پرستش شروع ہوئی۔ پھر سورج کی عظمت کا تصور پیدا ہوا، پھر زمین میں آگ نے سورج کی قائم مقامی پیدا کر لی، کیوں کہ تمام مادی عناصر میں روشنی اور حرارت کا سرچشمہ وہی تھی۔ یونانیوں میں ایسے دیوتاؤں کا تصور پیدا ہوا جن سے اچھائی اور برائی دونوں ظہور میں آتی تھیں، لیکن ایرانیوں کے تصور نے دیوتاؤں کو دو متقابل قوتوں میں تقسیم کر دیا: ایک قوت پاک دیوتائی ہستیوں کی تھی جو انسان کو زندگی تمام خوشیاں بخشتی تھیں۔ دوسری قوت برائی کی عفریتوں کی تھی۔ جو قہر و غضب کا سرچشمہ تھے، روحانی ہستیوں کی نمود روشنی میں ہوئی اور شیطان کی تاریکی میں (۴۷) برائی کے دیوتا قہر و غضب کے سرچشمے ہیں اور اس کے لیے قربانیوں اور نذرانوں



کے ذریعے ان کا غضب ٹھنڈا کرنا ضروری تھا۔

اچھائی برائی کا جس قدر تصور تھا، وہ یونانیوں کی طرح صرف مادی زندگی کی راحت اور محرومیوں ہی میں محدود تھا۔ روحانی زندگی اور اس کی سعادت و شقاوت کا کوئی تصور پیدا نہیں ہوا تھا۔ آگ کی پرستش کی قربان گاہیں بنائی جاتی تھیں اور اس کے خاص پجاریوں کا ایک مقدس گروہ بھی پیدا ہو گیا تھا اس کے افراد ”موگوش“ کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آگے چلکر اسی لقب نے آتش پرستی کا مفہوم پیدا کر دیا۔ (۴۸) گاتھا میں زردشت نے انھیں کاوی اور کارپان کے نام سے پکارا ہے۔ کارپان غالباً وہی لفظ ہے جو سنسکرت میں کلپ ہے جس کے معنی مذہبی ریت کے ہیں۔ ”کوی“ ہندوستان میں شاعر کو کہا گیا ہے، وہاں جادوگر کے معنوں میں مستعمل ہوا، ”وان من البیان لہرا“۔

لیکن زردشت نے ان تمام عقائد سے انکار کر دیا۔ اس نے خدا پرستی، روحانی سعادت و شفقت اور آخرت کی زندگی کا عقیدہ پیدا کیا۔ اس نے کہا: یہاں نہ تو خیر کی بہت سی روحانی ہستیاں ہیں، نہ شر کے بہت سے عفریت۔ یہاں صرف ایک ”آہوراموزدہ“ کی ہستی ہے جو یگانہ ہے، نور ہے، قدوس ہے، حق ہے، حکیم ہے، قدیر ہے اور تمام ہستی کی خالق ہے۔ کوئی ہستی نہیں جو اس کے مثل ہو یا اس کے ہمتا ہو، یا اس کی شریک ہو۔ تم نے جن روحانی قوتوں کو خیر کا خالق سمجھ رکھا ہے وہ خالق وقادر نہیں ہیں، بلکہ ”آہورہ موزودہ“ کے پیدا کیے ہوئے ”امش سپند“ ہیں، یعنی ملائکہ ہیں (۴۹)۔ اور شر کا ذریعہ دیووں کی خوف ناک قوت نہیں ہے، بلکہ ”انگروے نیوش“ (اہرمن) (۵۰) کی ہستی ہے شیطان کی ہستی ہے۔۔۔ یہ اپنی وسوسہ اندازیوں سے انسان کو تاریکی کی طرف لے جاتی ہے۔

زردشت کی تعلیم کا عملی پہلو سب سے زیادہ اہم ہے۔ یونانیوں کی طرح اس کا اخلاق تصور مذہب سے الگ نہیں تھا۔ بلکہ عین مذہب میں تھا، اس نے مذہب کو محض ایک قومی اور ملکی مذہب کی نشان نہیں دی بلکہ انفرادی زندگی کا روزانہ کا دستور العمل بنا دیا۔ نفس کی طہارت اور اعمال کی درستگی اس کی تعلیم کا اصلی محور ہے۔ انسانی زندگی کا ہر خیال، ہر قول، ہر فعل ضروری ہے کہ اس معیار پر پورا اترے۔ ”فلکر کی راستگی گفتار کی راستی اور کردار کی راستی“ پرستاران آہورہ موزودہ کے لیے تین بنیادی



اصول تھے (وندیداہ ۱۹/۱۰) پروفیسر گرینڈی کے لفظوں میں ”اس کا مذہب حقیقت اور عمل کا مذہب تھا۔ یونانی مذہب کی طرح محض رسموں اور ریتوں کا مذہب نہ تھا۔ اس نے مذہب کو ایرانیوں کی روزانہ زندگی کی ایک حقیقت بنا دیا اور اخلاق اس مذہب کا مرکزی عنصر تھا“ (۵۱)۔

اس کی عبادت کا تصور ہر طرح کے اصنامی اثرات سے پاک تھا۔ عبادت ہمیں اس لیے نہیں کرنی چاہیے کہ خدا کے غضب و انتقام سے بچیں، بلکہ اس لیے کہ اس سے برکتیں اور سعادتیں حاصل کریں۔ اگر ہم اہوراموزہ کی عبادت نہیں کریں گے تو وہ ہمیں یونانی اور ہندوستانی دیوتاؤں کی طرح اپنے غضب کا نشانہ نہیں بنائے گا، لیکن خود ہم سعادت سے محروم رہ جائیں گے۔ اس کی تعلیم کا سب سے نمایاں پہلو آخرت کی زندگی کا اعتقاد ہے۔ وہ کہتا ہے: انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے جتنی اس دنیا میں گزرتی ہے۔ اس کے بعد بھی ایک زندگی پیش آئے گی۔ اس زندگی میں دو عالم ہوں گے: ایک اچھائی اور سعادت کا، دوسرا برائی اور شقاوت کا۔ جن لوگوں نے اس زندگی میں نیک عمل کیے ہیں وہ پہلے عالم میں جائیں گے، جنہوں نے برے عمل کیے ہیں دوسرے عالم میں اور اس کا فیصلہ اس دن ہو گا جسے وہ ”آخری فیصلے“ کا دن قرار دیتا ہے۔ بقاء روح کا مسئلہ اس کے مذہب کی بنیادی چٹان ہے۔ انسان فانی ہے مگر اس کی روح فانی نہیں۔ وہ اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور ثواب و عتاب کے دو عالموں میں سے کسی عالم میں داخل ہو جاتی ہے (۵۲)۔

موجودہ عہد کے تمام محققین متفق ہیں کہ زردشت کی تعلیم نے انسان کے اخلاقی اور فکری ارتقاء میں نہایت مؤثر حصہ لیا ہے۔ اس نے پانچ سو برس قبل مسیح ایرانیوں کو اخلاقی پاکیزگی کی ایک ایسی سطح پر پہنچا دیا تھا جہاں سے ان کے معاصر یونانیوں اور رومیوں کی زندگی بہت ہی پست دکھائی دیتی ہے۔ ایک ایسا مذہب جس کی تعلیم کا رخ سرتا سرتا انفرادی زندگی کی پاکیزگی کی طرف تھا اور جو اپنے پیروؤں کی اخلاقی روش کے لیے نہایت بلند مطالبے رکھتا تھا، ضروری تھا کہ اعمال و خصائل کے بہتر سانچے ڈھال دے اور تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ اس نے ڈھال دیے تھے۔ یہ شہادت کن لوگوں کے قلم سے نکلی ہے؟ ان لوگوں کے قلم سے جو کسی طرح بھی ایرانیوں کے دوست نہیں سمجھے جا سکتے۔ پانچویں اور چوتھی صدی قبل مسیح کا تمام زمانہ ایرانیوں اور یونانیوں کی مسلسل آویزش کا زمانہ رہا ہے اور ہیروڈوٹس اور زینوفن نے جب تاریخیں لکھی ہیں تو یونانیوں کے حریفانہ جذبات پوری طرح ابھرے ہوئے تھے۔ تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایرانیوں کی اخلاقی فضیلت سے انکار نہیں کر سکتے۔ انھیں



ماننا پڑتا ہے کہ ان میں بعض ایسی عظیم فضیلتیں ہیں جو یونانیوں میں نہیں پائی جاتیں۔ ہم یہاں چھوڑ کر ان کی قوموں میں عام طور پر دکھائی نہیں دیتیں۔“

ان کی راست بازی، رحم دلی، شجاعت اور بلند نظری کا سب اعتراف کرتے ہیں اور یہ یقیناً زردشت کی تعلیم کے لازمی نتائج تھے۔

دارائے اول کا زمانہ اس مذہب کی بلند آہنگی کا شاندار زمانہ تھا۔ اس کے کتبوں میں ہمیں زردشتی تعلیم کی صدائیں صاف سنائی دے رہی ہیں اور ان سے ہم حقیقت حال معلوم کر لے سکتے ہیں۔ بہستون (Behistun) کا کتبہ ڈھائی ہزار برس پیشتر کی یہ منادی آج تک بلند کر رہا ہے۔

”خدائے برتر! اہورہ موزدہ ہے۔ اسی نے زمیں پیدا کی، اسی نے آسمان بنایا، اسی نے انسان کی سعادت بنائی اور وہی ہے جس نے دارا کو بہتوں کا تنہا حکمراں اور آئین ساز بنایا۔“ دارا اعلان کرتا ہے کہ اہورہ موزدہ نے اپنے فضل سے مجھے بادشاہت دی اور اسی کے فضل سے میں نے زمین میں امن و امان قائم کیا۔ میں اہورہ موزدہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے، میرے خاندان کو اور تمام ملکوں کو محفوظ رکھے۔ اے اہورہ موزدہ! میری دعا قبول کر۔

اے انسان! اہورہ موزدہ کا تیرے لیے حکم یہ ہے کہ برائی کا دھیان نہ کر، صراط مستقیم کو نہ چھوڑ، برائی سے بچتا رہ۔“ (۵۳)

یاد رہے دارا سائرس کا معاصر تھا اور اس کی وفات سے صرف آٹھ سال بعد تخت نشین ہوا۔ پس دارا کی صداؤں میں ہم خود سائرس کی صدائیں سن رہے ہیں۔ اس کا بار بار اپنی کامرائیوں کو اہورہ موزدہ کے فضل و کرم سے منسوب کرنا ٹھیک ٹھیک ذوالقرنین کے اس طریق خطاب کی تصدیق ہے: ”ہذا رحمۃ من ربی۔“

لیکن چوتھی صدی قبل مسیح کے بعد زردشتی مذہب کا تنزل شروع ہو گیا۔ ایک قدیم مجوسی مذہب نے آہستہ آہستہ سراٹھایا، دوسری طرف خارجی اثرات بھی کام کرنے لگے، یہاں تک کہ انٹانین (Antonine) شہنشاہ روم کے زمانے میں ہم دیکھتے ہیں کہ سائرس اور دارا کے عہد کے زردشتی مذہب نے بالکل ایک دوسری ہی شکل اختیار کر لی ہے جب سکندر اعظم کی فتوحات کا سیلاب اٹھا تو وہ



ایران کی دو صد سالہ شہنشاہی ہی نہیں بلکہ اس کا مذہب بھی بہا لے گیا۔ ایرانیوں کا قومی افسانہ کہتا ہے کہ ”زردشت کا مقدس صحیفہ ”اوستا“ بارہ ہزار بیلوں کی مدبوغ کھالوں پر آب زر سے لکھا ہوا تھا جو سکندر کے حملہ اصطخر میں جل کر راکھ ہو گیا۔“ بارہ ہزار بیلوں کی کھال کا حصہ تو محض مبالغہ ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ نجات نصر کے حملہ بیت المقدس نے جو سلوک تورات کے ساتھ کیا تھا وہی سکندر کے حملہ ایران نے اوستا کے ساتھ کیا، یعنی دونوں جگہ مذہب کا اصلی نوشتہ مفقود ہو گیا۔

پھر جب پانچ سو پچاس برس کے بعد ساسانی دور حکومت شروع ہوا تو مذہب زردشت کی از سر نو تدوین کی گئی اور جس طرح قید بابل کے بعد عزرا نے نئی تورات مرتب کی تھی اسی طرح اسد شیر بابکانی نے از سر نو اوستا کا نسخہ مرتب کرایا لیکن اب مذہب کی تمام حقیقی خصوصیات طرح طرح کی تبدیلیوں، تحریفوں اور اضافوں سے یک قلم مسخ ہو چکی تھیں۔ چنانچہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ ساسانی عہد کا مذہب قدیم مجوسیت، زردشت اور یونانیت کا ایک مخلوط مرکب ہے اور اس کا بیرونی رنگ و روغن تو تمام تر موجودیت ہی نے فراہم کیا ہے۔ اسی ساسانی اوستا کا ایک ناقص اور محرک ٹکڑا ہے جو ہندوستان کے پارسیوں کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے اور جس کے لیے ہم ایک فرینچ مستشرق آئیک تیل (Anquetil) کی الوالعزمیوں اور عالمی قربانیوں کی شکر گزار ہیں۔ (۵۴) اس باقی ماندہ اوستا کے مجموعے میں صرف پانچ گاتھاؤں کا حصہ بلاشبہ زردشتی عہد کی خبر دیتا ہے۔ باقی حصے بعد کے عہدوں کی مخلوق ہیں جن سے ساسانی مذہب کے عقائد و اعمال کی ایک ناقص شبیہ مل جاتی ہے۔

اس سلسلے میں ایک بحث طلب سوال اور ہے اور ضروری ہے کہ اس پر بھی نظر ڈال لی جائے۔ یہ مسلم ہے کہ پیروان زردشت میں بت پرستی کی کوئی شکل بھی سر نہ اٹھاسکی (۵۵)۔ قدیم مجوسی مذہب میں بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا، لیکن ایران میں دارا اور اس کے بعد کے عہد کے جو آثار ملے ہیں ان میں ایک خاص صورت کا نقش پایا جاتا ہے۔ یہ بادشاہ کی تصویر نہیں ہو سکتی، کیوں کہ بادشاہ کی شخصیت مرقع میں الگ نمایاں ہے۔ اس کا محل ہر جگہ بلندی میں اور سب سے اوپر واقع ہوا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ خود بادشاہ سے بھی کوئی بلندتر ہستی ہو۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ ہستی کون ہے؟ سب سے پہلے یہ صورت بے ستون (۵۶) کے مرقع میں زیر بحث ہوئی، جب سنہ ۱۸۴۷ء میں کرنیل رالین سن (Rawlinson) نے اپنی شرح و حل کے ساتھ اصل مرقع کا چرہ شائع کیا۔ پھر یہی صورت معتد نقوش میں ملی۔ مثلاً دارا کی سرکاری مہر کے مرقعے میں، نقش رستم میں، جو دراصل دارا کی قبر ہے،



اصتر کے محل شاہی کے دروازے پر جو غالباً درمیانی دروازہ ہے۔

رالن سن سے پہلے سر رابرٹ کیر پارٹر (Sir Robert Kerr Porter) نے یہ نظریہ قائم کر لیا تھا کہ یہ کوئی مافوق انسانیت ہستی ہونی چاہیے جو خود بادشاہ سے بھی اوپر اپنی جگہ رکھتی ہے۔ رالن سن ایک قدم اور آگے بڑھا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ یہ اہوراموزدہ کی ہستی ہے، یعنی خدا کی، چنانچہ اس وقت سے یہ رائے برابر مقبول ہوتی گئی۔ اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ایرانی اگرچہ بت پرستی سے مجتنب رہے، لیکن انھوں نے اہوراموزدہ کی ہستی کے لیے ایک مرموز (یعنی Symbolic) شخص کا تصور ضرور قائم کر لیا تھا۔ جو ان تصویروں میں نمایاں ہے اور یہ مصریوں اور شوریوں کے مرموز تجسم کا اثر تھا جس سے وہ بھی متاثر ہو گئے۔ (۵۷)

لیکن سنہ ۱۹۰۸ء سے (جب کہ میں نے پہلے پہل ایرانی آثار قدیمہ کا بغور مطالعہ کیا) میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ قیاس اول دن سے ہی غلط رخ پر چلا ہے اور تمام تاریخی اور عقلی قرائن اس کے خلاف ہیں:

اولاً، تمام تاریخی شہادتیں اور خود پارسیوں کا مسلسل تعامل ثابت کر رہا ہے کہ انھوں نے الوہیت کا تصور کبھی کسی انسانی جسم و صورت میں نہیں کیا۔ اور کبھی کسی مجسمہ کو تقدیس کی نظر سے نہیں دیکھا۔

ثانیاً، اگر امتداد زمانہ سے یہ چیز پیدا بھی ہو گئی ہو جب بھی کسی طرح یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ خود دارا کے عہد میں پیدا ہو گئی ہو، جو زردشت کی تعلیم کا ابتدائی عہد تھا اور جب یونانی مورخوں کی شہادت کے مطابق ایرانی یونانی بت پرستی کو حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔

ثالثاً، اس شبیہ میں کوئی ایسی بات نہیں جو معبودیت اور الوہیت کی کوئی خاص شان رکھتی ہو۔ ہر جگہ اس کی ایک ہی صورت اور وضع ہے اور وہ ایک معمولی انسان کی ہے جس نے اس زمانے کا عام لباس پہن رکھا ہے، وہی لباس جو خود دارا اور اس کے جانشینوں کی تصویروں میں دکھایا گیا ہے صرف اتنی بات اس میں زیادہ ہے کہ ایک حلقہ اس کی کمر سے نیچے چاروں طرف بنا دیا گیا ہے اور عقب میں ایک ایسا طولانی نقش ہے جس میں لہروں کی سی شان پیدا ہو گئی ہے۔ اس حلقے اور لہروں کو سورج کی مرموز شکل قرار دیا گیا ہے۔ اگر یہ رائے تسلیم بھی کر لی جائے جب بھی یہ اس کے لیے کافی نہیں کہ محض یہ



مشتبہ حلقہ اور مشتبہ لہریں ایک خالق ہستی کے تصور کے لیے پیروان زردشت کا منہمائے خیال تھا۔  
 رابعاً، اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ اس حلقے اور لہروں میں ایک مادراء انسانیت ہستی کا  
 تصور مرموز تھا جب بھی یہ اہور موزدہ کی ہستی کیوں ہو، جس کی نسبت زردشت نے تقدس و علو کا اس درجہ  
 بلند تصور قائم کیا ہے؟ کیوں یہ کسی ایسے انسان کی صورت نہ ہو جو اگرچہ انسان تھا مگر اپنی انسانیت کی  
 رفعت و تقدس کی وجہ سے ایک غیر معمولی ہستی سمجھا جاتا تھا، مثلاً خدا کی ایک فرستادہ ہستی؟  
 بہر حال اس رخ پر ہم جس قدر بڑھتے ہیں یہ بات واضح ہوتی جاتی ہے کہ اسے اہور موزدہ  
 کی ہستی سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ یہ یا تو خود زردشت کی تصویر ہے جو ایرانی مذہب کا بانی تھا، یا  
 سائرس کی ہے جو اس مذہب کا حکمران پیغمبر اور ہخامنشی (Achaemenides) شہنشاہی کا پہلا  
 تاجدار تھا۔

چونکہ اس صورت کے بائیں ہاتھ میں ہر جگہ ایک حلقہ دکھایا گیا ہے اور ایرانی نقوش میں حلقے  
 کی شکل حکومت و تاجداری کی علامت سمجھی جاتی تھی، اس لیے زیادہ قرین قیاس یہ بات معلوم ہوتی ہے  
 کہ سائرس کی تصویر ہو۔ (۵۸)

۸۔ جہاں تک قرآن کی تصریحات کا تعلق ہے، ایک اہم سوال اور باقی رہ گیا ہے۔ قرآن  
 میں ہے ”قلنا ید القرنین“ ہم نے کہا: اے ذوالقرنین۔ اس خطاب کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس کا  
 مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین براہ راست وحی الہی سے مخاطب تھا؟ مفسرین نے اس پر طبع آزمائی کی ہیں  
 اور چونکہ امام رازی سکندر مقدونی کو ذوالقرنین بنانا چاہتے ہیں اور وہ بنتا نہیں اس لیے مجبور ہوئے ہیں  
 کہ یہاں ”قلنا“ کے منطوق پر اس کے مفہوم کو ترجیح دیں۔

اسم میں شک نہیں کہ ”قلنا“ کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بالواسطہ خطاب ہو، یعنی  
 اس عہد کے کسی پیغمبر کے ذریعے ذوالقرنین کو مخاطب کیا گیا ہو جیسا کہ ”قلنا اضربوہ  
 ببعضہا“ (۷۳:۲) میں ہے، یا خطاب قولی نہ ہو، تکوینی ہو، جیسا کہ ”وقیل یا رض ابلعی مانک ویسما  
 اقلعی“ (۴۴:۱۱) اور ”قلنا ینار کونی برداً و سلماً علی ابراہیم“۔ (۶۹:۲۱) وغیرہ آیات میں ہے۔ لیکن اس  
 طرح کا مطلب جہی قرار دینا چاہیے کہ اسکے لیے قوی وجوہ موجود ہوں اور یہاں کوئی وجہ موجود  
 نہیں۔ آیت کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ ذوالقرنین کو اللہ نے براہ راست مخاطب کیا اور اس پر  
 اللہ کی وحی نازل ہوتی تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ وحی نبوت کی وحی تھی یا اس طرح کی وحی جیسی



حضرت موسیٰ کی والدہ کی نسبت بیان کی گئی ہے کہ ”واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ (۴:۲۸) تو صحابہ و سلف سے جو تفسیر منقول ہے وہ یہی ہے کہ ذوالقرنین نبی تھا اور متاخرین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر بھی اسی تفسیر کی تائید کرتے ہیں۔

اور غور کرو! قرآن کا بیان سائرس کی شخصیت پر کس طرح ٹھیک ٹھیک منطبق ہو رہا ہے؟ تاریخ اس کی پیغمبرانہ شخصیت کی شہادت دے رہی ہے اور عہد عتیق کے انبیاء اسے صریح خدا کا برگزیدہ، اس کا مسیح اور اسکی مرضی پوری کرنے والا کہہ رہے ہیں۔ عزرا نبی کی کتاب میں اس کا جو فرمان تعمیر بیت المقدس کے لیے نقل کیا گیا ہے، اس میں وہ خود اعلان کرتا ہے: ”خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہودیوں کے ملک میں اس کی عبادت کے لیے ایک ہیکل تعمیر کروں“۔ اس کا یہ کہنا کہ ”خدا نے مجھے حکم دیا ہے“۔ ٹھیک ٹھیک ”قلنا ید القرنین“ کی تصدیق ہے۔ ہم اس سے پہلے اس کی خدا پرستی کے اثبات میں جو کچھ لکھ چکے ہیں؟ اس میں سے ہر بات ٹھیک ٹھیک اس کی نبوت کے ثبوت میں بھی کہی جاسکتی ہے۔

۹۔ اب صرف ایک معاملے کی تشریح باقی رہ گئی ہے، یعنی یاجوج و ماجوج سے کون سی قوم مراد ہے اور جو سد سائرس نے بنائی تھی اس کی تاریخی نوعیت کیا ہے؟

قرآن مجید نے یاجوج اور ماجوج کا دو جگہ ذکر کیا ہے: ایک تو یہاں ہے، دوسرا سورۃ انبیاء میں ہے: ”حتی اذا فتحت یاجوج و ماجوج اہم من کل حدب ینسلون“۔ (۹۶:۲۱)

یاجوج و ماجوج کا نام سب سے پہلے عہد عتیق میں آیا ہے۔ حزقیل نبی کی کتاب میں جنہیں بخت نصر اپنے آخری حملہ بیت المقدس میں گرفتار کر کے بابل لے گیا تھا۔ اور جو سائرس کے ظہور تک زندہ رہے، یہ پیشین گوئی ملتی ہے:

”اور خداوند کا کلام مجھ تک پہنچا۔ اس نے کہا: اے آدم زاد! تو جوج کی طرف اپنا منہ کر کے اس کے برخلاف نبوت کر۔ جوج کی طرف، جو ماجوج کی سر زمین کا ہے اور روش، مسک اور توبال کا سردار ہے۔ خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ میں تیرا مخالف ہوں۔ میں تجھے پھر ادونگا، میں تیرے جڑوں میں بنسیاں ماروں گا۔ تیرے سارے لشکر گھوڑوں اور سواروں کو جو جنگی پوشاک پہنے جو پھریاں اور سپریں لیے ہوئے ہیں اور سب شمشیر بکف ہیں، کھینچ نکالوں گا، اور میں ان کے ساتھ فارس اور کوش



اور فوط کو بھی کھینچ نکالوں گا جو سپر لیے ہوئے اور خود پہنے ہوں گے، نیز جو مرا اور شمال بعید کے اطراف کے باشندگان تخرمہ اور ان کا سارا لشکر۔

اس کے بعد دور تک تفصیلات چلی گئی ہیں اور چار باتیں خصوصیت کے ساتھ کہی گئی ہیں: ایک یہ کہ جوج شمال کی طرف سے آگے تاکہ لوٹ مار کرے۔ دوسری یہ کہ ماجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں سکونت رکھتے ہیں، تباہی آئے گی، تیسری یہ کہ جو لوگ اسرائیل کے شہروں میں بسنے والے ہیں، وہ بھی ماجوج کے مقابلے میں حصہ لیں گے اور ان کے بے شمار ہتھیار ان کے ہاتھ آئیں گے۔ چوتھی یہ کہ ماجوج کی تباہی کا گورستان ”مسافروں کی وادی“ میں بنے گا جو سمندر کے پورب میں ہے۔ ان کی لاشیں عرصوں تک وہاں پڑی رہیں گی، لوگ انھیں □ گاڑتے رہیں گے تاکہ رہ گزر صاف ہو جائے۔ (باب: ۳۸ و ۳۹)

یہ واضح رہے کہ اس پیشین گوئی سے پہلے سائرس کے ظہور اور یہودیوں کی آزادی و خوش حالی کی پیشین گوئی بیان کی جا چکی ہے۔ اور اس پیشین گوئی کا محل ٹھیک اس مکاشفے کے بعد ہے جس میں حزقیل نے بنی اسرائیل کی سوکھی ہڈیوں کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھا تھا اور جسے قرآن نے بھی سورۃ بقرہ کی آیت ”او کلذی مر علی قریۃ وہی خاویۃ علی عروشہا“ (۲: ۲۵۹) میں بیان کیا ہے۔ پس ضروری ہے کہ ماجوج اور ماجوج کا معاملہ بھی اسی زمانے کے لگ بھگ پیش آنے والا ہو، یعنی سائرس کے زمانے میں اور یہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا ایک مزید ثبوت ہے، کیوں کہ قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ اسی نے ماجوج ماجوج کے حملوں کی روک تھام کے لیے ایک سد تعمیر کی تھی۔ عہد عتیق کے بعد یہ نام ہمیں مکاشفات یوحنا میں بھی ملتا ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا اور وہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی، یعنی ماجوج و ماجوج کو گمراہ کرنے اور لڑانے کے لیے جمع کرنے نکلے گا ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا وہ تمام زمین کی وسعتوں پر چڑھ جائیں گی۔ (۷: ۲۰) ماجوج اور ماجوج کے لیے یورپ کی زبانوں میں Gog اور Magog کے نام مشہور ہو گئے ہیں اور شارحین تورات کہتے ہیں کہ یہ نام سب سے پہلے تورات کے ترجمہ سبعینی (۵۹) میں اختیار کیے گئے تھے۔ لیکن کیا اس لیے اختیار کیے گئے کہ جوج اور ماجوج کا یونانی تلفظ یہی ہو سکتا ہے، یا خود یونانی میں یہ نام پہلے سے موجود تھے؟ اس بارے میں شارحین کی رائیں مختلف ہیں، لیکن زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں نام اسی طرح یا اس



کے قریب قریب یونانیوں میں بھی مشہور تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کون قوم تھی؟ تمام تاریخی قرائن متفق طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے اس کے سوا کوئی نہیں یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی مگر طاقت ور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ سے لیکر نویں صدی مسیحی تک برابر مغرب کی طرف امنڈتا رہا، جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لیے چینوں کو سیکڑوں میل لمبی دیوار بنانی پڑی تھی۔ جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں اور جن کا آخری قبیلہ یورپ میں میگر (Magyar) نام سے مشہور ہوا اور ایشیا میں تاتاریوں کے نام سے۔ اسی قوم کی ایک شاخ تھی جسے یونانیوں نے سیٹھین (Scythian) کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے حملوں کے لیے سائرس نے سد تعمیر کی تھی۔

شمال مشرق کے اس علاقے کا بڑا حصہ اب ”منگولیا“ کہلاتا ہے، لیکن منگول (Mongol) لفظ کی ابتدائی شکل کیا تھی؟ اس کے لیے جب ہم چین کے تاریخی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں (اور ہمیں اسی طرف رجوع ہونا چاہیے کیوں کہ وہ منگولیا کے ہم سایہ میں ہے) تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم نام ”موگ“ ہے جو چھ سو برس قبل مسیح یونانیوں میں ”میگ“ اور ”مے گاگ“ پکارا جاتا ہوگا اور یہی عبرانی میں ”ما جوج“ ہو گیا۔

چین کی تاریخ میں ہمیں اس علاقے کے ایک اور قبیلے کا ذکر بھی ملتا ہے جو ”یواچی“ (Yueh-chi) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہی ”یواچی“ ہے جس نے مختلف قوموں کے مخارج و تلفظ سے گزر کر کوئی ایسی شکل اختیار کر لی تھی کہ عبرانی میں ”یا جوج“ ہو گیا۔

اس امر کی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ ان نتائج پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے جو مختلف قوموں کے نسلی، جغرافیائی اور لغوی علاقوں کی بحث و تنقیب سے پیدا ہوئے ہیں اور جو موجودہ زمانے میں تاریخ اقوام کے طے شدہ مبادیات ہیں۔

کرۃ ارضی کی بلند سطح کا وہ حصہ جو شمال مشرق میں واقع ہے جسے آج کل منگولیا اور چینی ترکستان کے نام سے پکارا جاتا ہے، تاریخ قدیم کی بے شمار قوموں کا ابتدائی گہوارہ رہ چکا ہے یہ نسل انسانی کا ایک ایسا سرچشمہ تھا جہاں پانی برابر ابلتا اور جمع ہوتا رہتا اور جب بہت بڑھ جاتا تو مغرب و مشرق کی طرف امنڈنا چاہتا۔ اس کے مشرق میں چین تھا، مغرب و جنوب میں مغربی اور جنوبی ایشیا اور



شمال مغرب میں یورپ۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے قوموں اور قبیلوں کے سیلاب امنڈتے رہے۔ کچھ وسط ایشیا میں آباد ہو گئے۔ کچھ آگے بڑھے اور شمالی یورپ تک پہنچ گئے۔ کچھ وسط ایشیا سے نیچے اتر گئے اور جنوبی اور مغربی ایشیا پر قابض ہو گئے۔ یہ قبائل جو اس علاقے سے نکلتے تھے، مختلف ملکوں میں بس کر وہاں کی خصوصیات اختیار کر لیتے تھے اور رفتہ رفتہ ایک مقامی قوم بن جاتے تھے، لیکن ان کا وطنی سرچشمہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہتا، یہاں تک کہ پھر قبائل کا ایک نیا سیلاب اٹھتا اور کسی نئے علاقے میں پہنچ کر نئی مقامی قومیت کی تخلیق کر دیتا۔

یہ علاقہ صدیوں تک اپنی اصلی وحشیانہ حالت پر باقی رہا۔ لیکن جو قبائل یہاں سے نکل نکل کر مختلف ملکوں میں بستے گئے، انھوں نے مقامی خصوصیات اختیار کر کے تہذیب و تمدن کی طرف بڑھنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ چند صدیوں کے بعد ان کی حالت اس درجہ مختلف ہو گئی کہ ان میں اور ان کے قدیم ہم وطنوں میں کوئی بات بھی مشترک باقی نہیں رہی۔ وہ اب مہذب ہو رہے تھے، یہ بدستور وحشی تھے۔ وہ تہذیب کے صنایع ہتھیاروں سے لڑتے تھے، یہ وحشت کی قدرتی ہجرت اور زندگی سے۔ ان میں زراعت، صنعت اور ذہنی ترقی کی مختلف شاخیں ابھر رہی تھیں، وہ ان سب سے نا آشنا تھے۔ سرد علاقے کی صحرائی زندگی اور وحشیانہ خصائل کی خشونت نے انھیں وقت کی شائستہ اقوام کے لیے ایک خوف ناک ہستی بنا دیا تھا۔

قبل اس کے کہ تاریخی عہد کی صبح طلوع ہو، شمال مشرقی قبائل کی یہ مہاجرت شروع ہو چکی تھی اور اس کا سلسلہ تاریخی عہد میں بھی بدستور جاری رہا۔

انھیں قبائل کا ایک ابتدائی گروہ وہ تھا جو آریں نسل (Aryans) کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اس کا ایک حصہ وسط ایشیا سے یورپ کی طرف بڑھ گیا، ایک نیچے اتر کر پنجاب میں آباد ہو گیا۔ ایک مغرب کی طرف بڑھا اور فارس اور میڈیا اور انا تولا میں بس گیا۔ اسے اب انڈو یورپین آریا کے نام سے شناخت کیا جاتا ہے، کیوں کہ یہ ہندوستان اور یورپ دونوں کی آریائی اقوام کے مورث اعلیٰ تھے۔ ان کا جو حصہ شمالی ہند میں بس گیا تھا اس نے اپنا نسلی خطاب برابر یاد رکھا اور اپنے کو آریا ورت کہتا رہا۔ جو فارس اور میڈیا میں بسا اس نے اپنی ابتدائی قیام گاہ کو ایریا نہ کے نام سے موسوم کیا۔ (جسے اوستا میں ایریا نہ و یگو (Airyana Vego) کہا گیا ہے) اور یہی ایریانی ایران ہو گیا۔ جو قبائل انا تولا تک پہنچ گئے تھے، وہ غالباً ہیٹی (Hittite) کے نام سے پکارے گئے، جنھیں تورات کی کتاب



پیدائش میں ”حتی“ کہا گیا ہے اور مصر کے قدیم نوشتوں میں ”ختی“ پایا جاتا ہے۔

جو قبائل یورپ میں پہنچے وہ گوتھ (Goth)، فرانک (Frank)، الامان (Alamanni)، ونڈال (Vandal)، ٹیوٹان (Teutan) اور ہن (Hun) کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور انھیں کی ایک وسیع شاخ وہ تھی جو بحر اسود سے لے کر دریائے ڈینیوب کی بالائی وادی تک پھیل گئی اور سیٹھین (Scythian) کے نام سے پکاری گئی۔ وسط ایشیا کے مشرقی قبائل بھی جو بکٹریا (بلخ) پر تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے، سیٹھین ہی تسلیم کیے گئے اور خود دارانے اپنے خطبہ اصطر میں انھیں اسی نام سے پکارا ہے

ان قبائل کی جو تین شاخیں شمالی ہند، انا تولا (ایشیائے کوچک) اور ایران میں بس گئی تھیں، انھیں ایسا ماحول ملا جو زراعت کے لیے موزوں تھا، اس لیے بہت جلد انھوں نے زراعتی زندگی اختیار کر لی اور پھر تہذیب و حضارت کی طرف بڑھنے لگیں، لیکن جو شاخیں یورپ کی طرف بڑھیں، انھیں ایسا ماحول میسر نہیں آیا اس لیے صحرائی زندگی کی تمام خصوصیات ان میں بدستور باقی رہیں اور صدیوں تک متغیر نہ ہوئیں اب گویا ان قبائل کی تین حالتیں ہو گئی تھیں:

اولاً۔ منگولیا کے اصلی باشندے جو یک قلم وحشی اور صحرائی تھے اور ان کی یہ حالت بغیر کسی تغیر کے برابر قائم رہی۔

ثانیاً، بحر اسود کے شمالی ساحل اور شمالی یورپ کے قبائل جو گواپنے مولد اصلی سے الگ ہو گئے تھے لیکن ان کی وحشیانہ خصوصیات نہیں بدلی تھیں۔

ثالثاً، ہندوستان، ایران اور انا تولا کے قبائل جو بتدریج شہریت اور حضارت میں ترقی کرنے لگے اور پھر آگے چل کر تین قدیم تہذیبوں کے بانی ہوئے۔

تقریباً سنہ ۷۰۰ قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی مسیحی تک یا جوج ماجوج یا گاگ اورے گاگ کا اطلاق پہلی دو قسموں پر ہوتا رہا، پہلی پر اس لیے کہ قومیت اور مقام کے لحاظ سے وہی یا جوج ماجوج تھی، دوسری پر اس لیے کہ گواپنے مولد و مقام سے الگ ہو چکی تھی، لیکن اپنی وحشیانہ خصوصیات میں بالکل متغیر نہیں ہوئی تھی۔ تیسری قسم چوں کہ ایک قلب منقلب ہو چکی تھی، اس لیے وہ اب یا جوج ماجوج نہیں رہی تھی، بلکہ خود یا جوج ماجوج کی غارت گریوں کا نشانہ بن گئی تھی، البتہ جب پانچویں صدی مسیحی میں یورپ کے قبائل کی حالت بھی منقلب ہونا شروع ہو گئی اور مسیحیت اختیار



کر کے تہذیب و حضارت کی طرف بڑھنے لگے تو قوموں کے حافظے سے ان کا نام بھی اتر گیا اور یا جوج ماجوج کا اطلاق صرف اسی خطے میں سمٹ آیا جہاں سے پھیلنا شروع ہوا تھا۔ یعنی صرف منگولیا کے صحرا نورد قبائل ہی یا جوج ماجوج سمجھے جانے لگے۔ چنانچہ قرآن نے سورہ انبیاء میں ان کے جس خروج کی خبر دی ہے، وہ منگولیا کے تاتاریوں کا آخری خروج تھا۔

یورپ کی تمام موجودہ قومیں (بعض چھوٹی قوموں کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد) براہ راست انھیں قبائل کی نسل سے ہیں جیسا کہ معلوم و مسلم ہے۔

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ نسل انسانی نے اکثر حالتوں میں پہلے صحرا نوردی اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کی ہے، پھر توطن اور اقامت گزینی اختیار کی ہے اور اس اختلاف حالت نے ہمیشہ دو طرح کے انسانی گروہوں سے دنیا کو آباد رکھا ہے: صحرا نورد قبائل کے گروہ اور اقامت گزین قبائل کے گروہ۔ معیشت کی یہ دونوں حالتیں اس درجہ مختلف تھیں کہ ایک ہی نسل کے دو قبیلوں میں سے ایک قبیلہ اگر صحرا نورد رہتا اور دوسرا اقامت گزین ہو جاتا تو چند صدیوں کے بعد نہ صرف ایک دوسرے سے اجنبی ہو جاتے تھے بلکہ بالکل متضاد قسم کی مخلوق بن جاتے تھے۔ صحرا نورد قبائل کو غذا کے لیے جانوروں کے دودھ اور شکار کے گوشت پر اعتماد کرنا پڑتا تھا، اقامت گزین قبائل کو اناج پر۔ وہ گھوڑوں کی برہنہ پیٹھ پر زندگی بسر کرتے، یہ کھیتوں میں اور مکانوں کی چار دیواری میں۔ ان کی زندگی کا ماحول صحرائیت تھی، ان کا ماحول شہریت۔ ان کو نشوونما کے لیے جنگ کی ضرورت تھی، ان کو امن کی۔ ان کا جسم روز بروز طاقت ور اور محنت پسند ہوتا جاتا تھا، ان کا روز بروز کمزور اور راحت پسند۔ وہ روز بروز وحشت و خون خواری میں بڑھتے جاتے تھے، یہ روز بروز تہذیب و حضارت میں۔ تہذیب و حضارت کا لازمی نتیجہ تھا کہ جذبات و خصائل میں لطافت و نرمی پیدا ہو، صحرائیت و خانہ بدوشی کا لازمی نتیجہ تھا کہ جذبات تند اور خصائل میں وحشت و خشونت ہو۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ جوں جوں اقامت گزین قبائل شائستہ ہوتے جاتے، صحرا نورد قبائل کی ہستی ان کے لیے ہول ناک اور ناقابل مزاحمت ہو جاتی۔ جب کبھی دونوں میں مقابلہ ہوتا تو شہری قبائل دیکھتے کہ صحرا نورد قبائل عنفیتوں کی طرح خوف ناک اور درندوں کی طرح خون خوار ہیں اور صحرا نورد قبائل معلوم کر لیتے کہ ان کی غارت گریوں کے لیے شہری آبادی سے زیادہ کوئی سہل شکار نہیں۔

البتہ صحرا نورد قبائل متفرق تھے اور اقامت گزین کے طریقوں سے نا آشنا، اقامت گزین



قبائل باہم مربوط تھے، اور معیشت کے منظم طریقوں سے آشاء، اس لیے قدرتی طور پر صحرا نوردوں کے حملے ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ وہ خوف ناک درندوں کی طرح آبادیوں پر گرتے اور قتل و غارت کر کے نکل جاتے، لیکن جم کر ٹک نہیں سکتے تھے اور نہ علاقے فتح کر کے اپنے قبضے میں رکھ سکتے تھے۔ مگر جب کبھی صدیوں کے بعد ان میں کوئی حکمران قائد پیدا ہو جاتا اور وہ بہت سے قبیلوں کو متحد کر کے ایک فوج کی نوعیت دے دیتا تو پھر قتل و غارت گری کی ایک ایسی منظم طاقت پیدا ہو جاتی جو صرف وقتی حملوں ہی پر قانع نہیں رہتی، بلکہ مملکتوں اور قوموں پر قابض ہو جاتی اور شہری آبادیوں کی بڑی سے بڑی قوتیں بھی اس کی راہ نہیں روک سکتیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ صحرا نورد اور غیر متمدن اقوام کے مقابلے میں شہری اور متمدن اقوام کا ہمیشہ ایسا ہی حال رہا ہے، یہاں تک کہ علم و صنعت نے ایسے ہتھیار اور جنگی وسائل پیدا کر دیے جن کے مقابلے سے غیر متمدن اقوام عاجز آگئیں

چنانچہ ان شمال مشرقی قبائل کی پوری تاریخ اسی حقیقت کا افسانہ ہے۔ ان کی جن شاخوں نے اقامت گزینی کی زندگی اختیار کر لی تھی وہ بالکل ایک دوسری قوم بن گئی اور جنہیں ایسے حالات میسر نہیں آئے وہ بدستور صحرا نورد رہیں۔ اقامت گزین قبائل کے لیے صحرا نورد قبائل صرف اجنبی ہی نہیں ہو گئے تھے بلکہ خوف ناک بھی ہو گئے تھے کیوں کہ ان کی روز افزوں شہریت ان کی صحرائی وحشت ناک کیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی، یہ جب کبھی موقع پاتے قرب و جوار کی آبادیاں غارت کرتے اور اگر قبائل کا کوئی قائد نکل آتا تو ان کی غارت گریاں دور دور تک بھی پہنچ جاتیں۔ صدیوں تک ان کی حالت ایسی ہی رہی۔ پھر جب چوتھی صدی مسیحی سے ان کے اندر ایسے قائد پیدا ہونے لگے جنہوں نے نظم و اطاعت کا راز پالیا تھا تو اچانک ان کی طاقت کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ چوتھی صدی میں اٹیلا (Attila) نے جوہن قبیلے کا قائد تھا، ایک عظیم فاتح کی حیثیت اختیار کر لی اور رومن امپائر کی دونوں مشرقی و مغربی مملکتوں کو لرزہ بر اندام کر دیا۔ پھر یہی قبائل ہیں جو بالآخر اس طرح تمام یورپ پر چھا گئے کہ نہ صرف رومن امپائر کو بلکہ رومی تمدن کو ہمیشہ کے لیے پامال کر دیا۔

چند صدیوں کے بعد تاریخ یہ منظر پھر دوہراتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خود منگولیا میں ایک نیا منگولی قائد چنگیز خان پیدا ہو گیا ہے۔ وہ تمام تاتاری قبائل کو اپنے ماتحت ایک قوم بنا دیتا ہے اور پھر فتح و تخریب کا ایک ایسا ہول ناک سیلاب امنڈتا ہے جسے اسلامی ممالک کی کوئی متمدن قوت بھی نہ روک سکی۔



وسط ایشیا سے لے کر عراق تک جو ملک اس کے سامنے آیا، خس و خاشاک کی طرح بہہ گیا۔  
 بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ یا جوج و ماجوج سے مقصود یہی منگولین قوم اور اس کی تمام  
 صحرا نورد اور وحشی شاخیں ہیں۔ اب ہم چاہتے ہیں ان کے خروج و ظہور کے مختلف دور تاریخی ترتیب  
 سے منضبط کر لیں۔ اسی ضمن میں یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ سائرس کے زمانے میں یہ قوم کہاں تھی اور  
 کیوں اسے سد تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی؟ اس بارے میں تاریخ کی شہادتوں کا خلاصہ حسب ذیل  
 ہے:

۱۔ پہلا دور تاریخی عہد سے پہلے کا ہے جب شمال مشرق سے ان قبائل کے ابتدائی گروہ نکلے  
 اور وسط ایشیا میں آباد ہو گئے، پھر جنوب اور مغرب میں پھیلنے لگے۔ اس خروج و انشعاب کی رفتار بہت  
 سست رہی ہوگی اور بے شمار منزلیں پیش آئی ہوں گی،  
 دوسرا دور صبح تاریخ کا ہے، لیکن روشنی ابھی دھندلی ہے۔ اب اقامت گزینی اور صحرا نوردی  
 کی دو مختلف اور متوازی معیشتوں کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ شمالی ہند، ایران اور انا تولا کے قبائل  
 اقامت گزینی کی زندگی میں بدل چکے ہیں، مگر وسط ایشیا سے لے کر بحر اسود تک صحرا نورد قبائل کے جتھے  
 پھلتے جاتے ہیں اور مشرق سے نئے نئے قبیلوں کے اقدام کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ یہ زمانہ تقریباً  
 ۳۰۰۰ قبل مسیح سے ۱۵۰۰ قبل مسیح تک کا تصور کرنا چاہیے (۶۰)۔

تیسرا دور تاریخ کی روشنی میں پوری طرح نمایاں ہے۔ یہ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح سے  
 شروع ہوتا ہے۔ اب بحر خضر اور بحر اسود کا علاقہ ایک وحشی اور خون خوار قوم کا مرکز بن چکا ہے اور وہ  
 مختلف ناموں میں مختلف جہتوں سے نمایاں ہوتی رہتی ہے۔ پھر اچانک تاریخ کے افق پر ”سیتھین“  
 قوم کا نام ابھرتا ہے۔ یہ وسط ایشیا سے لے کر بحر اسود کے شمالی کناروں تک آباد ہے اور اطراف و  
 جوانب میں برابر حملہ آور ہوتی رہتی ہے۔ یہ زمانہ آشوری تمدن کے ظہور اور بابل اور نینوی کے عروج کا  
 تھا اور ہیروڈوٹس کی زبانی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آشورین کے شمالی سرحد پر سیتھین قبائل کی غارت  
 گریاں برابر جاری ہیں یہ شمالی سرحد بحر خضر کے جنوبی ساحل اور آرمینیا کے سلسلہ کوہ تک پہنچی ہوئی تھی۔  
 اور وہ کیشیا کے درے سے اتر کر آشوری آبادیوں پر حملہ آور ہوتے تھے پھر سنہ ۶۳۰ قبل مسیح میں اچانک  
 ان کا ایک عظیم گروہ اسی راہ سے اترتا ہے اور ایران کا تمام مغربی حصہ پامال کر دیتا ہے۔ یونانی مورخ  
 کہتے ہیں کہ آشوری مملکت کی تباہی کا ایک بڑا باعث یہی غارت گری تھی (۶۱)۔



۴۔ چوتھا دور سنہ ۵۵۰ قبل مسیح کا قرار دینا چاہیے جب سائرس کا ظہور ہوا اور فارس و میڈیا کی متحد شہنشاہی کی بنیاد پڑی۔ اس عہد میں مغربی ایشیا کا تمام علاقہ سیتھین حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور صدیوں تک ان کے حملوں کی کوئی صدا تاریخ کی سماعت تک نہیں پہنچتی۔ اس عہد میں صرف دو موقعوں پر ان کا ذکر آتا ہے: پہلا سائرس کے زمانے میں جب وہ فتح بابل سے پہلے سیتھین قبائل کے سرحدی حملوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ دوسرا دارا کے زمانے میں جب وہ باسفورس عبور کر کے دریائے ڈینیوب کی وادیوں میں پہنچ جاتا ہے اور ان قبائل کو دور تک بھگا دیتا ہے۔

دارا کے حملے کے بعد ان کا دباؤ شمالی یورپ کی طرف بڑھنے لگا۔

۵۔ پانچواں دور تیسری صدی قبل مسیح کا ہے۔ اس عہد میں منگولین قبائل کا ایک نیا سیلاب اٹھتا ہے اور پہلے چین کی آبادیوں پر ٹوٹتا ہے، پھر آہستہ آہستہ وسط ایشیا کی قدیم شاہ راہ اختیار کرتا ہے۔ چین کی تاریخ میں انھیں ہیونگ نو (Hiung - nu) کے نام سے پکارا گیا ہے اور یہی نام آگے چل کر ”ہن“ (Hun) ہو گیا۔

یہی زمانہ ہے جب شہنشاہ چین شین شیہ ہوانگ ٹی (Ch'in Shih Huang Ti) نے ان حملوں کے روکنے کے لیے وہ عظیم الشان دیوار تعمیر کی جو دیوار چین کے نام سے مشہور ہے۔ اور پندرہ سو میل تک چلی گئی ہے۔ اس کی تعمیر سنہ ۲۱۴ قبل مسیح میں شروع ہوئی اور بیان کیا جاتا ہے کہ دس برس میں ختم ہوئی۔ اس نے شمال اور مغرب کی طرف سے منگولین قبائل کے حملوں کی تمام راہیں مسدود کر دی تھیں۔ اس لیے ان کا رخ پھر وسط ایشیا کی طرف مڑ گیا۔

۶۔ چھٹا دور تیسری صدی مسیحی کا ہے جب ان قبائل نے یورپ میں ایک نئی کروٹ لی اور بالآخر رومی مملکت اور رومی تمدن کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔

۷۔ ساتواں اور آخری دور بارہویں صدی مسیحی اور چھٹی ہجری کا ہے جب منگولیا میں تازہ دم قبائل کی ایک بڑی تعداد پھرتیار ہو گئی اور چنگیز خان نے انھیں متحد کر کے ایک نئی فتح مند طاقت پیدا کر دی۔

مندرجہ صدر خلاصے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ چھٹی صدی قبل مسیح میں مغربی ایشیا کا تمام علاقہ سیتھین قبائل کے حملوں سے غارت ہو رہا تھا اور جس ہاتھ نے اچانک ظاہر ہو کر ان کے حملے روک دیے اور پھر ہمیشہ کے لیے مغربی ایشیا یک قلم محفوظ ہو گیا، وہ سائرس کا ہاتھ تھا۔ پس یقیناً منگولین



نسل کے یہی سیتھین قبائل تھے جو یا جوج ماجوج کے نام سے پکارے جاتے تھے اور ذوالقرنین یعنی سائرس نے انھیں کی راہ روکنے کے لیے سد تعمیر کی، جس طرح تین صدیوں کے بعد چینی مجبور ہوئے کہ انھیں روکنے کے لیے ایک دیوار تعمیر کریں۔

اب غور کرو! سیتھین قبائل کے یہ حملے کس جانب سے ہوتے تھے؟ ہیروڈوٹس وغیرہ یونانی مورخ بتاتے ہیں کہ صرف ایک راہ سے، یعنی کاکیشس کے درے سے۔ یہی مقام صدیوں تک دونوں علاقوں میں درمیان کا پھاٹک رہا ہے۔ اب اگر سائرس ان حملوں سے محفوظ ہونا چاہتا تھا تو کیا اس کے لیے ضروری نہ تھا کہ یہ پھاٹک بند کر دے؟ قدرتی طور پر ضروری تھا اور اس لیے اس نے سد تعمیر کر کے یہ راہ مسدود کر دی۔ چونکہ ان حملوں کی صرف یہی ایک راہ تھی اور وہ اس طرح بند کر دی گئی، اس لیے یا جوجی حملوں کا بھی یک قلم خاتمہ ہو گیا۔

اب پھر حزر قیل نبی کی پیشین گوئی پر ایک نظر ڈال لو۔ اس میں جوج کوروش، مسک اور طوبال کا سردار کہا ہے اور یہ ٹھیک ٹھیک انھیں قبائل کے نام ہیں۔ ”روش“ وہی ہے جس سے ”رشیا“ نکلا، مسک وہی ہے جو ”موسکو“ ہوا، اور ”طوبال“ بحر اسود کا بالائی علاقہ تھا۔ پھر کہا ہے کہ ”میں تجھے پھر ادوں گا اور تیرے جبرٹوں میں بنسیاں ماروں گا“ یہ وہی واقعہ ہے کہ سائرس نے سیتھین قبائل کے منہ پھرادیئے اور سد تعمیر کر کے ان پر ان کی راہ روک دی۔ پھر کہا ہے: ”ایسا معاملہ واقع ہوگا کہ ان کے تمام ہتھیار جلا دیے جائیں گے اور رہ گزروں کی ایک وادی میں جو سمندر کے پورب میں ہے، ان قوموں کا گورستان بنے گا۔ نیز عرصے تک لوگ لاشیں گاڑتے رہیں گے تا کہ راہ صاف کریں“۔ یہ وہ واقعہ ہے جو دارا کے حملہ یورپ میں پیش آیا۔ دارا کی فوج مملکت کی تمام اقوام سے مرتب تھی۔ اس میں یہودیوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی۔ وہ باس فورس عبور کر کے مشرقی یورپ میں پہنچ گیا تھا اور اگرچہ یونانیوں کی بے وفائی کی وجہ سے اسے واپس ہونا پڑا لیکن اس لشکر کشی میں بے شمار سیتھین مارے گئے اور انکی قوت عرصے تک کے لیے مضحل ہو گئی۔

باقی رہی وہ پیشین گوئی جو مکاشفات یوحنا میں ملتی ہے تو مکاشفات کے اکثر مقامات کی طرح اس مقام کی بھی کوئی جہتی ہوئی تفسیر شارحین انجیل نہ کر سکے۔ اس میں ایک ہزار برس کی مدت بتلائی گئی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مدت سے مقصود کون سی مدت ہے اور یہ کب سے شروع ہوتی ہے؟ اگر حضرت مسیح سے شروع ہوتی تو ظاہر ہے کہ دسویں صدی مسیحی میں کوئی ایسا واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔ ہو سکتا



ہے کہ ہزار برس سے مقصود وہ مدت ہو جو سقوط بابل سے شروع ہوتی ہے، کیوں کہ اس معاملے سے پہلے بابل کی تباہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر ایک بات بن سکتی ہے۔ بابل کا سقوط چھٹی صدی قبل مسیح میں ہوا ہے۔ اور چوتھی صدی قبل مسیح میں یورپ کے منگولین قبائل نے رومی مملکت پر حملے شروع کر دیے ہیں۔ پس یا جوج ماجوج کا یہ خروج سقوط بابل ہزار برس کے بعد ضرور ہوا ہے۔

ماجوج کا ذکر تورات کی کتاب پیدائش میں بھی آیا ہے، جہاں حضرت نوح کے تین لڑکوں سام، حام، یافث سے اقوام عالم کا پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ یافث کی نسبت لکھا ہے کہ اس سے ”جم، ماجوج، مادی، یونان، توبال، مسک اور تیراس پیدا ہوئے (۲:۱۰)۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماجوج سے مقصود منگولین نسل ہے، کیوں کہ قدیم مورخوں نے اسی تصریح کی بنا پر انھیں یافثی نسل قرار دیا ہے۔ علاوہ بریں اگر یہ صحیح ہے کہ کتاب پیدائش کا مواد قید بابل کے زمانے میں تیار ہوا ہے تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس زمانے میں ماجوج اور مادیوں کو ہم نسل سمجھا جاتا تھا۔

یہ یاد رہے کہ اگرچہ دنیا عرصے تک کتاب پیدائش کے اس بیان پر مطمئن رہی اور عام طور پر تسلیم کر لیا گیا کہ تمام قومیں حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکوں سے ہی پیدا ہوئی ہیں، لیکن اب اس کی عملی قدر و قیمت یک قلم مشتبہ ہو گئی ہے اور اسے کوئی بھی اس نظر سے نہیں دیکھتا جس نظر سے ایک تاریخی بیان کو دیکھنا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ایک ایسا نوشتہ ہے جس میں ہمیں سنہ ۵۰۰ قبل مسیح کے یہودی تصورات نظر آ جاتے ہیں۔ بلاشبہ ان میں ایک عنصر ان مقدس روایتوں کا بھی ہے جو قومی حافظے نے محفوظ رکھی تھیں، لیکن ساتھ ہی بابلی اور عاشوری روایتوں کا بھی ایک عنصر شامل ہو گیا ہے جو قیام بابل کی طویل مدت کا قدرتی نتیجہ تھا۔

۱۰۔ اب ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ سائرس نے جو سد تعمیر کی تھی اس کا صحیح محل کیا تھا اور موجودہ زمانے کے نقشے میں اسے کہاں ڈھونڈنا چاہیے۔

بحر خزر کے مغربی ساحل پر ایک قدیم شہر در بند آباد ہے۔ یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کایشس کا سلسلہ کوہ ختم ہوتا اور بحر خزر سے مل جاتا ہے۔ اس مقام پر قدیم زمانہ سے ایک عریض و طویل دیوار موجود ہے جو سمندر سے شروع ہو کر تقریباً تیس میل تک مغرب میں چلی گئی ہے اور اس مقام تک پہنچ گئی ہے جہاں کایشس کا مشرقی حصہ بہت زیادہ بلند ہو گیا ہے۔ اس طرح اس دیوار نے ایک طرف بحر خزر کا ساحلی مقام بند کر دیا تھا جو ڈھلوان ہونے کی وجہ سے قابل عبور ہو سکتا تھا۔ ساحل کی طرف یہ دیوار دوہری ہے، یعنی اگر آذربائیجان سے ساحل ہوتے ہوئے آگے بڑھیں تو پہلے ایک دیوار



ملتی ہے جو سمندر سے برابر مغرب کی طرف چلی گئی ہے۔ اس میں پہلے ایک دروازہ تھا۔ دروازے سے جب گزرتے تھے تو شہر در بند ملتا تھا۔ اب یہ صورت باقی نہیں رہی۔ در بند سے آگے پھر اسی طرح کی ایک دیوار ملتی ہے۔ لیکن یہ دہری دیوار صرف دو میل تک گئی ہے، اس کے بعد اکہری دیوار کا سلسلہ ہے۔ دونوں دیواریں جہاں جا کر ملتی ہیں وہاں ایک قلعہ ہے۔ قلعہ تک پہنچ کر دونوں کا درمیانی فاصلہ سو گز سے زیادہ نہیں رہتا، لیکن ساحل کے پاس پانچ سو گز ہے اور اسی پانچ سو گز کے عرض میں در بند آباد ہے۔ اس دہری دیوار کو ایرانی قدیم سے ”دوبارہ“ کہتے آئے ہیں، یعنی دوہرا سلسلہ۔

یہ قطعی ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے ساسانی عہد میں یہ مقام موجود تھا اور اسے ”در بند“ کہا جاتا تھا یعنی ”بند دروازہ“ کیونکہ مقدسی، ہمدانی، معودی، اصطخری، یاقوت اور قزوینی وغیرہ تمام مسلمان مورخوں اور جغرافیہ نویسوں نے اسی نام سے اس کا ذکر کیا ہے اور سب لکھتے ہیں کہ ساسانی عہد میں یہ مقام شمالی سرحد کا سب سے زیادہ اہم مقام تھا، کیوں کہ اسی راہ سے شمال کے حملہ آور ایران کی طرف بڑھ سکتے تھے۔ یہ ایرانی مملکت کی کنجی تھی۔ جس کے ہاتھ یہ کنجی آجاتی وہ پوری مملکت کا مالک ہو جاتا۔ اسی لیے ضروری ہوا کہ اس کی حفاظت کا اس درجہ اہتمام کیا جائے (۶۲)۔

مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری میں جب یہ علاقہ فتح کیا تو ساسانیوں کی طرح انہوں نے بھی اس مقام کی اہمیت محسوس کی۔ اسے ”باب الابواب“ اور ”الباب“ کے نام سے پکارنے لگے، کیوں کہ مملکت کے لیے یہی مقام شمال کا دروازہ تھا اور ان بہت سے دروازوں میں سے آخری دروازہ جو اس دیوار کے طول میں بنائے گئے تھے۔ بعضوں نے اسے ”باب الترتک“ اور ”باب الحزر“ کے نام سے بھی پکارا ہے، کیوں کہ تارتاریوں اور تاتاریوں کا کاکیشن قبیلوں کی آمد و رفت کی راہ یہی تھی۔

اس مقام سے جب مغرب کی طرف کاکیشیا کے اندرونی حصوں میں اور آگے بڑھتے ہیں تو ایک اور مقام ملتا ہے جو درۃ داریال (Darial Pass) کے نام سے مشہور ہے اور موجودہ زمانے کے نقشے میں طاس کا محل ولاڈی کیوکز (Vladi Kaukez) (۶۳) اور ٹفلس (Tiflis) کے درمیان دکھایا جاتا ہے۔ یہ کاکیشیا کے نہایت بلند حصوں میں سے ہو کر گزرا ہے۔ اور دور تک دو بلند چوٹیوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار موجود ہے اور ارمینی روایتوں میں اسے ”اہنی دروازہ“ کے نام سے پکارا گیا ہے۔



اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دیوار کس نے تعمیر کی تھی؟ تمام عرب مورخوں کا بیان ہے کہ نوشیرواں نے تعمیر کی تھی، چنانچہ مسعودی نے اس کی تعمیر کی بعض تفصیلات بھی بیان کی ہیں (۶۴) اور بعد کے تمام مصنف اسے نقل کرتے آئے ہیں۔ لیکن جب ہم قبل از اسلام عہد کے تاریخی نوشتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نوشیرواں کے عہد سے بہت پہلے یہاں ایک دیوار موجود تھی اور اس نے شمال سے جنوب کا راستہ روک رکھا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے پہلی صدی مسیحی میں مشہور ایرانی مورخ جوزیفس (Josephus) اس کا ذکر کرتا ہے۔ پھر پروکوپیس (Procopius)۔ چھٹی صدی مسیحی کے اوائل میں خود اپنا عینی مشاہدہ نقل کرتا ہے، کیونکہ سنہ ۵۲۸ مسیحی میں جب رومن جنرل بلی ساریس (Belisarius) نے اس علاقے پر حملہ کیا ہے تو یہ اس کے ہمراہ تھا۔ نوشیرواں کا زمانہ سنہ ۵۳۱ سے سنہ ۵۷۹ء تک تھا، اس لیے ظاہر ہے کہ یہ استحکامات اس کے بنائے ہوئے نہیں ہو سکتے۔

اب یہاں ایک اور الجھاؤ بڑھتا ہے۔ جوزیفس اور پروکوپیس دونوں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ان استحکامات کا بانی سکندر تھا، حالانکہ سکندر کی فتوحات کا کوئی واقعہ تاریخ کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے اور کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس علاقے میں آیا ہو یا کوئی جنگ لڑی ہو۔

زمانہ حال کے ایک امریکن مورخ مسٹراے۔ وی ولیمس جیکسن (A.V. Williams Jackson) (پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی) نے اس علاقے کی سیاحت کی ہے اور اس کے تفصیلی حالات اپنے سفر نامے میں بیان کیے ہیں۔ وہ اس مشکل کا یہ حل تجویز کرتے ہیں کہ سکندر کے کسی جنرل نے یہ استحکامات تعمیر کیے ہونگے، کم از کم درہ داریال کے استحکامات بعد کو ساسانی فرماں رواؤں نے انھیں اور زیادہ وسیع اور مکمل کر دیا۔ چونکہ ابتدائی تعمیر سکندر کے عہد کی تھی، اس لیے سکندر کی طرف منسوب ہو گئی۔ (۶۵)۔

لیکن جب سکندر نے تمام فوجی اعمال خود اس کے عہد میں اور خود اسکے ساتھیوں نے قلم بند کر دیے ہیں اور ان میں کبھی بھی کاشیا کی لڑائی یا کاشیا کے استحکامات کی تعمیر کا اشارہ نہیں ملتا، تو پھر کیوں کر ممکن ہے کہ اس طرح کی توجیحات قابل اطمینان کر لی جائیں۔

اس طرح کے غیر معمولی استحکامات جہی تعمیر کیے جاسکتے ہیں جب کے امن و حفاظت کی ضرورت نے انھیں ناگزیر کر دیا ہو۔ لیکن سکندر کو اپنی تمام فتوحات میں اس طرح کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس کے زمانے میں یہ علاقہ ایران کی قدیم شہنشاہی کے ماتحت تھا۔ اس نے شام کی راہ سے



ایران پر حملہ کیا اور پھر وسط ایشیا ہوتا ہوا ہندوستان چلا گیا۔ ہندوستان سے واپسی پر ابھی بابل میں ہی تھا کہ انتقال کر گیا ایسی حالت میں وہ کون سے حالات ہو سکتے ہیں جو کاکیشیا کے استحکامات پر اسے مجبور کر سکتے تھے اور اگر پیش آئے تو کب؟

اصل یہ ہے کہ یہ استحکامات سکندر سے دو سو برس پہلے سائرس نے تعمیر کیے تھے اور درہ داریاں کی سد وہی سد ہے جس کا قرآن میں ذکر کیا ہے۔

حسب ذیل وجوہ و قرآن سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے:

اولاً، سائرس اور سکندر کی دو باتیں تاریخ کی قطعی روشنی میں آچکی ہیں: سائرس کے زمانے میں یہاں سے قوم کے حملے ہو رہے تھے، سکندر کے زمانے میں کوئی حملہ آور نہیں تھا۔ سائرس کے لیے ضروری تھا کہ راہ روکے، سکندر کو کوئی ایسی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سائرس کی نسبت ہیروڈوٹس اور زینوفن کی شہادت موجود ہے کہ فتح لیڈیا کے بعد اس نے سیتھین قوم کے سرحدی حملوں کی روک تھام کی، سکندر کی نسبت کوئی ایسی شہادت موجود نہیں۔ ان دو باتوں کے جمع کرنے سے جو تاریخی قرینہ پیدا ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ سد سائرس نے تعمیر کی ہوگی، نہ کہ سکندر کے حکم سے کسی افسرنے۔

ثانیاً۔ پروکوپیس کے علاوہ دوسرے قدیم مورخوں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، مثلاً ٹیسٹس (Tacitus) اور (Lydus) نے۔ وہ ہمیں بتلاتے ہیں کہ رومی اسے ”کاسپین پوٹا“ کے نام سے پکارتے تھے یعنی ”باب کاسپین“، لیکن اس طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے کہ یہ سکندر کے عہد کی تعمیر ہے۔

ثالثاً، ایک مثبت شہادت بھی موجود ہے جو سائرس کی طرف ذہن منتقل کر دیتی ہے۔ یہ ارمنی نوشتوں کی شہادت ہے۔ جسے قرب محل کی وجہ سے مقامی شہادت تصور کرنا چاہیے۔ ارمنی زبان میں اس کا قدیم نام ”پھاک کورائی“ اور ”کاپان کورائی“ چلا آتا ہے۔ دونوں ناموں کا مطلب یہ ہے کہ ”کور کادورہ“ (۶۶)۔ سوال یہ ہے کہ ”کور“ سے مقصود کیا ہے؟ کیا یہ ”کورس“ کی بدلی ہوئی شکل نہیں ہے جو سائرس کا اصلی نام تھا۔ جیسا کہ دارا کے کتبہ اصطخر میں پڑھا جا چکا ہے؟

پروفیسر جیکسن اسی ارمنی نام کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن وہ ”کور“ کا تلفظ ”سور“ کرتے ہیں اور پھر عربی کے ایک نام ”سول“ کا اسے ماخذ قرار دیتے ہیں، اس طرح لفظ کی حقیقت گم ہو جاتی ہے۔ (۶۷)



رابعاً۔ اس علاقہ سے سائرس کے تعلق کی ایک دوسری شہادت بھی واضح ہے، کاکیشیا کے پہاڑ سے کئی دریا بہتے ہیں جن میں ایک دریا کا نام قدیم سے ”کورش“ چلا آتا ہے جسے رومی نوشتوں میں سائرس کے نام سے پکارا گیا ہے۔ خود یورپ کے سیاحوں نے بھی اسے اسی نام سے پہچانا ہے۔ انتھونی جنکسن سن (Anthony Jenkinson) جسے لندن کی ایک تجارتی کمپنی نے ۱۵۵۷ء میں براہ روس بخارا بھیجا تھا، اپنی یادداشت میں بحر خزر کا ذکر کرتے ہوئے اس دریا کا بھی ذکر کرتا ہے اور اسے ”سائرس“ کے نام سے پکارتا ہے۔ (Hakluyt's Voyages Vol. 1 P. 462)۔ علاوہ بریں تمام قدیم نوشتوں میں اس دریا کو اسی نام سے پکارا گیا ہے۔

اب ایک سوال اور غور طلب ہے۔ ذوالقرنین نے جو سد تعمیر کی تجھی وہ درہ داریاں کی سد ہے، یا در بند کی دیوار یا دونوں؟

قرآن میں ہے کہ ذوالقرنین دو پہاڑی دیواروں کے درمیان پہنچا۔ اس نے اہنی تختیوں سے کام لیا۔ اس نے درمیان کا حصہ پاٹ کر برابر کر دیا، اس نے پگھلا ہوا تانبا استعمال کیا۔ تعمیر کی یہ تمام خصوصیات کسی طرح بھی در بند کی دیوار پر صادق نہیں آتیں۔ یہ پتھر کی بڑی بڑی سلوں کی دیوار ہے اور دو پہاڑی دیواروں کے درمیان نہیں ہے، بلکہ سمندر سے پہاڑ کے بلند حصے تک چلی گئی ہے۔ اس میں اہنی تختیوں اور پگھلے ہوئے تانبے کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ پس یہ قطعی ہے کہ ذوالقرنین والی سد کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا۔

البتہ درہ داریاں کا مقام ٹھیک ٹھیک قرآن کی تصریحات کے مطابق ہے۔ یہ دو پہاڑی چوٹیوں کے درمیان ہے اور جو سد تعمیر کی گئی ہے اس نے درمیان کی راہ بالکل مسدود کر دی ہے۔ چونکہ اس کی تعمیر میں اہنی سلوں سے کام لیا گیا تھا، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جارجیا میں ”اہنی دروازہ“ کا نام قدیم سے مشہور چلا آتا ہے، اسی کا ترجمہ ترکی میں ”وامرکپو“ مشہور ہو گیا (۶۸)۔ بہر حال ذوالقرنین کی اصل سد یہی سد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد خود اس کے جانشینوں نے یہ دیکھ کر کہ کاکیشیا کا مشرقی ڈھلوان بھی خطرے سے خالی نہیں، در بند کی دیوار تعمیر کر دی ہو اور نوشیرواں نے اسے اور مضبوط کیا ہو۔ یا ممکن ہے کہ فی الحقیقت نوشیرواں ہی کی تعمیر ہو۔ (۶۹) غالباً سب سے پہلا انگریز سیاح جس نے در بند کی دیوار کا ذکر کیا ہے انتھونی جنکسن (Anthony Jenkinson) ہے۔ اسے کون الزبتھ نے ۱۵۶۱ء میں شاہ طہاسپ صفوی کے دربار میں بھیجا تھا۔ یہ روسی علاقے سے براہ بحیرہ



خزردر بند پہنچا اور وہاں چند دن ٹھہر کر شروان کی طرف روانہ ہوا۔ یہ لکھتا ہے کہ اکہری دیوار گر چکی ہے، مگر اس کی بنیاد صاف نمایاں ہے۔ (دیکھیے: Hakluyt's Voyages Vol. II. 13. (Everyman's Library.

در بند کی دہری دیوار سنہ ۱۷۹۶ء تک موجود تھی۔ جس کی تصویر ایک روسی سیاح کی بنائی ہوئی ایچ والڈ (Eichwald) نے اپنی کتاب ”کوا کیسیس“ میں نقل کی ہے۔ لیکن سنہ ۱۹۰۴ء میں جب پروفیسر جیکسن نے اس کا معائنہ کیا تو گوا آثار باقی تھے، لیکن دیوار گر چکی تھی، البتہ اکہری دیوار اکثر حصوں میں اب تک باقی ہے۔

۱۱۔ موجودہ زمانے کے شارحین تورات میں بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے کہ یا جوج سے سیٹھین قوم مراد تھی۔ لیکن وہ حز قیل کی پیشین گوئی کا محل ان کا وہ حملہ قرار دیتے ہیں جو ہیروڈوٹس کے قول کے مطابق سنہ ۶۳۰ قبل مسیح میں ہوا تھا۔ لیکن اس صورت میں یہ مشکل پیدا ہو جاتی ہے کہ حز قیل کی کتاب بابل کی اسیری کے زمانے میں لکھی گئی تھی۔ کیوں کہ وہ خود بھی بخت نصر کے اسیروں میں سے تھے اور سیٹھین حملہ اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ (اس باب میں مزید تفصیلات کے لیے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اور جیوش انسائیکلو پیڈیا میں لفظ (Gog) کا مقالہ دیکھنا چاہیے۔

۲۱۔ ہم نے ذوالقرنین کے بحث میں پوری تفصیل سے کام لیا ہے، کیوں کہ زمانہ حال کے معترضین قرآن نے اس مقام کو سب سے زیادہ اپنے معاندانہ استہزاء کا نشانہ بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ”ذوالقرنین کی کوئی تاریخی اصلیت نہیں ہے۔ یہ محض عرب یہودیوں کی ایک کہانی تھی جو پیغمبر اسلام نے اپنی خوش اعتقادی سے صحیح سمجھ لی اور نقل کر دی۔“ اس لیے ضروری تھا کہ ایک مرتبہ یہ مسئلہ اس طرح صاف کر دیا جائے کہ شک و تردد کا کوئی پہلو باقی نہ رہے۔

### استدراک

۱۔ ہم نے سائرس کے جس مجسمے کا اوپر ذکر کیا ہے اور جس سے قطعی طور پر یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ”ذوالقرنین“ اسی کا لقب تھا۔ وہ قدیم سنگ تراشی کی صنایعوں کا ایک نہایت نادر نمونہ ہے اور موجودہ عہد کے تمام اہل نظر کا فیصلہ ہے کہ یونانی سنگ تراشی کے نمونوں کی صف میں اگر کوئی ایشیائی نمونہ رکھا جاسکتا ہے تو وہ یہی سائرس کا مرمری مجسمہ ہے۔ یہ ایران کے قدیم دار الحکومت اصطخر سے تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں دارانے شاہی محل تعمیر کیا تھا۔ اب اس کا بقیہ صرف



چند مرمریں ستون رہ گئے ہیں۔ انھیں میں سے ایک مربع ستون پر یہ مجسمہ ابھارا گیا تھا۔  
 سب سے پہلے سنہ ۱۸۳۷ء میں جیمس موریر (James Morier) نے اس کی موجودگی  
 سے علمی دنیا کو روشناس کیا۔ پھر چند سال بعد سر رابرٹ کیر پورٹر (Robert Kerr  
 Porter) نے اس مقام کی علمی پیمائش اور تحقیق کر کے مفصل معلومات بہم پہنچائیں اور اپنے سفر نامہ  
 جارجیا و ایران (Georgia and Iran) میں مجسمے کی وہ نقل بھی شائع کر دی جو اس نے پنسل سے  
 تیار کی تھی۔ اس وقت تک قدیم پہلوی زبان اور مینخی خطوط کا مسئلہ پوری طرح حل نہیں ہوا تھا۔ تاہم یہ  
 بات واضح ہو گئی تھی کہ مجسمہ سائرس ہی کا ہے، بعد کی تحقیقات نے مزید تصدیق کر دی۔ پھر سنہ  
 ۱۸۸۴ء میں ڈی لافو (Dieulafoy) نے اپنی مشہور کتاب (L'Art Antique De la  
 Perse) میں اس کا اصلی عکس شائع کر دیا اور اس طرح مجسمے کی اصلی نوعیت دنیا کے سامنے آ گئی۔

اس وقت سے لے کر یہ مجسمہ تاریخ قدیم کے مباحث کا ایک عام موضوع رہا ہے۔ لیکن یہ  
 عجیب بات ہے کہ آج تک کسی یورپین مستشرق کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا کہ اس کی نوعیت  
 میں قرآن کے ”ذوالقرنین“ کی صریح اور قطعی تصدیق نمایاں ہو گئی ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ  
 تغافل مذہبی تعصب کا نتیجہ ہے، کیوں کہ ان میں کافی تعداد ایسے اہل علم کی ہے جو یقیناً ان تعصبات کی  
 آلودگیوں سے اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔ تاہم اس میں شک نہیں یہ تغافل علم و نظر کے عجائب مستثنیات  
 میں سے ہے۔

۲۔ اس مجسمے میں سائرس کے سر پر دو سینگ نکلے ہوئے ہیں اور اطراف میں عقاب کے سر  
 پر۔ سینگوں کا مطلب واضح ہو چکا ہے، لیکن عقاب کے سر پر کیوں بنائے گئے؟  
 اس کا جواب بھی ہمیں یسعیاہ نبی کے صحیفے سے مل جاتا ہے۔ اس میں جہاں سائرس کے ظہور  
 کی خبر دی گئی ہے، وہاں یہ بھی ہے کہ: دیکھو! میں ایک عقاب کو پورب سے بلاتا ہوں۔ اس شخص کو جو  
 ایک دور کے ملک سے آ کر میری ساری مرضی پوری کرے گا۔ (باب ۴۶: ۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح دو سینگوں کا معاملہ دانیال نبی کے رکاشے سے تعلق رکھتا ہے  
 اسی طرح عقاب کی تشبیہ یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی میں آچکی ہے۔ خواہ یہ پیشین گوئیاں بعد کو بنائی گئی  
 ہوں، خواہ فی الحقیقت پیش ترکی ہوں، لیکن ان سے یہ ظاہر ہو گیا کہ سائرس کے لیے دو سینگوں کا اور  
 عقاب کا تخیل پیدا ہو چکا تھا اور ٹھیک ٹھیک یہی تخیل ہے جو اس مجسمے میں متشکل ہو گیا ہے۔



# تفصیلات قصص القرآن جلد سوم جناب مولانا حفظ الرحمن صاحب

## ذوالقرنین

تمہید:

یہ واقعہ اپنی دلچسپ تاریخی روایت کے لحاظ سے تین اہم حصوں پر منقسم ہے، (۱) ذوالقرنین کی شخصیت (۲) سدّ ذوالقرنین (۳) یاجوج و ماجوج؟ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان ہر سہ مسائل کو جدا جدا بیان کر کے اس واقعہ کی اصل حقیقت کو واضح کیا جائے۔

زیر بحث مسائل اور علمائے اسلام:

سلف میں اگرچہ مسائل زیر بحث کے متعلق ایسے اقوال بکثرت ملتے ہیں جو ان مسائل کی تفسیر و تفصیل کی غرض سے بیان کیے گئے ہیں لیکن علماء متاخرین نے اس سلسلے میں دو جدا جدا راہیں اختیار کر لی ہیں۔ ایک جماعت، سلف کے بعض اقوال کو نقل کرنے کے بعد یہ کہہ دینے پر اکتفا کرتی ہے کہ زیر بحث مسائل سے متعلق منقول اقوال چونکہ قرآن کی بیان کردہ شخصیت ذوالقرنین کے ساتھ پوری طرح مطابقت نہیں کرتے اس لیے ہمارے لیے یہ کافی ہے کہ ایک جانب یہ یقین و اعتماد رکھیں کہ قرآن عزیز نے جس حد تک ذوالقرنین کی شخصیت، سد اور یاجوج و ماجوج پر روشنی ڈالی ہے وہ بلاشبہ حق ہے اور باقی تفصیلات یعنی اس کی شخصیت کا تاریخی مصداق، سد کا جائے وقوع اور قوم یاجوج و ماجوج کا تعین، سوان کے علم کو سپرد بخدا کر دینا چاہیے کیونکہ ”تفویض“ کا طریقہ ہی اسلم طریقہ ہے لیکن جب ایک تحقیق طلب طبیعت اس پر قانع نظر نہیں آتی اور وہ اضطراب اور تردد میں پڑ جاتی ہے تو یہ جماعت اس کو مطمئن کرنے کے لیے اس طرح سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ جب کہ دُنوی اسباب علم اور وسائل معلومات کے اس حیرت زا دور میں بھی محققین علم الآثار (ARCHAEOLOGY) کو یہ اعتراف ہے کہ ابھی وہ اس دنیا کے مستور تاریخی خزانوں اور نظروں سے اوجھل تاریخی حقائق کے معلوم کرنے میں سمندر میں سے قطرہ کی مقدار حاصل کر پائے ہیں اور جب کہ ہم چند صدی قبل تک دنیا کے چوتھے بڑے اعظم امریکہ کی دریافت سے بھی قاصر رہے تھے تو کون سے تعجب کی بات ہے اگر ابھی تک دنیا اور موجودہ علم و تحقیق سدّ ذوالقرنین کو نہ پاسکے اور یاجوج و ماجوج کے متعلق ان کا علم تحقیق ابھی تک قاصر رہا ہو اور وہ ذوالقرنین کی شخصیت کا تعین نہ کر سکے ہوں اور ہو سکتا ہے پہلے دو امور وقت موعود تک



یعنی قریب بہ قیامت منکشف ہو کر ہمارے سامنے آجائیں اور ان دونوں کے اکتشاف سے ذوالقرنین کی شخصیت کا بھی با آسانی تاریخی تعین ہو جائے، پھر کون سی وجہ ہے کہ اگر ہم ان امور کی تاریخی تفصیلات کو آج نہ بیان کر سکیں تو اس بناء پر ان امور کو محض افسانوی داستان سمجھ لیا جائے۔ خصوصاً جب کہ قرآن عزیز وحی الہی کے ذریعہ ان کے وجود کی اطلاع دیتا ہے اور جب کہ اہل علم کا یہ مسلمہ نظریہ ہے کہ ہمارا کسی شے کو نہ جاننا اس کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ وہ چیز حقیقتاً بھی وجود نہیں رکھتی۔ پس ایک مسلمان کے لیے تو اسی قدر کافی ہے کہ نفس مسئلہ پر یقین کرتے ہوئے تفصیلات کو سپردِ بخدا کر دے اور منکرینِ وحی الہی کے لیے زیادہ سے زیادہ توقف کی گنجائش ہو سکتی ہے نہ کہ انکار پر اصرار کی۔

اس کے برعکس علماء اسلام میں سے دوسری جماعت ان مسائل کی تحقیق کے درپے ہے اور وہ قرآن عزیز کی عطا کردہ روشنی میں ان کے حقائق کی تفصیلات کو واضح کرنا نہایت ضروری جانتی اور قرآن حکیم کی اہم تفسیری خدمت یقین کرتی ہے، اس کا خیال ہے کہ مسائل زیر بحث میں تفویض کے طریقے کو اختیار کر کے ہم اپنی ذمہ داری سے کسی طرح سبک دوش نہیں ہو سکتے اور یہ اس لیے کہ قرآن نے ذوالقرنین کے معاملہ کو یہود کے سوال کرنے پر بیان کیا ہے اور اسی بناء پر وہ اسلوب بیان اختیار کیا ہے جس سے سوال کرنے والی جماعت اس اقرار کرنے پر مجبور ہو جائے کہ ”نبی امی“ نے وحی الہی کے ذریعہ ان ہر سہ مسائل کے متعلق جو تفصیلات بیان کی ہیں بلاشبہ وہ صحیح ہیں اور سورہ بنی اسرائیل میں ”روح“ کے سوال پر قرآن کا جواب اس کے برعکس اسلوب پر مرکوز ہے اور دریافت کرنے والوں کو صرف اس قدر بتا کر کہ ”روح“ خدا کے حکم و امر میں سے ایک ایسی شے ہے جو اس کے حکم سے جسم میں داخل ہو جاتی ہے، مزید تفصیلات کو ان کی عقول کے لحاظ سے غیر ضروری قرار دے دیا ہے لہذا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن عزیز ذوالقرنین سے متعلق تفصیلات کے درپے ہے اور یہود کو یا مشرکین اور یہود دونوں کو ان کی معلومات کے مطابق مطمئن کرنا چاہتا ہے بلکہ اس سلسلے میں ان کے یہاں بعض تفصیلات نے جو افسانوی شکل اختیار کر لی تھی اس کے خلاف حقائق واقعہ کو کھول دینا چاہتا ہے۔

نیز اس لیے بھی یہ مسائل محتاج تحقیق ہیں کہ قرآن کریم کے اسلوب بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہود اس تاریخی حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے اور انکی قومی و مذہبی زندگی کا اسکے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ تب ہی انھوں نے اس مسئلہ کو مشرکین کی اعانت کے لیے اس لیے انتخاب کیا کہ اس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا با آسانی امتحان ہو جائے گا، پس جو معاملہ آج سے تیرہ چودہ سو سال تک لوگوں کی معلومات میں تھا اور جس کی تفصیلات وہ تو میں بخوبی جانتی تھیں اس کے متعلق یہ کہہ کر سبک



دوش اور قرآن کے بیان کردہ اس اہم واقعہ کی تفسیر سے عہدہ برآ نہیں ہو جا سکتا کہ جب کہ ہم خدا کی زمین کے بہت سے حصوں سے ابھی تک ناواقف ہیں تو ممکن ہے کہ اس واقعہ سے متعلق شخصیتیں اور مقامات بھی اس طرح غیر معلوم ہوں اور ہم ابھی تک انکا پتہ لگانے سے قاصر رہے ہوں۔ چنانچہ علماء محققین مثلاً حافظ ابن تیمیہ، ابن کثیر، ابو حیان، ابن عبدالبر، امام رازی، حافظ ابن حجر، شیخ بدرالدین عینی، ابن ہشام اور سہیلی رحمہم اللہ ان مسائل کی تحقیق و تدقیق کے در پر نظر آتے ہیں اور اس بارے میں اپنے رجحان کے مطابق فیصلہ دینا چاہتے ہیں۔

مسائل زیر بحث سے متعلق ہمارا خیال ان ہی علماء تحقیق کی پیروی پر آمادہ ہے بلکہ ہم ان مسائل کے متعلق اس لیے اور بھی زیادہ تحقیق و تدقیق کے خواہش مند ہیں کہ جن مستشرقین یورپ نے قرآن عزیز کے الہامی کتاب ہونے کے خلاف زہر چکانی کی ہے اور اپنے مزعومہ دلائل سے جہاں اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ثابت کیا ہے وہیں یہ بھی ہرزہ سرائی کی ہے کہ قرآن کے بعض بیان کردہ بیان حقائق نہیں ہیں بلکہ اہل عرب کے مشہور افسانوں کو حقیقت کے نام سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اسلامی مسائل میں مستشرقین یورپ کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ اکثر تاریخی حقائق کو نظر انداز کر کے اپنے اندازے اور قیاس سے چند ایسے مقدمات وضع کر لیتے ہیں جن سے ان کو اپنے مزعومات اور خیالات میں مدد ملے اور اسلام بلکہ قرآن عزیز کے بیان کردہ حقائق کی تردید کی جاسکے۔ چنانچہ اصحاب رقیم (پیڑہ) کے متعلق قرآن عزیز نے جب چند حقائق کا اظہار کیا اور مواعظت و عبرت کے لیے انکے حالات و واقعات کو روشنی میں لایا تو انہوں نے اپنی ناواقفیت و جہل کو چھپانے یا تعصب کی راہ سے قرآن کو جھٹلانے کے لیے رقیم (پیڑہ) کے وجود ہی سے انکار کر دیا اور جسارت بیجا کے ساتھ یہ کہہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عرب کے سنے سنائے جھوٹے قصے کو وحی الہی کہہ کر بیان کر دیا ہے، مگر جب قدرت کے ہاتھوں نے قرآن کے اعلان حق کے تیرہ سو سال کے بعد پیڑہ کو ٹھیک اسی مقام پر ظاہر کر دیا اور اس کے عظیم الشان کھنڈہراپنے وجود کا اعلان کرنے لگے تو انکو حقیقت کے سامنے سر جھکانا پڑا اور ندامت و شرم ساری کے ساتھ قرآن عزیز کے اعلان حق کو تسلیم کیے بغیر ان کے لیے کوئی چارہ کار نہ رہا۔

اسی طرح جب قرآن عزیز نے تفصیل کے ساتھ یہ بتایا کہ بنی اسرائیل ایک طویل عرصہ تک مصر میں فرعون مصر اور قبٹیوں کے غلام رہے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام نے صدیوں کے بعد ان کو خدا کے بخشے ہوئے اعجاز کے ذریعے نجات دلائی اور اس مسئلہ میں تورات نے بھی ایک حد تک قرآن اور وحی



الہی کے علم یقین کا ساتھ دیا تو اس کے باوجود مدعیانِ علم نے ایک عرصہ تک مصر میں بنی اسرائیل کی غلامی کا انکار کیا اور علم حقیقی کی تکذیب کے درپے رہ کر اس کا مذاق اڑایا، مگر مصری حضرات نے جب فرعون کے مشہور سنگی کتبہ کا اکتشاف کر لیا اور کتبہ کی کندہ عبارت نے بنی اسرائیل کی غلامی پر ایک حد تک روشنی ڈالی تو آہستہ آہستہ جہل نے علم کے سامنے شکست قبول کر لی اور اب ان نظریات میں بھی تبدیل ہونے لگی جو فلسفہ تاریخ کے نام پر محض ظن و تخمین سے قائم کیے گئے تھے اور جن کو علم کا درجہ دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اب انکار اقرار کی شکل میں تبدیل ہونے لگا ہے۔

ٹھیک اسی طرح ذوالقرنین یا جوج ماجوج اور سد کا معاملہ ہے۔ قرآن عزیز نے سورہ کہف میں ایک ایسے بادشاہ کا ذکر کیا ہے جس کا لقب ذوالقرنین ہے اور جو مشرق و مغرب تک فتوحات میں ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں کے بسنے والوں نے اس سے یہ شکایت کی کہ یا جوج ماجوج ہم کو ستاتے اور وحشیانہ حملے کر کے فساد مچاتے اور بربادی لاتے ہیں، آپ ہم کو ان سے نجات دلائیے، ذوالقرنین نے یہ سن کر ان کو تسلی و تشفی دی اور لوہے اور تانبے کو پگھلا کر دو پہاڑوں کے درمیان ایک ایسی سد قائم کر دی کہ شکایت کرنے والے یا جوج و ماجوج کے فتنہ سے محفوظ ہو گئے۔

مستشرقین یورپ نے جب اس واقعہ کا مطالعہ کیا تو حسبِ عادت اپنے پیش رو مشرکین مکہ اور کفار عرب کی طرح فوراً یہ کہہ دیا:

ترجمہ: یہ (قرآن) کچھ نہیں ہے مگر پہلے لوگوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں۔

اور بڑے زور و شور کے ساتھ یہ دعویٰ کیا کہ ذوالقرنین کا یہ قصہ اخبارِ قرآنی کیے اعجاز و عبرت و موعظت کے لیے حقیقی واقعہ نہیں ہے بلکہ عرب کی ایک فرسودہ داستان اور بے سرو پا کہانی کو وحی الہی کی حیثیت دے دی گئی ہے ورنہ تاریخی دنیا میں ذوالقرنین اور یا جوج و ماجوج کی شخصیت اور سد ذوالقرنین کا وجود کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

پس ایسی صورت میں ایک مسلمان کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے ذاتی اعتقاد کی بنا پر بلکہ تاریخی نقطہ نگاہ کے مطابق یہ واضح کرے کہ دوسرے تاریخی مسائل کی طرح قرآن عزیز کا عطا کیا ہوا علم و یقین اس مسئلہ میں بھی اپنی جگہ اٹل اور علم و یقین کے درجہ کی حقیقت ہے اور معترضین کا انکار بلاشبہ جہل، ظن و تخمین اور باطل مزعومات کا طومار ہے اور ان تاریخی حقائق کا انکار صرف بیجا تعصب پر مبنی ہے نہ کہ اظہارِ حقیقت کے پیش نظر۔



## ذوالقرنین

ذوالقرنین کی شخصیت پر بحث کرنے سے قبل حل طلب اہم سوال یہ ہے کہ قرآن عزیز نے اس معاملہ کی جانب کس لیے توجہ کی اور اگر از خود نہیں بلکہ کسی سوال کے جواب پر توجہ مبذول کی، تو مسائل کون ہیں اور کس بنیاد پر انھوں نے اس سوال کا انتخاب کیا؟ یہی وہ سوال ہے جو دراصل اس معاملہ کی کلید ہے اور اگرچہ یہ سلسلہ شان نزول مفسرین اور ارباب سیر نے اس کی جانب توجہ فرمائی ہے، مگر تحقیق شخصیت کے وقت ان حضرات نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا ہے۔

ساتھ ہی یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ذوالقرنین کی شخصیت، سد کا تعین اور یا جوج و ما جوج کی تحقیق اگرچہ تین مستقل مسائل ہیں، تاہم یہ تینوں اس طرح باہم مربوط ہیں کہ اگر کسی ایک کے متعلق واضح تحقیق سامنے آجائے تو قرآن عزیز کی تفصیلات کی روشنی میں باقی دو مسائل کے حل میں بہت زیادہ سہولت ہو جاتی ہے۔

### ذوالقرنین سے متعلق سوال کی نوعیت:

محمد بن اسحاق نے بروایت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) بیان کیا ہے کہ قریش مکہ نے نصر بن حارث اور عقبہ بن معیط کو علماء یہود کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ چونکہ تم خود کو اہل کتاب کہتے ہو اور تمہارا دعویٰ ہے کہ تمہارے پاس زمانہ سابق کے پیغمبروں کا وہ علم ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے لہذا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق ہم کو یہ بتائیں کہ انکے دعویٰ پیغمبری کی صداقت کے متعلق آپ حضرات کی الہامی کتابوں میں کوئی تذکرہ یا علامات موجود ہیں یا نہیں؟ چنانچہ قریش کے وفد نے یثرب پہنچ کر علماء یہود سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ احبار یہود نے ان سے کہا تم اور باتوں کو چھوڑ دو، ہم تم کو تین سوالات بتائے دیتے ہیں اگر وہ انکا صحیح جواب دیدیں تو سمجھ لینا کہ وہ ضرور اپنے دعوے میں سچے ہیں اور نبی مرسل ہیں اور تم پر انکی پیروی واجب ہے اور اگر وہ صحیح جواب نہ دے سکیں تو وہ کاذب ہیں پھر تم کو اختیار ہے کہ جو معاملہ ان کے ساتھ چاہو کرو، وہ سوالات یہ ہیں: (۱) اس شخص کا حال بیان کیجیے جو مشرق و مغرب تک فتوحات کرتا چلا گیا؟ (۲) ان چند نوجوانوں پر کیا گزرا جو کافر بادشاہ کے خوف سے پہاڑ کی کوہ میں جا چھپے تھے؟ (۳) روح کے متعلق بیان کیجیے؟ وفد، مکہ واپس آیا اور اس نے قریش کو یہودی علماء کی گفتگو سنائی، قریش نے سن کر کہا: اب ہمارے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں فیصلہ کرنا آسان ہو گیا کہ یہود کے ان سوالات کے جوابات ایک امی انسان جب ہی دے



سکتا ہے کہ درحقیقت اس پر خدا کی جانب سے وحی آتی ہو، چنانچہ قریش مکہ نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر تینوں سوالات پیش کر دیے، ان ہی سوالات کے جوابات کے لیے آپ پر سورہ کہف کا نزول ہوا۔ (۱)

محدثین نے اس روایت کے مختلف طریقوں کو بیان کر کے اس کی تحسین فرمائی ہے اور سدی کے طریقِ روایت میں اس قدر اور اضافہ ہے:

ترجمہ: یہود نے کہا ”ہم کو اس نبی کا حال بتائیے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے توراہ میں صرف ایک ہی جگہ کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا وہ ”کون“؟ یہود نے کہا ”ذوالقرنین“۔

یہود کے اس بلا واسطہ سوال کے متعلق محدثین یہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ راوی نے اختصار سے کام لیا ہے، صحیح تفصیل یہ ہے کہ ان سوالات کا انتخاب یہود نے کیا تھا۔ مگر قریش کی زبان سے ادا کرائے گئے اور ہو سکتا ہے سوال میں لفظ توراہ دیکھ کر نیچے کے کسی راوی نے اپنے وہم سے ان سوالات کو بلا واسطہ یہود کی جانب سے سمجھ لیا ہو۔

غرض اس روایت سے تین اہم باتوں پر روشنی پڑتی ہے (الف) یہ کہ ذوالقرنین سے متعلق سوال اگرچہ قریش کی زبان سے ادا ہوا لیکن اصل میں یہ یہود کی جانب سے تھا (ب) یہ ایسے شخص سے متعلق سوال تھا جس کو توراہ میں صرف ایک جگہ ”ذوالقرنین“ کہا گیا ہے (ج) اس شخص کو قرآن نے اپنی طرف سے ذوالقرنین کا لفظ نہیں دیا بلکہ سوال کرنے والوں کے سوال کے پیش نظر اس کو دہرایا ہے، چنانچہ قرآن کا یہ اسلوب بیان بھی اسی جانب اشارہ کرتا ہے:

ترجمہ: وہ تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ذوالقرنین کا حال بتاؤ۔

ذوالقرنین اور سکندر مقدونی:

ذوالقرنین کس شخصیت کا لقب ہے اس بحث سے قبل یہ معلوم رہنا از بس ضروری ہے کہ بعض حضرات کو یہ سخت مغالطہ ہو گیا ہے کہ سکندر مقدونی ہی وہ ذوالقرنین ہے جس کا ذکر قرآن سورہ کہف میں کیا گیا ہے۔ یہ قول باتفاق جمہور علماء سلف خلف قطعاً باطل اور جہالت پر مبنی ہے اس لیے کہ قرآن کی تصریحات کے مطابق ذوالقرنین صاحبِ ایمان اور مرد صالح بادشاہ تھا اور سکندر مقدونی مشرک اور جابر بادشاہ گزرا ہے جس کے شرک و ظلم کی صحیح تاریخ خود اسکے بعض امراء دربار نے بھی مرتب کی ہے اور تمام معاصرانہ شہادتیں بھی اسکے بت پرست اور جابر و ظالم ہونے پر متفق ہیں۔

امام بخاری نے کتاب احادیث الانبیاء میں ذوالقرنین کے واقعہ کو حضرت ابراہیم (علیہ



السلام) کے تذکرہ سے قبل نقل کیا ہے اس کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں:-  
ترجمہ: مصنف نے ذوالقرنین کے واقعہ کو حضرت ابراہیمؑ کے تذکرہ سے قبل اس لیے بیان کیا ہے کہ وہ  
اس شخص کے قول کی اہانت کرنا چاہتے ہیں جو سکندر یونانی کو ذوالقرنین کہتا ہے۔

اور پھر اپنی جانب سے تین وجوہ فرق بیان کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ سکندر یونانی کسی بھی  
طرح قرآن میں مذکور ذوالقرنین نہیں ہو سکتا، انھوں نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ جن حضرات نے سکندر  
مقدونی کو ذوالقرنین کہا ہے غالباً ان کو اس روایت سے مغالطہ ہوا ہے جو طبری نے اپنی تفسیر میں اور محمد  
بن ربیع جیزی نے کتاب الصحابہ میں نقل کی ہے اور جس میں اس کو رومی اور بانی اسکندر یہ کہا گیا ہے مگر یہ  
روایت ضعیف اور ناقابل اعتماد ہے۔

اور حافظ عماد الدین ابن کثیر ذوالقرنین کے نام کی تعیین سے متعلق مختلف اقوال بیان کرتے  
ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:-

”اور الحق بن بشر نے بروایت سعید بن بشیر، قتادہ سے نقل کیا ہے کہ ذوالقرنین کا نام سکندر  
تھا اور یہ سام بن نوح (علیہ السلام) کی نسل سے تھا لیکن اسکندر بن فیلیس (مقدونی) کو بھی ذوالقرنین  
کہنے لگے ہیں جو رومی اور بانی اسکندر یہ ہے، مگر واضح رہے یہ دوسرا ذوالقرنین پہلے سے بہت زمانے  
بعد پیدا ہوا ہے کیوں کہ سکندر مقدونی حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال قبل ہوا ہے اور مشہور  
فلسفی ارسطاطالیس اس کا وزیر تھا اور یہی وہ بادشاہ ہے جس نے دارا ابن دار کو قتل کیا اور فارس کے بادشا  
ہ کو ذلیل کر کے ان کے ملک پر قبضہ کر لیا۔ ہم نے یہ تنبیہ اس لیے کر دی کہ بہت سے آدمی یہ اعتقاد رکھتے  
ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی شخصیت ہیں اور یہ اعتقاد کر بیٹھے ہیں کہ قرآن میں جس ذوالقرنین کا ذکر ہے وہ  
یہی سکندر مقدونی ہے جس کا وزیر ارسطاطالیس فلسفی تھا اور اس اعتقاد کی بدولت بہت بڑی غلطی اور بہت  
زیادہ خرابی پیدا ہو جاتی ہے اس لیے کہ ذوالقرنین اول مسلمان اور عادل بادشاہ تھا اور اس کے وزیر  
خنصر (علیہ السلام) تھے جن کے متعلق ہم ثابت کر آئے ہیں کہ وہ نبی تھے اور دوسرا (مقدونی) مشرک تھا  
اور اس کا وزیر فلسفی تھا اور ان دونوں کے درمیان تقریباً دو ہزار سال سے بھی زیادہ کا فصل ہے، پس کہاں  
یہ (مقدونی) اور کہاں وہ (عربی سامی) اور ان دونوں کے درمیان اس درجہ امتیازات ہیں کہ ماسواغی  
اور حقائق سے نا آشنا شخص کے دوسرا کوئی شخص ان دونوں کو ایک کہنے کی جرات نہیں کر سکتا۔

اور امام رازی نے اگرچہ سکندر مقدونی کو ذوالقرنین کا لقب دیا ہے بائیں ہمہ ان کو بھی یہ اقرا

رہے:



ترجمہ: ذوالقرنین نبی تھے اور اسکندر مقدونی کافر تھا اور اس کا معلم اور وزیر بلاشبہ کافر تھا۔  
حافظ ابن حجر نے اس مغالطہ کی وجہ یہ نقل کی ہے کہ چونکہ قرآن میں مذکور ذوالقرنین مقتدا ہے اور وہ وسیع حکومت کا مالک رہا ہے اور اسکندر یونانی بھی وسیع حکومت کا حکمراں رہا ہے اس لیے اس کو بھی ذوالقرنین کہنے لگے، یا اس لیے کہ وہ دو پادشاہتوں روم اور فارس کا بادشاہ ہو گیا تھا اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے محمد بن اسحاق نے اپنی سیرت میں ذوالقرنین کا نام سکندر نقل کر دیا ہے اور چونکہ اس کی سیرت بہت مشہور و مقبول ہے اس لیے یہ نام بھی بہت شہرت پا گیا، اور حافظ عماد الدین کا خیال یہ ہے کہ چونکہ اسحاق بن بشر کی روایت میں قرآن میں مذکورہ ذوالقرنین کا نام بھی سکندر بتایا گیا ہے اس کے غلطی اور نادانی سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ سکندر مقدونی ہی ذوالقرنین ہے۔

غرض حافظ حدیث شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن عبد البر، زہیر بن بکارہ، ابن حجر، ابن کثیر، عینی (رحمہم اللہ) جیسے محققین نے اس مغالطہ کی پوری طرح تردید کر دی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قرآن نے ذوالقرنین کے جو محاسن و مناقب بیان کیے ہیں ان کے پیش نظر ایک بت پرست اور جابرو ظالم شخص کو ان کا مصداق بنانا فاش غلطی ہے۔

ذوالقرنین اور اذواء یمن:

ایک جوئے حق کو یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ وسعت حکومت اور زبردست سطوت و صولت کے لحاظ سے جس طرح بعض حضرات نے سکندر مقدونی کو ذوالقرنین کا لقب دے دیا ہے۔ اسی طرح یمن کے بعض تباہ کو بھی اہل عرب وسعت حکومت کی بنیاد پر ذوالقرنین کہتے آئے ہیں مثلاً ابو کرب تبع نے اپنے دادا کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:-

ترجمہ: ”میرا دادا ذوالقرنین مسلمان تھا اور وہ ایسا پر شوکت بادشاہ تھا کہ بہت سے بادشاہ اس کے تابع فرمان اور اس کے سامنے پست تھے۔“

اور عرب کے مشہور شعراء امراء القیس، اوس بن حجر اور طرفہ بن عبدہ وغیرہ کے کلام میں بھی حمیری بادشاہوں کو ذوالقرنین کہا گیا ہے۔ (۱)

اسی طرح ایرانی بادشاہوں میں سے اہل عرب کی قبلا اور فریدوں کو بھی ان کی قاہرانہ فتوحات کی وجہ سے ذوالقرنین کہتے تھے۔ (۲)

مگر یہ سب مذکورہ بالا وجہ کی بنیاد پر ہی ذوالقرنین کہلاتے رہے ہیں اور قرآن میں مذکورہ ذوالقرنین ان میں سے کوئی نہیں ہے چنانچہ حضرت استاذ محقق علامہ سید محمد انور شاہ نے اس حقیقت کو



بخوبی واضح کر دیا ہے، فرماتے ہیں: ذوالقرنین کے معاملہ میں ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو وہ اہل مشرق میں سے تھا جیسے کہ بعض کا خیال فغفور چین کی جانب ہے اس لیے کہ اگر وہ مشرقی ہوتا تو قرآن عزیز اس کے سفر مغرب کے بعد یہ کہتا کہ وہ پھر مشرق کو لوٹ گیا یعنی اپنے وطن کی جانب واپس ہو گیا یہ نہ کہتا اذا بلغ مطلع الشمس اور نہ وہ اہل مغرب میں سے تھا بلکہ مشرق و مغرب کے درمیانی علاقہ کا باشندہ تھا۔

ترجمہ: اور راجح یہ ہے کہ ذوالقرنین (مذکور فی القرآن) نہ یمن کے بادشاہوں میں سے تھا اور نہ شاہانِ حرم میں سے کیقباد ذوالقرنین تھا اور نہ سکندر بن فیلفوس (مقدونی) ذوالقرنی تھا بلکہ وہ ان سب سے جدا ایک نیک بادشاہوں میں سے تھا جن کا نسب سامی عرب تک پہنچتا ہے، نا صح التواریخ نے ایسا ہی کہا ہے۔

اور سید محمد آلوسی نے بھی از واء یمن میں سے کسی کو ذوالقرنین تسلیم نہیں کیا اور اس قول کو غلط قرار دیا ہے۔

ان تفصیلات کے بعد اب بسہولت یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن میں مذکور ذوالقرنین کے متعلق یہ سب اقوال نظر انداز کر دینے کے قابل ہیں اور صرف دو قول ہی قابل توجہ ہیں۔ جن میں سے ایک قول سلف کی جانب منسوب ہے اور دوسرا متاخرین میں سے ایک معاصر محقق کی تحقیق ہے۔  
علماء سلف کی رائے:

علماء سلف کی رائے یہ ہے کہ قرآن میں مذکور ذوالقرنین عربی الاصل تھا، سامیہ اولیٰ میں سے تھا اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا معاصر بادشاہ تھا اور حج کے سفر میں دونوں کا ساتھ رہا ہے اور ایک معاملہ میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اس کی عدالت میں مرافعہ کیا تھا اور اس نے ان کے حق میں فیصلہ دیا اور خضر (علیہ السلام) کے وزیر با تدبیر تھے۔ لیکن علماء سلف کی اس تحقیق میں کئی فردگزاشتیں پائی جاتی ہیں جو اس تحقیق کو ایک متردد اور مضطرب رائے میں تبدیل کر دیتی ہیں، مثلاً قرآن نے ذوالقرنین کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ بیان کیا ہے کہ اس نے اپنی عمر میں تین تاریخی مہم سر کی ہیں.... ایک میں وہ مطلع الشمس تک پہنچتا ہے یعنی مشرق کی جانب اس حد تک پہنچا جہاں آبادیوں کا سلسلہ ختم ہو کر سورج سامنے سے طلوع ہوتا نظر آتا تھا اور دوسرے میں وہ مغرب الشمس تک گیا ہے یعنی اس حد تک پہنچا ہے جہاں حصہ زمین ختم ہو کر سمندر کا کوئی ایسا حصہ سامنے تھا جس میں غروب کے وقت یوں معلوم ہوتا تھا گویا سورج گد لے چشمہ میں ڈوب رہا ہے اور تیسری مہم



ایسے سفر سے متعلق تھی جس میں اس کو ایک ایسی قوم سے واسطہ پڑا جو اس کی زبان سے نا آشنا تھی اور جس نے یا جوج و ماجوج کی تاخت و تاراج کے متعلق اس سے شکایت کی اور اس نے ان کی فرمائش پر دو پہاڑوں کے پھانکوں کے درمیان لوہے اور تانبے سے ایک مضبوط سد قائم کر کے حملہ آور یا جوج و ماجوج قبائل سے ان کو محفوظ کر دیا لیکن علماء سلف یہ بتانے سے قاصر رہے ہیں کہ جس شخص کو وہ ذوالقرنین فرما رہے ہیں کیا واقعی اس کو یہ تینوں مہم اس تفصیل کے ساتھ پیش آئیں جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے بلکہ وہ اس کا فیصلہ بھی نہیں فرما سکے کہ اس کا اصل نام کیا ہے؟ اس کا مرکز حکومت کہاں تھا؟ اور اس کو ذوالقرنین کیوں کہتے ہیں؟ غرض سلف رحمہم اللہ کے یہاں صرف ان سوالات کے جواب ہیں اس درجہ مختلف و مضطرب اقوال پائے جاتے ہیں کہ قرآن کے بیان کردہ اوصاف و علامات کے پیش نظر ان کے ذریعہ کسی قدیم العہد بادشاہ کی شخصیت کا تعین ناممکن ہو جاتا اور معاملہ اپنی جگہ غیر متفصل ہو کر رہ جاتا ہے۔ مثلاً نام کے متعلق زبیر بن بکار اور ابن مردویہ (عن ابن عباسؓ) کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن ضحاک بن معد بن عدنان ہے مگر اس کے متعلق حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ روایت بہت ضعیف ہے اس لیے کہ اس صورت میں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر نہیں ہو سکتا جبکہ حضرت ابراہیم اور عدنان کے درمیان چالیس واسطے ہیں۔ (۱) ابن ہشام، کعب احبار اور جعفر بن حبیب کہتے ہیں کہ اس کا نام مصعب بن عبد اللہ یا مصعب حمیری ہے۔ (۲) حافظ ابن حجر کا رجحان بھی اسی جانب ہے۔ لیکن ابن عبد البر کہتے ہیں کہ مصعب سے قحطان تک چودہ پشت ہوتی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام سے فلج تک سات پشت ہیں حالانکہ فلج اور قحطان دونوں بھائی اور عہد کے بیٹے ہیں۔ (۱) لہذا اس حساب سے یہ شخص بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر نہیں ہو سکتا اور جعفر بن حبیب کی دوسری روایت یہ ہے کہ منذر بن ابی القیس (شاہ جبرہ) (۲) ذوالقرنین ہے لیکن یہ بادشاہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بھی بعد پیدا ہوا ہے اور مدانی نے کتاب الانساب میں اس کا نام ہمیسع (ابو الصعب) بن عمرو بن عرب بن زید بن کہلان بن سبا بن قحطان یا ابن اشجب بن یعرب بن قحطان بتایا ہے۔ اگرچہ اس نام کا بادشاہ سبا کے خاندان سے ضرور ہو گزرا ہے لیکن حمیری (سبا) بادشاہوں کے طبقہ اولیٰ کی تاریخ بھی ۱۲۰۰ ق م سے اوپر نہیں جاتی..... حالانکہ معاصر ابراہیم علیہ السلام کو ۲۲۰۰ ق م ہونا چاہیے اور ابن ہشام نے سیرت میں دوسری روایت یہ نقل کی ہے کہ ذوالقرنین کا نام مرزبان بن مردویہ ہے اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی روایت کی وجہ سے اسی کو سکندر اول بھی کہتے ہیں۔ لیکن تاریخی اعتبار سے یہ نام مجہول ہے اور اس نام کا کوئی بادشاہ تاریخوں میں مذکور



نہیں ہے۔ علاوہ ازیں علماء سلف یہ صراحت کرتے ہیں کہ ذوالقرنین عربی الاصل اور مرزبان اور مردویہ عربی نام نہیں ہیں بلکہ عجمی نام ہیں اس لیے اگر اس نام کا کوئی بادشاہ ہوگا تو عجمی نہ کہ عربی، اور وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ اس کا نام صعب بن مراند (تبع اول) ہے لیکن یہ اس لیے صحیح کہ اول تو کوئی تبع اول کا یہ نام ہی نہیں ہے بلکہ اس کا نام حارث الرائش یا زید دوسرے کوئی (حمیری) ”تبع“ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر نہیں ہے اور دارقطنی اور ابن ماقولا سے منقول ہے کہ اس کا نام ہر مس یا ہیروس بن قیطون بن لطنی ہے۔ مگر یہ سخت مغالطہ ہے کہ اس لیے کہ یہ سکندر مقدونی کے دادا کا نام ہے اور سکندر کے مغالطہ ہی میں ذکر میں آ گیا ہے۔

اس تفصیل سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس امر پر اتفاق کے باوجود کہ قرآن میں مذکور ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر بادشاہ ہے جو نام سلف سے منقول ہیں ان میں نہ کوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر ہے اور نہ سامعہ اولیٰ میں سے بلکہ یا یمنی حمیری سلاطین کے نام ہیں اور یا عجمی بادشاہوں کے نام اور ان میں اس درجہ اختلاف ہے کہ چند علماء سلف کا کسی ایک پر اتفاق نہیں اور اسی بنا پر حافظ ابن حجر صرف یہ فرما کر خاموش ہو گئے کہ چند آثار عرب اور بعض اقوال سے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کا نام صعب تھا۔ لیکن خود صعب کی شخصیت کے متعلق جو اختلاف اقوال ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاصر نہ ہونے کا جو اشکال ہے اس کا کوئی حل انھوں نے نہیں کیا۔ پھر نام کی طرح اسکے لقب ”ذوالقرنین“ کے متعلق بھی یہی اضطراب موجود ہے اور اس لقب کی وجہ جس قدر بھی احتمالات ہو سکتے تھے وہ سب ہی منقول و مذکور ہیں۔ فہرست ملاحظہ ہو:

(۱) ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ وہ روم و فارس دو مملکتوں کا وارث تھا اور ”قرن“ جس کے معنی ”سینگ“ کے ہیں بطور استعارہ کے طاقت و حکومت کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی دو حکومتوں کا والی اور مالک، یہ رائے اہل کتاب کی جانب منسوب ہے اور بعض مفسرین کا رجحان بھی اسی جانب ہے۔

(۲) وہ فتوحات کرتا ہوا اقصائے مشرق و مغرب تک پہنچا اور دونوں جہات میں بہت سے ممالک پر قابض و مسلط ہوا۔ یہ زہری کا قول ہے۔

(۳) اس کے سر میں دونوں جانب سینگ کے مشابہ تانبے کے سے غدودا بھرے ہوئے تھے یہ وہب بن منبہ کی رائے ہے۔

(۴) اس کی زلفیں دراز تھیں اور وہ ہمیشہ اپنے بالوں کو دو حصے کرتا اور انکی پٹیاں گوندھ کر دونوں



کاندھوں پر ڈالے رکھتا تھا اور دونوں کو ”قرن“ سے تشبیہ دے کر اس کو یہ لقب دیا گیا۔ یہ قول حسن بھری کی جانب منسوب ہے۔

(۵) اس نے ایک جابر بادشاہ کو یا اپنی قوم کو تو حید کی دعوت دی، بادشاہ یا قوم نے غضب ناک ہو کر اس کے سر کے ایک جانب ایسی سخت چوٹ لگائی کہ وہ مر گیا، اس کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر پھر تبلیغ کا فرض انجام دیا، اس مرتبہ دوسری جانب چوٹ مار کر قوم نے اس کو شہید کر دیا۔ اس ضرب سے اس کے سر پر جو نشان پڑ گئے تھے اس کی وجہ سے اس کو یہ لقب دیا گیا، ای توجیہ حضرت علیؑ کی جانب منسوب ہے۔

(۶) وہ نجیب الطرفین تھا اس لیے والدین کی نجابت کو قرنین کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور ذوالقرنین لقب ہوا۔

(۷) اس لیے اس قدر طویل عمر پائی کہ انسانی دنیا کے دو قرن (صدیوں) تک زندہ رہا۔

(۸) وہ جب جنگ کرتا تھا تو بیک وقت دونوں ہاتھوں سے ہتھیار چلاتا بلکہ دونوں رکابوں سے بھی ٹھوکر لگاتا تھا۔

(۹) اس نے زمین کی تاریکی اور روشنی دونوں حصوں کی سیاحت کی۔

(۱۰) وہ ظاہر و باطن دونوں علوم کا حامل تھا۔

لیکن پہلی توجیہ تو اس قیاس پر مبنی ہے کہ سکندر مقدونی ہی ذوالقرنین ہے اور دوسری توجیہ کی بنیاد اس ناقابل اعتماد روایت پر مبنی ہے جو سفیان ثوری اور مجاہد سے منقول ہے، اس میں ہے کہ چار بادشاہ وہ ہیں جنہوں نے تمام عالم پر حکومت کی ہے ان میں سے دو مسلمان ہیں اور دو کافر، حضرت سلیمان علیہ السلام و ذوالقرنین اور نمرود و بخت نصر۔ یہ روایت اس لیے معلوم ہے کہ اگر تھوری دیر کے لیے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین دونوں کی حکومت تمام عالم پر رہی ہے، ”اگرچہ تاریخی حیثیت سے یہ صحیح نہیں ہے“ تب بھی نمرود و بخت نصر کے جو مفصل حالات کتب توارخ میں محفوظ ہیں وہ اس روایت کے مضمون کا انکار کرتے ہیں اس لیے کہ ان دونوں بادشاہوں کی حکومت شام، عراق، مصر، حجاز اور فارس کے علاوہ بالواسطہ یا بلاواسطہ دنیا کے کسی حصے پر بھی ثابت نہیں ہے اور آخر الذکر بادشاہ کا زمانہ تو بہ لحاظ عہد تارخ اتنا قریب ہے کہ اس کی حکومت اور قبضہ حکومت کی تفصیل تو معاصرانہ شہادتوں اور تاریخی روایتوں اور حجرات کے اکتشافات کی بنا پر بہت مشہور اور واضح ہیں اس لیے یہ روایت بھی قابل حجت نہیں ہے اور تیسری توجیہ سے متعلق جو روایت ہے اس کو حافظ ابن



حجر نے منکر اور ابن کثیر نے ضعیف اور ناقابل اعتماد کہا ہے، دوسرا طریقہ اگرچہ صحیح ہے لیکن اس کے متن پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس میں یہ الفاظ ہیں: لم یکن نبیا ولا ملکا ذوالقرنین نہ نبی تھے اور نہ فرشتہ“ حالانکہ اسی روایت کی ابتدا میں ہے ”بعثہ اللہ الی قومہ“ اللہ تعالیٰ نے اس کی قوم کی جانب مبعوث کیا تھا“ یہ جملہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ نبی تھے، البتہ حافظ نے اس اشکال کے جواب میں ایک کمزور سا جواب یہ کہہ کر دے دیا ”الا ان یحمل البعث علی غیر رسالتہ النبوتہ مگر یہ کہ یوں کہہ دیا جائے کہ اسکی بعثت نبوتہ کے طور پر نہیں تھی۔“

ہمارے نزدیک اس پر یہ اہم اشکال بھی وارد ہوتا ہے کہ قرآن عزیز نے ذوالقرنین کے حاکمانہ اقتدار کے متعلق جو تفصیلات دی ہیں یہ روایت ان کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی وہ کہتا ہے ذوالقرنین وسیع مملکت کا مالک اور کامیاب بادشاہ ہو گزرا ہے، مگر یہ روایت اس کو صرف ایک مبلغ ثابت کرتی ہے جس کی قوم تک نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور اس کے درپے آزار رہے، علاوہ ازیں حضرت علیؑ کی روایت میں اس کے متعلق جو معجزانہ واقعہ مذکور ہے اگر یہ صحیح تھا تو قرآن عزیز کس طرح اس کو فروگزاشت کر سکتا تھا جب کہ یہ ذوالقرنین کی عظمت کو چند در چند بلند کرتا ہے؟ اس لیے یہ توجیہ بھی جرح اور ضعف سے محفوظ نہیں ہے اور ممکن ہے کہ حضرت علیؑ کا یہ قول قرآن میں مذکور ذوالقرنین کے سوا کسی دوسری شخصیت سے متعلق ہو اور نیچے کے راویوں نے اپنے فہم سے اس واقعہ کے ساتھ چسپاں کر دیا ہو اور ساتویں اور نویں ہر دو توجیحات کو ابن کثیر نے ”منکر“ یعنی ناقابل اعتماد کہا ہے اور چھٹی آٹھویں اور نویں توجیحات محض اٹکل کے تیر اور بے سند ہیں

یہ ہیں وہ اقوال جو یا بہ لحاظ نقل ضعیف اور منکر ہیں اور یا بے سند محض اٹکل کے تیر ہیں اسی بنا پر حافظ ابن حجر تو ان کو فقط نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور ان اقوال میں سے بھی کسی ایک قول کو ترجیح نہیں دیتے جو ان کے نزدیک بہ لحاظ روایت و نقل سقم سے پاک ہیں۔ البتہ حافظ ابن کثیر نے زہری کے قول کو راجح کہا ہے یعنی وہ کیوں کہ مشرق اور مغرب دونوں حدوں تک پہنچا اور ان کے درمیان کا مالک رہا ہے اس لیے ذوالقرنین کہہ لایا یہ بات اگرچہ کسی حد صحیح ہو سکتی ہے لیکن مشارق الارض و مغاربھا کے مفہوم میں وہی کلام ہے جو ہم ابھی بیان کر آئے ہیں اور آئندہ تفصیل کے ساتھ اس پر بحث کریں گے۔

علماء سلف سے ذوالقرنی کے نام اور لقب سے متعلق جو اقوال منقول ہیں اور جن سے اس کی شخصیت کے تعین میں مدد لی جاتی ہے ان کا حال تو آپ تفصیل کے ساتھ معلوم کر چکے، اب ذوالقرنین



کے بعض حالات کا جو تذکرہ اس ضمن میں پایا جاتا ہے وہ بھی تعارض اضطراب سے خالی نہیں ہے مثلاً ازرقی کہتے ہیں کہ ذوالقرنین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا اور پھر ابراہیم و اسمعیل علیہم السلام کے ہمراہ کعبہ کا طواف کیا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا اور علی بن احمد کی روایت میں ہے کہ ذوالقرنین جب حج کے ارادہ سے نکلا تو پیادہ پاروانہ ہوا اس کی اطلاع حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہوئی تو وہ اس کے استقبال کے لیے نکلے اور اس کے لیے دعاء خیر کی۔ یہ روایت ذوالقرنین کو قدیم الاسلام ثابت کرتی ہے

اسی طرح تعین شخصیت میں کوئی اس کو سامیہ اولیٰ میں سے بیان کرتا ہے اور کوئی حمیری بادشاہوں میں اور کوئی خضر علیہ السلام کو اس کا وزیر کہہ کر خضر کی عمر کو حضرت ابراہیم کے عہد سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد تک دراز ثابت کرتا ہے حالانکہ حضرت موسیٰ کے حالات میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس قسم کی تمام روایات غیر مستند اور اہل کتاب سے ماخوذ ہیں

غرض ذوالقرنین کے نام، اس کے لقب کی وجہ تسمیہ اور تعین شخصیت کے متعلق علماء سلف کے یہاں اس قدر مختلف اور مضطرب روایات پائی جاتی ہیں کہ ان کو سامنے رکھ کر ذوالقرنین کی تاریخی شخصیت کا پتہ لگانا ناممکن ہو جاتا ہے اور حافظ ابن حجر کے اس ارشاد کے باوجود کہ پس یہ آثار ایک دوسرے کو مضبوط بناتے اور قوت پہنچاتے ہیں اور ذوالقرنین کے قدیم العہد ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

یہ اشکال حل نہیں ہوتا کہ جب کہ حضرت ابراہیم اور ان کے عہد کے کافر بادشاہ نمرود کے حالات و واقعات قرآن کے علاوہ سیر و تاریخ کی کتابوں کے ذریعے بھی بہت زیادہ روشنی میں آچکے ہیں اور بائبل بھی اکثر حالات کو روشنی میں لاتی ہے تو ذوالقرنین عہد ابراہیمی کی ایسی عظیم الشان ہستی تھی تو ان چند مختصر اور اور منتشر آثار کے علاوہ اس کے حالات و واقعات کیوں تاریخی حیثیت سے اس طرح سامنے نہیں آئے جس سے اس کی شخصیت صاف طور پر نمایاں نظر آتی نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے وابستہ ایسے جلیل القدر انسان کا ذکر قرآن نے کیوں واقعات ابراہیم کے سلسلہ میں نہیں کیا اور سورہ کہف میں اس جانب کیوں اشارہ تک نہیں کیا گیا۔ کیا یہ بات قابل تعجب نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم کے مخالف کافر بادشاہ کی مخالفت اور حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی کا تو قرآن شد و مد کے ساتھ ذکر کرے مگر مشارک و مغارب ارض پر حکمراں ایسے بادشاہ کا اس سلسلہ میں کوئی ذکر نہ کیا جائے جو حضرت ابراہیم کے ہاتھ پر ایمان لایا، ان کی اطاعت و فرماں برداری کا اظہار کر کے ان کا موسیٰ ثابت



ہوا اس لیے یہ کہنا شاید بیجا نہ ہو گا کہ قرآن، مرفوع احادیث، توراہ اور تاریخ میں عہدِ ابراہیمی کے اندر یا اس کے قریب کسی ایسے بادشاہ کا ثبوت نہیں ملتا جس کا ذکر سورۃ کہف میں ”ذوالقرنین“ کہہ کر کیا گیا ہے اور جو اقوال و آثار اس سلسلہ میں مذکور ہیں وہ اس شخصیت کی تاریخی حیثیت ثابت کرنے سے قاصر ہیں

متاخرین کی رائے:

علماء متاخرین میں سے بعض علماء نے تو اسی غلط بات کو اختیار کر لیا کہ سکندر مقدونی ہی قرآن میں مذکور ذوالقرنین ہے اور بعض علماء نے فقط علماء سلف کے قول کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے اور اس کے خطا و صواب پر کوئی توجہ نہیں فرمائی اور بعض نے بغیر کسی دلیل کے یمن کے حمیری بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کو زیر بحث ذوالقرنین فرما دیا۔

مگر ان سب اقوال سے جدا مولانا ابوالکلام نے اس سلسلہ میں جو تحقیق فرمائی ہے البتہ وہ ضرور قابل توجہ ہے بلکہ دلائل و براہین کی قوت کے لحاظ سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان کی تحقیق بلاشبہ صحیح اور قرآن کے بیان کردہ اوصاف اور تاریخی حقائق کی مطابقت کے پیش نظر ہر طرح لائق ترجیح ہے۔

تفسیری مطالب کے سلسلہ میں ہم کو موصوف کے ساتھ شدید اختلاف بھی رہتا ہے اور اتفاق بھی لیکن اس خاص مسئلہ میں چونکہ ان کی رائے علماء سلف سے بالکل مختلف تھی اس لیے کڑی تنقیدی نظر کی محتاج تھی چنانچہ کافی غور و خوض اور گہری نظر کے بعد اس کی صحت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے اور جب کہ یہ طے شدہ امر ہے کہ علماء سلف کی جلالتِ قدر اور علمی عظمت و برتری کے باوجود علمی تحقیق کا دروازہ بند نہیں ہے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں علماء متاخرین نے علماء متقدمین سے سینکڑوں مسائل علمی میں اختلاف رائے کا اظہار کیا ہے خصوصاً تاریخی مباحث میں اور جدید ذرائع معلومات نے ایسے اکتشافات کیے ہیں جن کے ذریعہ ہم بہت سے ایسے مسائل کو با آسانی حل کر لیتے ہیں، جو علماء سلف کے زمانہ میں لائیکل رہے ہیں تو ہم کو مولانا آزاد کی اس تحقیق کا ”خواہ تاریخی حقائق کے لحاظ سے وہ کتنی ہی وقیح کیوں نہ ہو“ محض اس لیے انکار نہیں کر دینا چاہیے کہ وہ ان کی اپنی تحقیق ہے

مولانا آزاد نے اس سلسلہ میں جو تحقیق فرمائی ہے وہ اپنی جگہ قابل، مراجعت ہے اور اس طویل مضمون کا یہاں نقل کرنا قطعاً غیر مناسب ہے البتہ ہم اپنی کاوش و تحقیق سے جس حد تک اس کے ساتھ مطابقت کر سکتے ہیں اس ہی کو سپرد قلم کرنا موزوں خیال کرتے ہیں۔



ایک مرتبہ پھر اس روایت پر غور فرمائیے جو محمد بن اسحاق اور شیخ جلال الدین سیوطی نے نقل فرمائی ہے اور جس کا حاصل یہ ہے کہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق مشرکین مکہ نے جو سوالات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے وہ دراصل یہود مدینہ کی تلقین پر کیے گئے تو اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہود کو ان واقعات سے ایسی کیا دلچسپی تھی کہ جس کی بنیاد پر انہوں نے ان کا انتخاب کیا اور ان کے صحیح جوابات کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت و رسالت کی صداقت کا معیار ٹھہرایا۔ اصحاب کہف سے متعلق تو تفصیل کے ساتھ گذشتہ صفحات میں بحث آچکی ہے لیکن ذوالقرنین کے بارے میں کیوں سوال کیا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہود نے اس سوال میں درحقیقت ایک ایسی شخصیت کا انتخاب کیا ہے جو ان کی مذہبی زندگی کے سلسلہ میں بہت ہی زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور جس کو وہ اپنی ملی اور اجتماعی حیات میں کسی وقت بھی فراموش نہیں کر سکتے کیوں کہ اس شخصیت کی بدولت بنی اسرائیل نے بابل کی غلامی سے نجات پائی اور ان کے قومی مرکز قبلہ صلوٰۃ اور مقدس مقام یروشلم (بیت المقدس) ہر قسم کی تباہی اور بربادی کے بعد اسی کے ہاتھوں دوبارہ آباد ہوا چنانچہ ان اہم امور کی بناء پر یہود کے نزدیک وہ نجات دہندہ ”خدا کا مسیح اور خدا کا چرواہا کہلایا کیوں کہ ان کے نبیوں کے مقدس صحیفوں میں اس کے متعلق یہی القاب درج تھے اور اس کی عظمت کا اظہار کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے سوالات میں اس شخصیت کے مسئلہ کو بھی منتخب کیا بلکہ اسی کو زیادہ اہمیت دی جیسا کہ قرآن کے اسلوب بیان یسئلونک عن ذی القرنین سے واضح ہوتا ہے، وہ سمجھتے تھے کہ جب کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ خدا کے سچے پیغمبر ہیں اور اسکے تمام سچے پیغمبروں کے دین کو اور اپنے دین کو ایک ہی دین سمجھتے ہیں خصوصاً انبیاء بنی اسرائیل کی عظمت و عزت اور انکی صداقت و حقانیت کا اظہار فرماتے ہیں پس اگر وہ حقیقتہً خدا کے سچے پیغمبر ہیں تو ”امی“ ہونے کے باوجود ضرور وحی الہی کے ذریعہ اس شخص کے واقعات پر روشنی ڈال سکیں گے جس کی وجہ سے مہبط انبیاء بنی اسرائیل (یروشلم) اور انبیاء بنی اسرائیل اور قوم بنی اسرائیل کو ایک بت پرست بادشاہ کی غلامی اور تباہ کاریوں سے نجات ملی اور جو خدا کے کلمہ کو بلند کرنے میں انبیاء اسرائیل کا معاون و مددگار ثابت ہوا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ۷۰۰ ق م میں عراق میں دو عظیم الشان حکومتیں اپنے قاہرانہ اور جابرانہ تسلط کے ساتھ قائم تھیں، ایک آشوری حکومت اور اس کا دار الحکومت نینوی تھا اور دوسری بابلی



حکومت اور اس کا دار الحکومت بابل تھا۔ لیکن ۶۱۲ ق م میں نینوی کی حکومت کو زوال آ گیا اور بابلی حکومت بلا شرکتِ غیرے دونوں حکومتوں کے مقبوضات کی مالک اور وقت کی بہت بڑی طاقت بن گئی یہی زمانہ تھا جب کہ بابل کے تخت پر بخت نصر (بنو کد نذر) سریر آرائے سلطنت ہوا، یہ بادشاہ ذاتی طور پر بھی بہت بہادر اور صاحبِ تدبیر تھا مگر ساتھ ہی سخت ظالم و جابر بھی تھا۔ کتب تاریخ میں مشہور ہے کہ یہ صرف ملکوں کو فتح ہی نہیں کرتا تھا بلکہ قوموں کو غلام بنا کر بھیڑوں کی طرح بابل کو لے جاتا اور بڑے بڑے متمدن اور بے نظیر شہروں کو برباد کر کے کھنڈر چھوڑ جاتا تھا

ادھر ایک عرصہ سے بنی اسرائیل کی روحانی، اخلاقی و اجتماعی زندگی کو گھٹن لگ چکا تھا اور بد اعمالیوں اور بدکاریوں نے اس درجہ ان کو ذلیل و خوار کر دیا تھا کہ جو انبیاء (علیہم السلام) ان کی رشد و ہدایت کے لیے مبعوث ہوتے اور ان کی بدکاریوں پر ان کو وعظ و نصیحت اور تنبیہ کرتے تو یہ ان کو قتل کر دینے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے نتیجہ یہ نکلا کہ بخت نصر، خدا کا عذاب بن کر ان پر چڑھ آیا اور ایک لاکھ سے زیادہ بنی اسرائیل کو غلام بنا کر بکریوں کے گلہ کی طرح ہنکالے گیا اور بیت المقدس جیسے خوب صورت اور مقدس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، یہ حادثہ بنی اسرائیل کے لیے ایسا ہوش ربا تھا کہ اس نے ان کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کو تباہ و برباد کر ڈالا اور وہ انتہائی مایوسی کی حالت میں بابل کے اندر غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے۔

بنی اسرائیل پر گزرے ہوئے ان واقعات کی خبر اگرچہ انبیاء بنی اسرائیل میں حضرت یسعیاہ (شعیا) اور حضرت یرمیاہ (علیہم السلام) نے وحی اور الہام کے ذریعے پیش آنے سے قبل ہی سنادی تھی مگر اس زمانہ میں وہ اپنی نافرمانیوں میں اس درجہ سرشار و سرمست تھے کہ انہوں نے اپنی پیشین گوئیوں کی مطلق پرواہ نہیں کی، اب جب کہ یہ ہولناک واقعات سر پر سے گزرنے لگے تو انکی آنکھیں کھلیں مگر ایسے وقت کھلیں کہ رنج و افسوس اور حزن و ملال سب بیکار تھا اور کوئی ترکیب نہیں تھی کہ وہ اس عذاب سے نجات پاسکیں۔

لیکن ان تمام مایوسیوں کی سخت اور ہولناک تاریکی میں ان کے لیے اگر کوئی شعاع امید باقی تھی تو وہ ان ہی انبیاء علیہم السلام کی پیشین گوئیوں کا وہ حصہ تھا جس میں حضرت یسعیاہ نبی نے تقریباً ایک سو ساٹھ (۱۶۰) سال قبل اور حضرت اور یرمیاہ نبی نے ساٹھ سال قبل یہ بشارت بھی دی تھی کہ بیت المقدس کی تباہی سے ستر سال کے بعد بنی اسرائیل دوبارہ اپنے وطن میں آزاد ہو کر واپس آجائیں گے اور خدا کا ایک مسیح (مبارک) خدا کا چرواہا (نگہبان) کہ جس کا نام خورس ہوگا وہ بنی اسرائیل کی نجات



اور یروشلم کی دوبارہ آبادی کا باعث بنے گا اور اس کے ہاتھوں یہود کی اجتماعی زندگی کا نیا دور شروع ہوگا۔  
 بخت نصر جب بیت المقدس کے تمام اسرائیلیوں کو غلام بنا کر بابل لے گیا تو ان میں بعض  
 انبیاء بنی اسرائیل بھی تھے جو بابل جا کر اپنے حکیمانہ اقوال اور کریمانہ اخلاق کی وجہ سے اس درجہ ہر  
 دل عزیز بنے کہ دشمن بھی ان کی عزت کرنے پر مجبور ہوا، چنانچہ حضرت دانیال علیہ السلام بابلی حکومت کے  
 آخری دور میں مشیر خاص تھے۔

اب جبکہ وہ وقت قریب آیا کہ بنی اسرائیل غلامی سے نجات پائیں تو ان ہی برگزیدہ نبی  
 (دانیال) کو الہام و مکاشفہ کے ذریعہ اس نجات دہندہ کو ایک تمثیل کی شکل میں دکھایا گیا اور ساتھ ہی  
 جبرئیل علیہ السلام (ناموس اکبر) نے دانیال نبی کو اس کی تعبیر بھی بتائی جو اسی خورس کے حق میں تھی  
 جس کا ذکر یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی میں آچکا تھا۔  
 ذوالقرنین اور انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں:

یہود کے نجات دہندہ خدا کے مسیح اور اسکے چرواہے کے متعلق وہ پیشین گوئیاں کیا ہیں جن کو  
 دیکھ کر یہود بابل کی سرزمین میں انتہائی مایوسیوں کے باوجود اس وقت کے لیے چشم براہ تھے؟ پہلے ان کو  
 نقل کر دیا جائے تاکہ زیر بحث مسئلہ کے لیے تحقیق کی جانب قدم اٹھایا جاسکے۔ سب سے پہلے اس  
 سلسلہ میں حضرت یسعیاہ کی پیشین گوئی سامنے آتی ہے جو یہودیوں کے یوم نجات سے ایک سو ساٹھ  
 سال پہلے سنائی گئی تھی:

”اے اسرائیل تجھ کو مجھے فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے تیری خطاؤں کو بادل کی مانند  
 اور تیرے گناہوں کو گھٹا کی مانند مٹا ڈالا میری طرف پھر آ

کہ میں نے تیرا فدیہ دیا ہے ارے اے آسمانوں گاؤ کہ خداوند نے یہ کہا..... خداوند  
 تیرا نجات دینے والا جس نے تجھے رحم میں بنا ڈالا یوں فرماتا ہے کہ میں خداوند سب کا بنانے والا ہوں،  
 میں نے ہی اکیلا آسمانوں کو تانا اور آپ تنہا زمین کو فرش کیا۔ دروغ گوؤں کے نشانوں کو باطل ٹھیراتا اور  
 فال گیروں کو دیوانہ بناتا ہوں اور حکمت والوں کو رد کر دیتا اور ان کی حکمت کو حماقت ٹھیراتا ہوں جو اپنے  
 بندہ کے کلام کو ثابت کرتا اور اپنے رسولوں کی مصلحت کو پورا کرتا ہوں جو یروشلم کی بابت کہتا ہوں کہ وہ  
 آباد کی جائے گی اور یہوداہ کے شہروں کی بابت کہ وہ بنائے جائیں گے اور میں اس کے ویران مکانوں  
 کو تعمیر کر دوں گا جو سمندر کو کہتا ہوں کہ سوکھ جا اور میں تیری ندیاں سکھا ڈالوں گا جو خورس کے حق میں کہتا  
 ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے اور وہ میری ساری مرضی پوری کریگا اور یروشلم کی بابت کہتا ہوں کہ وہ بنائی



جائے گی اور ہیكل کی بابت کہ اس کی بنیاد ڈالی جائے گی۔

خداوند اپنے مسیح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا کہ اتھوں کو اس کے قابو میں کروں اور بادشاہوں کی کمریں کھلو اڈالوں اور دہرائے ہوئے دروازے اس کے لیے کھول دوں اور وہ دروازے بند نہ کیے جائیں گے۔ میں تیرے آگے چلوں گا اور ٹیڑھی جگہوں کو سیدھا کروں گا۔ میں پیتل کے دروازوں کے جدا جدا پٹوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا اور لوہے ٹیڑھے کے بینڈوں کو کاٹ ڈالوں گا اور میں گاڑے ہوئے خزانے اور پوشیدہ مکانوں کے گنج تجھے دوں گا تاکہ تو جانے کہ میں خداوند اسرائیل کا خدا ہوں۔ جس نے تیرا نام لیکے بلایا ہے میں نے اپنے بندہ یعقوب اور اپنے برگزیدہ اسرائیل کے لیے تجھے تیرا نام صاف صاف لیکے بلایا۔ میں نے تجھ کو مہربانی سے پکارا گو کہ تو مجھ کو نہیں جانتا۔

اور دوسری پیشین گوئی حضرت یرمیاہ (علیہ السلام) کی ہے جو بشارت کے وقوع سے تقریباً ساٹھ سال پہلے کی گئی تھی۔

وہ کلام جو خداوند نے بابل کی بابت اور کسد یوں کی سرزمین کی بابت یرمیاہ نبی کی معرفت فرمایا تم قوموں کے درمیان بیان کرو اور اشتہار دو اور جھنڈا کھڑا کرو، منادی کرو۔ مت چھپاؤ کہو کہ بابل لے لیا۔ بعل رسوا ہوا۔ مردوک سراسیمہ کیا گیا۔ اس کے بت خجل ہوئے اس کی مورتیں پریشان کی گئیں۔ کیوں کہ اتر سے ایک قوم اس پر چڑھتی ہے جو اس کی سرزمین کو اجاڑ کر لگی یہاں تک کہ کوئی اس میں نہ رہے گا وہ بھاگے ہیں وہ روانہ ہوئے کیا انسان کیا حیوان ان دونوں میں اور اسی وقت خدا کہتا ہے بنی اسرائیل آئیں گے وہ اور بنی یہوداہ ایک ساتھ وہ روتے ہوئے چلے جائیں گے اور خداوند اپنے خدا کو ڈھونڈیں گے سودہ اس طرف متوجہ ہو کے صیہون کی راہ پوچھیں گے کہ آؤ ہم آپ ہی خداوند سے مل کر اس کے ساتھ ایک ابدی عہد کریں جو کبھی فراموش نہ ہو۔

بابل سے بھاگو اور کسد یوں بابل یوں کی سرزمین سے نکلو اور ان بکریوں کی مانند ہو جو گلوں کے آگے آگے جاتی ہیں کہ دیکھو میں اتر (شمال) کی سرزمین سے بڑی قوموں کے ایک گروہ کو برپا کروں گا اور بابل پر لے آؤں گا۔

”قوموں کو مادیوں (میڈیا) کے بادشاہوں کو اور اس کے عالموں کو اسکے حاکموں کو اور اس کی سلطنت کی ساری زمین کو مخصوص کرو کہ اس پر چڑھیں۔“

”زب الافواج یوں کہتا ہے کہ بابل کے بھاری شہر کی دیواریں سراسر ڈھادی جائیں گی اور اس



کے بلند پھانک آگ سے جلادیے جائیں گے۔“

اور دانیال (علیہ السلام) کا خواب یا مکاشفہ یہ تھا:-

”بیل شازار (بخت نصر کا جانشین) بادشاہ کی سلطنت کے تیسرے سال میں مجھے مجھ دانی ایل کو ایک رویا نظر آئی بعد اس کے جو شروع میں مجھے نظر آئی تھی اور میں نے عالم رویت میں دیکھا اور جس وقت میں نے دیکھا ایسا معلوم ہوا کہ میں سون کے قصر میں تھا جو صوبی عیلام میں ہے پھر میں نے رویت کے عالم میں دیکھا کہ میں اولوی کی ندی کے کنارہ پر ہوں تب میں نے اپنی آنکھیں اٹھا کر نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ندی کے آگے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ تھے اور وہ دو سینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا اور بڑا دوسرے کے پیچھے اٹھا ہوا، میں اس مینڈھے کو دیکھا کہ پچھم اتر دھن کی طرف سینگ مارتا تھا یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ ہو سکا نہ کوئی اس کے ہاتھ سے چھڑا سکا پھر وہ جو چاہتا تھا کرتا تھا یہاں تک کہ وہ بہت بڑا ہو گیا اور میں اس سوچ میں تھا کہ دیکھا کہ ایک بکرا پچھم کی سمت سے آ کر تمام روئے زمین پر ایسا پھرا کہ زمین کو بھی نہ چھوا اور اس بکرے کے دونوں آنکھوں کے بیچ ایک عجیب طرح کا سینگ تھا اور وہ اس دو سینگ والے مینڈھے کے پاس جسے میں نے ندی کے سامنے کھڑا دیکھا، آیا اور اپنے زور کے قہر سے اس پر دوڑ گیا اور میں نے اسے دیکھا کہ وہ مینڈھے کے قریب پہنچا اور اس کا غضب اس پر بھڑکا اور مینڈھے کو مارا اور اس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور مینڈھے کو قوت نہ تھی کہ اس کا سامنا کرے۔“

اور دانیال کے مکاشفہ اور رویا کی تعبیر یہ ہے:

”اور ایسا ہوا کہ جب مجھ دانی ایل نے یہ رویت دیکھی تھی اور اس کی تعبیر کی تلاش کرتا تھا تو دیکھا کہ میرے سامنے کوئی کھڑا تھا جس کی صورت آدمی کی سی تھی اور میں نے ایک آدمی کی آواز سنی کہ اولائی کے درمیان پکار کر کہا کہ اے جبرئیل اس شخص کو اس رویت کے معنی سمجھا چنانچہ وہ ادھر جہاں میں کھڑا تھا نزدیک آیا اور جب پہنچا تو میں ڈر گیا اور اوندھے منہ گرا، پھر اس نے مجھے کہا، اے آدم زاد سمجھ کیوں یہ رویت آخری زمانہ میں انجام ہوگی..... اور کہا کہ دیکھ میں تجھے سمجھاؤں گا کہ قہر کے آخر میں کیا ہوگا کیوں کہ مقررہ وقت پر ہی کام کا انجام ہوگا وہ مینڈھا جسے تو نے دیکھا کہ اس کے دو سینگ ہیں سومادہ (میڈیا) اور فارس کا بادشاہ ہے۔ اور وہ بالوں والا بکرا یونان کا بادشاہ اور وہ بڑا سینگ جو اس کی آنکھوں کے درمیان ہے سو اس کا پہلا بادشاہ ہے۔“

اور یرمیاہ نبی کی کتاب میں ہے:



”کیوں کہ خداوند یہ کہتا ہے کہ جب بابل میں ستر برس گذر چکیں گے تو میں تمہاری خبر لینے آؤں گا اور تمہیں اس مکان میں پھر لانے سے اپنی اچھی بات تم پر قائم کروں گا۔“

خداوند کہتا ہے اور میں تمہاری اسیری کو موقوف کر آؤں گا اور تمہیں ساری قوموں میں سے اور سب جگہوں میں سے جن میں میں نے تم کو ہانک دیا ہے جمع کروں گا۔ خداوند کہتا ہے اور میں تمہیں اس مکان میں جہاں سے میں نے تمہیں اسیر کرا کے بھیجا پھر لے آؤں گا۔“

اور عزرا کی کتاب میں ہے:-

”اور شاہِ فارس خورس کی سلطنت کے پہلے برس میں اس خاطر کہ خداوند کا کلام جو یرمیاہ کے منہ سے نکلا تھا پورا ہو۔ خداوند نے شاہِ فارس خورس کا دل ابھارا کہ اس نے اپنی تمام مملکت میں منادی کرائی اور اسے قلم بند بھی کر کے یوں فرمایا شاہِ فارس خورس یوں فرماتا ہے کہ خداوند آسمان کے خدا نے زمین کی ساری ملکیتیں مجھے بخشیں اور مجھے حکم کیا کہ یروشلم کے بیچ جو یہوداہ میں ہے اس کے لیے ایک مسکن بناؤں پس اس کی ساری قوم میں سے تمہارے درمیان کون کون ہے اس کا خدا اس کے ساتھ ہو اور وہ یروشلم کو کہ شہر یہوداہ ہے جائے اور خداوند اسرائیل کے خدا کا گھر بنائے کہ وہی خدا ہے جو یروشلم میں ہے۔“

اور خورس بادشاہ ہی خداوند کے گھر کے ان برتنوں کو کہ جنہیں بنو کدندر یروشلم میں سے لے گیا اور اپنے دیوتاؤں کے گھر میں رکھا تھا نکال لایا اور شاہِ فارس خورس نے انہیں خزانچی متردات کے ہاتھ سے نکلوایا اور اس نے انہیں یہوداہ کے امیر شیش بضر کو گن دیا۔“

اور زکریا نبی کی کتاب میں ہے:

”رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ دیکھ وہ شخص کہ جس کا نام ”شاخ“ ہے اور وہ اپنی جگہ سے آئے گا اور وہ خداوند کی ہیکل کو بنائے گا ہاں وہی خداوند کی ہیکل کو بنائے گا اور وہ صاحبِ شوکت ہوگا۔“

ان واضح اور صاف پیشین گوئیوں کی اگر تحلیل کی جائے تو ان سے حسبِ ذیل اہم امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) جس ہستی نے بنی اسرائیل کو بابل کی غلامی سے نجات دی اس کا نام خورس تھا اور وہ فارس اور میڈیا و ملکوں کا متفقہ بادشاہ تھا۔

(۲) دانیال نبی کے مکاشفہ اور جبرئیل علیہ السلام کی تعمیر نے ان دو حکومتوں کے اتحاد کی بناء پر ہی خورس کو دو سینگوں والا (ذوالقرنین) بادشاہ کہا اور اسی تخیل کی بناء پر بنی اسرائیل میں اس کا لقب



ذوالقرنین مشہور ہوا۔

(۳) انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفوں میں اس بادشاہ کو خدا کا مسیح بنی اسرائیل کا نجات دہندہ اور خدا کا چرواہا کہا گیا ہے۔

(۴) یہودیوں میں قومی عصبیت اور نسلی تعصب کے شدید سے شدید تر ہونے کے باوجود ان ہی واقعات کی بنا پر وہ غیر اسرائیلی شخص کو ایسے اوصاف سے یاد کرتے ہیں جو صرف اپنے انبیاء کے حق میں ہی کہنے کے عادی ہیں

(۵) واقعات تاریخ نے یہ ثابت کر دیا کہ انبیاء علیہم السلام کی پیشین گوئیوں کے مطابق خورس ہی نے یہودیوں کو بابل کی غلامی سے نجات دلائی اور بیت المقدس کو دوبارہ آباد کیا۔

(۶) یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں اس کو اتر سے آنا بتایا گیا ہے، خورس بابل سے اتر (شمال) کی ہی جانب (فارس و میدیا) سے آیا تھا اس لیے وہی اس پیشین گوئی کا مصداق ہے۔

(۷) زکریا نبی کی پیشین گوئی میں اس کو اگنے والی ”شاخ“ بتایا گیا ہے اس سے یہ مطلب ہے کہ اس کی نمود اس کا ظہور غیر معمولی صورت حالات میں ہوگا جیسا کہ عموماً ایسی شخصیتوں کے متعلق خدائے تعالیٰ کی جانب سے ہوتا رہا ہے کہ جن سے اس کو کوئی خاص کام لینا ہوتا ہے

خورس اور تاریخی شواہد

محققین تاریخ نے فارس کی تاریخ کو تین عہدوں میں تقسیم کیا ہے، ایک حملہ اسکندر سے پہلے کا عہد، دوسرا طوائف الملوکی کا عہد، اور تیسرا ساسانی سلاطین کا عہد اور یہ بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ان تینوں عہدوں میں سے فارس کی عظمت اور اس کے عروج کا عہد خورس (سائرس) کے عہد حکومت سے شروع ہوتا ہے اور اس عہد کے حالات فارس کے رقیب یونان کے مورخین کے ذریعہ سے ہی روشنی میں آسکے ہیں جن میں سے بعض سائرس کے معاصر بھی ہیں اس بادشاہ کو یہودی خورس، یونانی سائرس، فارسی گورش اور کے ارش اور عرب کخسر و کہتے تھے۔

عرب مورخین کے یہاں بھی حکومت فارس کے یہ تین عہد جدا جدا نظر آتے ہیں، چنانچہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ان تینوں عہدوں کے متعلق جو اشارات کیے ہیں وہ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کیوں کہ وہ طوائف الملوکی سے قبل کے حالات میں کسریٰ فارس کے درباری عظمت و شوکت کا جس طرح ذکر کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ یہ دور حکومت فارس کے عروج و عظمت کا دور تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ طوائف الملوکی کا وسطی عہد فارس کے لیے بہت خراب اور زوال کا عہد تھا لیکن اردشیر



بن بابک ساسانی نے اس کو ختم کر کے فارس کو اسی عروج پر دوبارہ پہنچا دیا جس عروج پر پہلے عہد (عہد خورس) میں تھا۔

ترجمہ: اور ملوک الطوائف کا یہ عہد تقریباً پانچ سو سال تک رہا تا آنکہ اردشیر بن بابک ساسانی نے ظہور کیا تب اس نے کھوئے ہوئے ملکوں کو واپس لیا اور پہلے عہد کی حالت پیدا کر دی اور تمام تقسیم شدہ حصہ ملک پھر ایک مستقل حکومت کا جز ہو گئے۔

اسی طرح ابن عبدالبر نے ”القصد والامم“ میں ان ہر سہ عہدوں کا ذکر کرتے ہوئے افریدون اور منوچہر کے تذکرہ میں یہ فرمایا ہے:

ترجمہ: فارس کے بادشاہوں کا یہ پہلا طبقہ ہے جو دارا پر سکندر کے حملہ تک شمار ہوتا ہے درمیان میں ملوک الطوائف کا دور رہا اور اس کے بعد شاہان کسری کا زمانہ ہے جو اردشیر سے شروع ہوتا ہے۔

۶۲۲ ق م میں بابل اور نینوی کی حکومتیں بہت عروج و اقبال پر تھیں اور خورس سے قبل اسی دور میں ایران کی حکومت دو جدا جدا حصوں پر تقسیم تھی شمالی مغربی حصہ کو میڈیا (ماہات) کہتے تھے اور مغربی حصہ کو فارس اور دونوں حصوں میں قبائلی سردار حکومت کرتے تھے اور یہ قبائلی حکومتیں ان کے زیر اثر اور تابع تھیں لیکن ۶۱۲ ق م جب نینوی کی آشوری حکومت تباہ ہو گئی تو اگرچہ میڈیا آزاد ہو گیا اور قبائلی حکومت کی جگہ آہستہ آہستہ شاہی حکمرانی کی داغ بیل پڑنے لگی تھی تاہم بابل کے بادشاہ بخت نصر کے قاہرانہ اقتدار کے سامنے ایران کے ابھرنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا مگر ان ہی حالات کے اندر ۵۵۹ ق م میں قدرت نے ایک می نیزیا ہخامش خاندان کی ایک غیر معمولی ہستی کو نمایاں کیا کہ جو ابتداء میں اگرچہ ایک چھوٹی سی ریاست الشان کا رئیس تھا مگر ۵۵۹ ق م حیرت زا طور پر اس کے عدل و انصاف، سیاست و تدبیر، خداری و حلم نے فارس و ماہات دونوں حکومتوں کو بغیر جنگ و جدل کے اس کے قبضہ میں دے دیا اور دونوں حکومتوں کے قبائلی حکمرانوں نے برضاء و رغبت اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ یہی وہ ہستی ہے جس کو اہل فارس گورش یا کے ارش اور یہود خورس کہتے ہیں۔

مغربی مہم:

خورس نے جب فارس اور میڈیا کی حکومتوں کو متحد کر کے فرماں روائی کا اعلان کیا تو اس سے قریب ہی زمانہ میں اس کو ایک ”مغربی مہم“ پیش آئی اور اس وجہ پیش آئی کہ خورس سے بہت پہلے میڈیا اور ایران کے مغرب میں واقع حکومت لیڈیا ”ایشیا کوچک“ کے درمیان رقیبانہ جنگ رہتی تھی۔ مگر خورس کے معاصر لیڈیا کے بادشاہ کرڈیس کے باپ نے خورس (گورش) کے نانا اسٹیاگس کے باپ



صلح کر لی تھی اور باہم ازدواجی رشتہ قائم کر کے مستقل طور سے جنگ کا خاتمہ کر دیا تھا لیکن اب جب کے خورس نے فارس اور میڈیا دونوں کو متحد کر کے ایک مضبوط سلطنت قائم کر لی تو ایشیا کو چک کا بادشاہ کر ڈیسی اس کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے باپ کے کیے ہوئے تمام عہد و پیمانوں کو توڑ کر میڈیا پر حملہ کر دیا تب گورس بھی مجبوراً اپنے دارالحکومت ہمدان سے تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور دو ہی جنگوں کے بعد تمام ایشیا کو چک پر قبضہ کر لیا چنانچہ مشہور یونانی مؤرخ ہیرودٹس کہتا ہے کہ گورس کی یہ مہم ایسی عجیب اور معجزانہ تھی کہ پیڑیا کہ معرکہ سے صرف چودہ دن کے اندر اس نے لیڈیا کے مستحکم اور مضبوط دارالحکومت کو مسخر کر لیا اور کر ڈیسی قید ہو کر مجرم کی حیثیت میں اس کے سامنے کھڑا نظر آیا۔ اب اگرچہ بحر اسود تک تمام ایشیا کو چک اس کے زیر نگیں تھا مگر پھر بھی وہ آگے بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مغربی ساحل پر جا پہنچا یعنی دارالحکومت سے چودہ سو میل فاصلہ طے کر کے مغربی جانب جا کھڑا ہوا۔

اہل جغرافیہ کہتے ہیں کہ لیڈیا کا دارالحکومت سارڈیس مغربی ساحل کے قریب تھا اور ایشیا کو چک کے مغربی ساحل کی حالت یہ ہے کہ یہاں ثمرنا کے قریب چھوٹے چھوٹے جزیرے نکل آنے کی وجہ سے تمام ساحل جھیل کی طرح بن گیا ہے اور بحر اربعین کے اس ساحل کا پانی خلیج کی وجہ سے بہت گدلا رہتا ہے اور شام کے وقت سورج غروب ہوتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک گدے لے کر حوض میں ڈوب رہا ہے

مؤرخین کہتے ہیں کہ خورس نے اگرچہ ”ایشیا کو چک“ کو مردانہ وار فتح کر لیا لیکن وقت کے دوسرے بادشاہوں کی طرح اس نے مملکت مفتوحہ پر ظلم روا نہیں رکھا اور نہ ان کو وطن سے بے وطن کیا حتیٰ کہ سارڈیس کی پبلک کو یہ بھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ یہاں کوئی انقلاب رونما ہو گیا ہے۔ انقلاب ہوا مگر فقط شخصیت کا یعنی ان کو کر ڈیسی کی جگہ خورس جیسا عادل بادشاہ مل گیا۔ چنانچہ ہیرودٹس لکھتا ہے:-

سارڈیس (خورس) نے اپنی فوج کو حکم دے دیا کہ دشمن کی فوج کے سوا اور کسی انسان پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے اور دشمن کی فوج میں سے بھی جو کوئی نیزہ جھکا دے اسے ہرگز قتل نہ کیا جائے اور کر ڈیسی اگر تلوار بھی چلائے تب بھی اس کو کوئی گزند نہ پہنچائی جائے۔“

نیز حکومت کے متعلق اس کا عقیدہ وہی تھا جو ایک صالح اور نیک بادشاہ کا ہونا چاہیے چنانچہ یونانی مؤرخ کیسیاز لکھتا ہے:

”اس کا عقیدہ یہ تھا کہ دولت بادشاہوں کے ذاتی عیش و آرام کے لیے نہیں ہے بلکہ اس لیے



ہے کہ رفاہِ عام کے کاموں میں صرف کی جائے اور ماتحتوں کو اس سے فائدہ پہنچے۔“  
مشرقی مہم:

یہی مورخ ہیروڈوٹس بیان کرتا ہے کہ گورس نے ابھی بابل کو فتح نہیں کیا تھا کہ اس کو ایران کے مشرق میں ایک اہم معرکہ آرائی پیش آئی کیوں کہ مشرقِ بعید کے بعض وحشی اور صحرائین قبائل نے سرکشی اور بغاوت کی تھی اور یہ باختر (بکٹیریا) کے قبائل تھے اور بعض تاریخی حوالہ جات سے یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ جس مقام کو آج کل مکران کہتے ہیں اس جگہ کے خانہ بدوشوں نے یہ سرکشی کی تھی، یہ مقام بلاشبہ ایران کے لیے مشرقِ بعید کا حکم رکھتا ہے اس لیے کہ اس کے بعد پہاڑ ہیں جنہوں نے آگے بڑھنے کے لیے راہ روک دی ہے۔

تیسری (شمالی) مہم:

بابل کی فتح کے علاوہ تاریخِ گورس کی ایک اور مہم کا ذکر کرتی ہے اور یہ ایران سے شمال کی جانب پیش آئی، اس مہم میں وہ بحرِ کاسپین (خزر) کو دہنی جانب چھوڑتا ہوا کاکیشیا کے پہاڑی سلسلہ تک پہنچا ہے، انھیں پہاڑوں میں اس کو ایک درہ ملا ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان پھاٹک کی طرح نظر آتا ہے۔ اس مقام پر جب وہ پہنچا ہے تو ایک قوم نے اس سے یاجوج و ماجوج قبائل کے تاراج کی شکایت کی ہے کہ وہ اس درہ میں سے نکل کر حملہ آور ہوتے اور تاخت و تاراج کر کے ہم کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں چنانچہ اس نے لوہا اور تانبا استعمال کر کے اس پھاٹک کو بند کر دیا اور دھات کی ایک سد قائم کر دی جس کے آثار و نشان اس وقت بھی موجود ہیں، چنانچہ ہیروڈوٹس اور زنبون دونوں یونانی مورخ تصریح کرتے ہیں کہ گورس نے فتح لیڈیا کے بعد سیٹھین قوم کے سرحدی حملوں کی روک تھام کے لیے خاص انتظامات کیے۔

اور یہ حقیقت عن قریب واضح ہو جائے گی کہ گورس کے زمانہ میں یاجوج و ماجوج قبائل میں سے یہی سیٹھین تھے جو حملہ آور ہو کر قریب کی آبادیوں کو تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے۔  
فتح بابل:

اب جب کہ گورس یا خورس کی فتوحات اس درجہ وسیع ہو چکی تھیں کہ ایران کے مغربِ اقصیٰ میں وہ بحرِ شمال سے لیکر بحیرہِ اسود (بحرِ لچین) کے آخری ساحل تک قابض تھا اور مشرقِ اقصیٰ میں مکران کے پہاڑوں تک بلکہ دارا کے رقبہ حکومت کی تفصیل کو مستند مان لیا جائے تو دریائے سندھ تک فتح کر چکا تھا۔ اور شمال میں کاکیشیا کے پہاڑی سلسلہ تک حکمراں تھا تو اس کو عراق کی مشہور اور متمدن مگر قاہرہ



جابر حکومت کی جانب متوجہ ہونا پڑا چنانچہ اس کی تفصیل بھی تاریخ ہی کی زبانی سنئے۔

خوس سے تقریباً پچاس برس پہلے بابل کی حکومت پر بنو کد نذر (بخت نصر) نظر آتا ہے اور اس زمانہ کے ضمنی عقائد کے مطابق وہ نہ صرف بادشاہ تھا بلکہ بابلی اصنام میں سے سب سے بڑے صنم کا مظہر اور دیوتا بھی سمجھا جاتا تھا اور اس لیے اس کا حق تھا کہ وہ جس حکومت کو چاہے اپنے قہر و غضب کا شکار بنا کر اس کے باشندوں کو ہولناک اور سخت عذاب میں مبتلا کرے، ان کو ہلاک کرے یا غلام بنا کر ان پر وحشیانہ مظالم کو روا رکھے۔ اس لیے اس بادشاہ کے مظالم بے پناہ اور اس کے تسخیر مملک کا طریقہ سخت وحشیانہ تھا جیسا کہ گذشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے اس نے اپنے دور حکومت میں یروشلم (بیت المقدس) پر تین مرتبہ حملے کیے اور فلسطین تباہ و برباد کر کے تمام باشندوں کو مویشیوں کی طرح ہنکا کر بابل لے گیا، ایک یہودی مؤرخ جوزیفس کہتا ہے ”کوئی سخت سے سخت بے رحم قضائی بھی اس وحشت و خونخواری کے ساتھ بھیڑوں کو مذبح میں نہیں لے جاتا جس طرح بنو کد نذر بنی اسرائیل کو بابل میں ہنکا کر لے گیا۔“

بابل کی حکومت آشوری حکومت کی تباہی کے بعد اور بھی زیادہ مضبوط اور قاہر سلطنت ہو گئی تھی اور اس زمانہ میں قرب و جوار کی طاقتوں میں سے کسی کو بھی یہ جرات نہیں تھی کہ وہ اس جابر حکومت کے قہر و ظلم کا استیصال کر سکیں لیکن فتح بیت المقدس کے کچھ عرصہ بعد بخت نصر مر گیا اور اس کا جانشین ناپوئی دس مقرر ہوا مگر اس نے حکومت کا تمام بار شاہی خاندان کے ایک شخص بیل شازار پر ڈال دیا، یہ شخص اگرچہ بہت عیاش اور ظالم تھا مگر بخت نصر کی طرح بہادر اور جری نہیں تھا، اس کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے قیدیوں میں سے حضرت دانیال (علیہ السلام) نے اپنی حکیمانہ فراست سے بابلی دربار کو اس درجہ مسخر کر لیا تھا کہ وہ حکومت کے مشیر خاص سمجھے جاتے تھے۔ حضرت دانیال بیل شازار کو بار بار اس کے مظالم اور عیاشانہ زندگی کے خلاف تہدید و تنبیہ کی مگر اس نے کچھ شنوائی نہیں کی حتیٰ کہ انھوں نے حکومت کے معاملات سے کنارہ کشی کر لی۔

توراة کے بیان کے مطابق اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ بیل شازار نے اپنی ملکہ کے اکسانے پر ایک شب یہ حکم دیا کہ یروشلم سے جو ہیکل کے مقدس ظروف بنو کد زار لوٹ کر لایا تھا وہ لائے جائیں اور ان میں شراب پلائی جائے، یہ جشن ہو ہی رہا تھا کہ کسی غیبی ہاتھ نے بادشاہ کے سامنے دیوار پر ایک نوشتہ لکھ دیا۔ توراة میں ہے:

”اسی گھڑی میں کسی آدمی کے ہاتھ کی انگلیاں ظاہر ہوئیں، اور انھوں نے شمع دان کے مقابل



بادشاہی محل کی دیوار کے گچ پر لکھا اور بادشاہ نے ہاتھ کا وہ سرا جو لکھا تھا دیکھا تب بادشاہ کا چہرہ متغیر ہوا اور اس کے اندیشوں نے اسے گھبرا دیا..... اور نوشتہ جو لکھا گیا سو یہ ہے ”منے منے تقیل او فیر سین۔“

تب شاہ نے گھبرا کر نجوین اور فال گیروں کو بلایا مگر کوئی اس کا مطلب نہ بتا سکا آخر ملکہ کے مشورہ سے دانیال (علیہ السلام) کو بلایا انھوں نے اول اس کے مظالم اور اس کی عیاشی کے خلاف پند و نصیحت فرمائی، پھر بتایا کہ تو نے چونکہ بیت المقدس کے ظروف کی توہین کر کے اس ظلم کی تکمیل کر دی اس لیے نوشتہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے تیری مملکت کا حساب کیا اور اسے تمام کر ڈالا تو ترا زمین تو لا گیا اور کم نکلا، تیری مملکت پارہ پارہ ہوئی اور مادیوں اور فارسیوں کو دیدی گئی۔“

ادھر یہ واقعہ پیش آیا کہ اہل بابل عرصہ سے بیل شازار کے مظالم سے چھٹکارا پانے کی تدبیریں سوچ رہے تھے کہ ان کے بعض سرداروں نے یہ مشورہ کیا کہ قریب کی زبردست طاقت ایران سے مدد حاصل کی جائے اور اس کے عادل و فرماں روا سے یہ عرض کیا جائے کہ وہ ہم کو بیل شازار کے مظالم سے نجات دلائے اور اس کو یہ اطمینان دلایا جائے کہ اہل بابل ہر طرح اس کی مدد کرنے کو تیار ہیں، چنانچہ ۵۴۰ ق م بابلی سرداروں کا ایک وفد خورس کے پاس اس وقت پہنچا جب کہ وہ اپنی مشرقی مہم میں مصروف تھا۔ خورس نے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کو اطمینان دلایا کہ وہ اپنی اس مہم سے فارغ ہو کر ضرور بابل پر حملہ کریگا اور ان کو بیل شازار جیسے ظالم اور عیاش بادشاہ سے نجات دلائے گا خورس جب اپنی مہم سے فارغ ہو گیا تو حسب وعدہ اس نے بابل پر حملہ کر دیا۔

تمام مورخین باتفاق رائے کہتے ہیں کہ اس عہد میں بابل سے زیادہ ناقابل تسخیر کوئی مقام نہیں تھا اس لیے کہ اس کی شہر پناہ اس درجہ تہ درتہ موٹی اور مستحکم تھی کہ کوئی فاتح اس کی تسخیر کی جرات نہیں کر سکتا تھا لیکن خورس کی عدل گستری اور زحم کے حالات دیکھ کر بابل کی رعایا اس درجہ اس کی گرویدہ تھی کہ حکومت، بابل کا ایک گورنر گوب ریاس کو اس کے ہمراہ تھا اور بقول ہیروڈوٹس اس ہی نے دریا میں نہر کاٹ کر اس کا بہاؤ دوسری جانب کر دیا اور دریا کی جانب سے فوج شہر میں داخل ہو گئی اور خورس کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی شہر فتح ہو گیا اور بیل شازار مارا گیا

خورس کا مذہب:

خورس کے مذہب کے متعلق توراہ اور تاریخ دونوں متفق ہیں کہ جس طرح اس نے ایران کے منقسم حصوں اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو متحد کر کے ایک بڑی شاہنشاہیت قائم کی اور دوسروں کی



سطوت و حکومت کے تابع ہونے کے بجائے بائبل و نیوی کی زبردست طاقتوں کو اپنا تابع فرمان بنایا اور جس طرح وقت کے جابر و قاہر شاہنشاہوں کے برعکس اس نے عدل و رحم پر اپنی حکومت کو مستحکم اور استوار کیا اسی طرح وہ دین و مذہب کے بارے میں بھی ایران کے مروجہ مذہب کے خلاف دین حق کا تابع اور ایمان باللہ اور توحید الہی کا داعی تھا۔

چنانچہ عزرا (عزیر علیہ السلام) کی کتاب میں تعمیر بیت المقدس سے متعلق اس کا یہ واضح اور صاف اعلان مذکور ہے:

”اور شاہ فارس خورس کی سلطنت کے پہلے برس میں اس خاطر کہ خداوند کا کلام جو یرمیاہ کے منہ سے نکلا تھا پورا ہو۔ خداوند نے شاہ فارس خورس کا دل ابھارا کہ اس نے اپنی تمام مملکت میں منادی کرائی اور اسے قلم بند بھی کر کے یوں فرمایا شاہ فارس خورس یوں فرماتا ہے کہ خداوند آسمان کے خدا نے زمین کی ساری ملکیتیں مجھے بخشیں اور مجھے حکم کیا کہ یروشلم کے بیچ جو یہوداہ میں ہے اس کے لیے ایک مسکن بناؤں پس اس کی ساری قوم میں سے تمہارے درمیان کون کون ہے اس کا خدا اس کے ساتھ ہو اور وہ یروشلم کو کہ شہر یہوداہ ہے جائے اور خداوند اسرائیل کے خدا کا گھر بنائے کہ وہی خدا ہے جو یروشلم میں ہے۔“

مجھ خورس بادشاہ نے خدا کے گھر کی بابت جو یروشلم میں ہے حکم کیا کہ وہ گھر اور وہ مکان جہاں قربانیاں کرتے ہیں بنایا جائے اور خدا کے گھر کے سنہرے اور روپلے برتن بھی جنہیں بنو کد نذر یروشلم ہیکل میں سے نکال لایا اور یروشلم کے ہیکل میں اپنی اپنی جگہ میں پہنچائے جائیں اور خدا کے گھر میں رکھے جائیں۔“

خورس کے منادی اور نوشتہ کے نشان زدہ جملوں کو پڑھیے اور پھر فیصلہ کیجیے کہ ان مضامین میں صرف یہ اعلان نہیں ہے کہ یہود کو نجات دلا کر بیت المقدس کی تعمیر کی بھی اجازت دی جاتی ہے بلکہ اس سے زیادہ یہ بھی ہے کہ مجھ کو خدا نے یہ حکم کیا ہے کہ میں اس کا گھر دوبارہ تعمیر کر دوں اور یہ کہ خدا اسی ہستی کا نام ہے جو یروشلم کا خدا ہے اور بیت المقدس خدا کا مقدس گھر ہے۔

اب اسی کے ساتھ اس کے جانشین دارائے اول کا وہ فرمان بھی ملاحظہ ہو ”جو یہودیوں کی اس عرضی کے جواب میں دیا گیا ہے جس میں بعض صوبہ داروں کی شکایت کی کہ وہ بیت المقدس کی تعمیر میں آڑے آتے ہیں“ دارالکھتہ ہے:

”پس نہر پار کے صوبہ دار تنتی اور شتر بوزنی اور ان کے افار سکی رفیق جو نہر پار ہوں، تم وہاں سے



دور ہو جاؤ اس بیت اللہ کے کام میں دست اندازی مت کرو، یہودیوں کا ناظم اور یہودیوں کے بزرگ لوگ خدا کے گھر کو اس کی جگہ تعمیر کریں..... پر وہ خدا جس نے اپنا نام وہاں رکھا ہے، سب بادشاہوں اور لوگوں کو جو اس حکم کو بدل کے خدا کا وہ گھر جو یروشلم میں ہے بگاڑنے کو ہاتھ بڑھاتے ہوں غارت کرے۔ میں دارا حکم دے چکا اس پر جلد عمل کرنا چاہیے“

اس فرمان میں دارا نے بلند آہنگی کے ساتھ یہ ظاہر کیا ہے کہ کہ بیت المقدس بلاشبہ بیت اللہ ہے اور وہ بددعا کرتا ہے کہ بادشاہ ہو یا معمولی شخص جو بھی اس بیت اللہ کو خراب کرنے کا ارادہ کرے، خدا اس کو غارت کر دے۔

توراة کی ان صاف اور واضح شہادتوں کے بعد ”جو خورس کا مسلمان ہونا ظاہر کرتی ہیں“ اب چند تاریخی شہادتیں بھی قابل مطالعہ ہیں:

دارا نے اپنے زمانہ حکومت میں ایک اہم تاریخی کام یہ کیا ہے کہ پہاڑوں کی مضبوط چٹانوں پر کتبے نقش کرادیے ہیں جو اس کے اور خورس کے عہد زریں کو روشنی میں لاتے ہیں ان مختلف کتبات میں سے ایک کتبہ ایران کے مشہور شہر اصطخر میں دریافت ہوا ہے، یہ کتبہ قدیم تاریخ کا نادر ذخیرہ سمجھا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس میں دارا نے اپنے تمام مفتوحہ ممالک اور صوبوں کے نام تک گنا دیے ہیں اور ایسی تفصیلات دی ہیں جن سے اس کے مذہب و عقیدہ اور طریق حکومت تک پر روشنی پڑتی ہے، چنانچہ اسی کتبہ میں دارا کا یہ عقیدہ مذکور ہے:

خدائے برتر ہورموزدہ ہے اسی نے زمین پیدا کی، اسی نے آسمان بنایا، اسی نے انسان کی سعادت بنائی اور وہی ہے جس نے دارا کو بہتوں کا تہا حکمراں اور آئین ساز بنایا۔“

”اہورموزدہ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے بادشاہت دی اور اسی کے فضل سے میں نے زمین میں امن و آمان قائم کیا، میں اہورموزدہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے، میرے خاندان کو اور ان تمام ملکوں کو محفوظ رکھے اے اہورموزدہ میری دعا قبول کر!“

”اے انسان! اہورموزدہ کا تیرے لیے حکم ہے کہ برائی کا دھیان نہ کر صراطِ مستقیم کو نہ چھوڑ، گناہ سے بچتا رہ“

دارا کے کتبات میں اصطخر کے کتبہ سے بھی زیادہ اہمیت اس کے کتبہ بے ستون کو حاصل ہے اس میں اس کے گوماتہ مجوسی کی بغاوت اور اپنے سریر آرائے سلطنت ہونے کا واقع تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔



دارا نے اس کتبہ میں گوماتہ کو موگوش (مجوسی) اور اس کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہونے کو  
 اہور موزدہ کے فضل کی جانب منسوب کیا ہے اور ہیر و ڈوٹس اور دوسرے یونانی مورخ یہ اور اضافہ کرتے  
 ہیں کہ دارا کے خلاف یہ بغاوت میڈیا (ایران) کے قدیم مذہب کے پیروں (مجوسیوں) کی جانب  
 سے ہوئی تھی، دارا کے زمانہ میں گوماتہ کے علاوہ پراوتیش اور چترت خمہ اور مجوسیوں (موگوشوں) نے  
 علم بغاوت بلند کیا اور دارا کے ہاتھ سے پہلا ہمدان میں اور دوسرا اردبیل میں قتل ہوا۔

پھر خورس اور دارا کے ”مومن“ اور ایران کے قدیم مذہب ”مجوسی“ سے بیزار رہنے پر سب  
 سے بڑی شہادت دارا کا وہ تبلیغی اعلان ہے جو اس نے دانیال کے دشمنوں کے خلاف اس وقت شائع کیا  
 تھا جب کہ دانیال نبی کو ان کے دشمنوں نے شیر، ببر کے سامنے ڈال دیا تھا اور دانیال معجزانہ طور پر صحیح و  
 سالم بچ گئے تھے:

”تب دارا بادشاہ نے ساری قوموں اور گروہوں اور اہل لغت کو جو روئے زمین پر بستے تھے  
 نامہ لکھا ”تمہاری سلامتی ترقی پائے۔ میں یہ حکم کرتا ہوں کہ میری مملکت کے ہر ایک صوبے کے لوگ  
 دانی ایل کے خدا کے آگے ترساں و لرزاں ہوں کیوں کہ یہ وہی زندہ خدا ہے جو ہمیشہ قائم ہے اور اسکی  
 سلطنت لازوال ہے اور آخر تک رہیگی وہی چھڑاتا اور بچاتا ہے اور آسمان اور زمین میں وہی نشانیاں  
 دکھاتا اور عجائب و غرائب کرتا ہے اسی نے دانی ایل کو شیر برون کے چنگل سے چھڑایا۔ پس یہ دانی ایل  
 دارا کی سلطنت اور خورس فارسی کی سلطنت میں کامیاب رہا۔“

ان تاریخی مصادر سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ دارا اس کے پیش رو خورس کا مذہب ایران  
 کے قدیم مذہب ”موگوش“ (مجوسی مذہب) سے جدا اور مخالف تھا اور یہ کہ دارا جس ہستی کو اہور موزدہ  
 کہہ کر پکارتا ہے اور اس کے جو اوصاف بیان کرتا ہے اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اور اس کا  
 پیش رو ”دین حق“ پر تھے اور عربی کا ”اللہ“ سریانی کا ”الوہیم“ اور عبرانی کا ”ایل“ اور ایران کا ”اہور  
 موزدہ“ ایک ہی مقدس ہستی کے نام ہیں کیوں کہ دارا کہتا ہے کہ وہی یکتا اور بے ہمتا ہے اور وہی خالق  
 کائنات ہے اور خیر و شر تھا اسی کے ہاتھ میں ہے نیز وہ توحید خالص پر ایمان کیساتھ ساتھ آخرت پر  
 ایمان رکھتا اور صراطِ مستقیم کی تلقین اور گناہوں سے اجتناب کی تعلیم کا اظہار کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ عقائد  
 کی یہ تفصیلات مجوسی مذہب کے بالکل خلاف ہیں اور اسی لیے دارا مجوسیوں پر کامیابی حاصل کرنے کو  
 اہور موزدہ کا فضل و کرم قرار دیتا ہے۔

رہا یہ امر کہ خورس اور دارا وقت کے کس مذہب حق کے پیرو تھے تو اس کا جواب مختصر سی تمہید



کے بعد با آسانی دیا جاسکتا ہے۔

ایران قدیم کا مذہب:

ادیان و مذاہب کی تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وسط، ایشیا کی آریں قوموں کا مذہب ہی تخیل بنیادی طور پر ہمیشہ سے مشترک رہا ہے اور یہ سب مظاہر قدرت کے پرستار اور اصنام پرستی کے ذریعہ اس عقیدہ کا علم بردار نظر آتے ہیں پھر آہستہ آہستہ آسمان پر سورج کو اور زمین پر آگ کو تقدیس کا درجہ دیا جاتا ہے کیوں کہ ان کی نگاہ میں یہی دونوں روشنی اور حرارت کے مبداء ہیں اور روشنی اور حرارت ہی عالم کے تمام نظام میں کارفرما ہیں، چنانچہ قدیم یونان، ہندوستان، اور ایران وغیرہ کے مذاہب میں یہ چیز مشترک نظر آتی ہے البتہ جزئیات میں یہ فرق رہا ہے کہ مثلاً یونان اور ہندوستان کے ضمنی عقائد میں دیوتاؤں کو اچھائی اور برائی دونوں پر قدرت حاصل ہے لیکن ایران کے اصنامی عقائد کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ کائنات کا تمام نظام دو مخالف قوتوں کی کارفرمائی میں ہے ایک خیر اور نیکی کے دیوتا ہیں جو خیر اور تمام بھلائی کے مالک اور متصرف ہیں اور دوسرے شر اور بدی کے دیوتا ہیں جن سے صرف بدی اور برائی کا صدور ہوتا ہے یعنی خالق، خیر ایک جدا قوت ہے اور خالق شر دوسری قوت اور تمام عالم پر انھیں دو متضاد قوتوں کی حکومت ہے اور انھیں کے تصادم پر نظام کائنات میں خیر و شر کا غلبہ ہوتا رہتا ہے اس لیے ان کے یہاں خدائے واحد کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اور چونکہ وہ خیر کو روشنی اور شر کو تاریکی خیال کرتے ہیں اس لیے آگ کو روشنی کا مبداء قرار دے کر یزداں (خیر کا دیوتا) کی قربت حاصل کرنے کے لیے قابل، پرستش سمجھا گیا اور آتش پرستی کو مذہب کا جزو اعظم بنایا گیا۔ چنانچہ فارس اور میڈیا یعنی ایران کا یہی قدیم مذہب تھا جس کے پیرو موگوں (مجوس) کہے جاتے تھے۔

ایران اور مذہب زردشت:

لیکن تقریباً ۵۵۰ ق م اور ۵۸۳ ق م کے درمیان شمال مغربی ایران یعنی قفقاز اور آذربایجان کے اس نواح میں جو وادی ارس کے نام سے مشہور ہے ایک ملہم من اللہ ہستی کا ظہور ہوا، یہ ابراہیم زردشت کی شخصیت تھی۔ انھوں نے ایران کے مجوسیوں میں دین الہی کا اعلان کیا اور رشد و ہدایت اور دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دیا۔

انھوں نے بتایا کہ کائنات میں خیر و شر کے دیوتاؤں کا تصور باطل ہے بلکہ سارے عالم پر صرف ایک ہی ہستی بلا شرکت غیرے مالک اور متصرف ہے، وہ یکتا اور بے ہمتا ہے، قدیر و حلیم ہے نور و قدوس ہے، اور یہ اور موزدہ کی پاک ہستی ہے، یہی تمام کائنات کی خالق ہے تم جن کو خیر کے دیوتا سمجھتے



ہو وہ دیوتا نہیں بلکہ اہور موزدہ کی مخلوق اور اس کے حکم سے امور خیر کے کار پرداز امتق اسپند (فرشتے) ہیں اور تم نے جن کو شر کا دیوتا سمجھ لیا ہے وہ سرتا سرباطل کے سوا کچھ نہیں بلکہ یہاں شر کا مرکز اسی اہور موزدہ کی مخلوق ”اہرمن“ (شیطان) کی ہستی ہے، یہی انسانوں کے دلوں میں شر کو بھڑکا کے تاریکی کی جانب لے جاتی ہے ”انسان“ ان دو متضاد اثرات میں گھرا ہوا ہے اور اہور موزدہ نے اس کو اپنے سچے نبیوں کے ذریعہ روشنی اور تاریکی دونوں کے اثرات سے بخوبی آگاہ کر دیا ہے پس آگ کی پرستش محض گمراہی ہے اور انسانی شقاوت و سعادت کا معاملہ صرف اسی دنیا تک محدود نہیں ہے بلکہ اس عالم کے علاوہ ایک دوسرا عالم (آخرت) ہے وہاں دو جدا جدا مقامات ایک نیکو کاروں کے لیے اور دوسرا بدکاروں کے لیے ہے اس لیے ہم کو گناہوں سے پرہیز کرنا اور نیکی کو اختیار کرنا چاہیے اور اپنے اخلاق کو بہتر بنانا چاہیے۔

یہ تھی ابراہیم زردشت کی وہ تعلیم جس کے متعلق آج عرب اور یورپ کے محقق مورخین کا اتفاق ہے کہ اوخر چھٹی صدی قبل مسیح میں یہ آواز زردشت کی زبانی میڈیا اور فارس کے قدیم مذہب کے خلاف ایران میں سنی گئی۔

یہی مورخین یہ بھی کہتے ہیں کہ ابراہیم زردشت دانیال اکبر یا یرمیاہ (علیہم السلام) کے شاگرد اور فیض یافتہ تھے اور ایران کے قدیم مذہب کی ہدایت کے لیے مبعوث کیے گئے۔ ابراہیم زردشت کی تعلیم ”دین حق کی تعلیم“ تھی اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ ان پر نازل شدہ الہامی کتاب ”اوستا“ کے مضامین کی ابتدا ایسے ہی جملوں سے ہوتی ہے جن کا مفہوم سچی الہامی کتابوں میں مشترک پایا جاتا ہے یعنی شیطانی وساوس سے پناہ اور خدائے رحمان و رحیم کی مدح و ثناء، چنانچہ قرآن سے قبل کی الہامی کتابوں کی طرح ”اوستا“ بھی محرف ہو چکی ہے تاہم اس میں یہ جملے اب بھی محفوظ ہیں جن سے مضامین کی ابتدا ہوتی ہے اور دساتیر آسمانی میں ان کو اس طرح نقل کیا گیا ہے:

- (۱) ہوزا میم نہ مزدان ہر ہر ماس ہر شیور ہر دیور۔ ”پناہیم بہ یزداں (اہور موزدہ) از منش زشت و خوئے بد گمراہ کندہ براہن اخوب برندہ رنج دہندہ، آزر رسائندہ (یعنی شیطان)
- (۲) فہ شید شمتای ہر شندہ ہر ششگر زمریان فراہیدور۔ ”بنام ایزد بخشائندہ بخشائش گر مہربان داد گر“

اب اگر اسی کے ساتھ خورس (کینسرو) اور دار یوش (دارا) کے ان بیانات کو بھی پیش نظر



رکھا جائے جو توراہ میں بیت المقدس کی تعمیر سے متعلق ہیں اور ان کتبات کی عبارات کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے جو دارا کی جانب سے منقوش کیے گئے ہیں اور جن میں مجوسی عقائد کے خلاف خدائے واحد کی حمد و ثنایان کی گئی ہے تو پھر یہ دعویٰ حقیقت بن کر سامنے آجاتا ہے کہ خورس اس کے بیٹے کی قباد دوم (کم بی سیز) اور دارا کا مذہب بلاشبہ ایران کے قدیم مذہب (مجوسی مذہب) کے خلاف دین حق کا مذہب تھا اور جب کہ تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ابراہیم زردشت اور خورس (کے ارش) کا زمانہ ایک رہا ہے اور خورس اور دارا کے عقائد زردشت کی تعلیم کے عین مطابق ہیں تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خورس پہلا بادشاہ ہے جس نے ایران کے قدیم مذہب (مجوسی مذہب) کے خلاف اس دین حق کو قبول کیا اور کچھ تعجب نہیں کہ یہود کو خورس کے ساتھ اس درجہ شغف کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ خورس ایسے مذہب کا پیرو تھا جو انکے نبی دانیال اکبر یا یرمیاہ (علیہم السلام) کے شاگرد اور فیض یافتہ ہادی (زردشت) کی جانب منسوب ہے۔

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ زردشت کی تعلیم حق کو ایران زیادہ دیر تک قائم نہ رکھ سکا اور دارا پر حملہ اسکندر کے بعد یعنی ایران کے پہلے عہد تاریخی کے ختم پر وہ بھی مسخ اور محرف کر دیا گیا چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ ۴۰۰ ق م کے بعد زردشتی مذہب کا انحطاط شروع ہو گیا اور ایک جانب روم و یونان کے خارجی اثرات نے اس کو متاثر کیا اور دوسری جانب ایران کے قدیم مذہب ”مجوس“ نے دوبارہ سر اٹھایا اور نتیجہ یہ نکلا کہ دارا کے قتل کے بعد ہی اس کے اصل خدو خال بگڑنے لگے اور اس میں تحریف و مسخ کا سلسلہ شروع ہو گیا اور آہستہ آہستہ قدیم مجوسی مذہب کے امتزاج کے ساتھ اس نے ایک نئی شکل اختیار کر لی اور اب یہی مجوسی مذہب کے نام سے موسوم ہے۔

ایرانیوں (پارسیوں) کا اپنا بیان ہے کہ جب سکندر مقدونی نے اصرطہ پر حملہ کیا تو اس نے شہر کو آگ لگا دی اور اس میں زردشت کا مقدس صحیفہ ”اوستا“ جل کر راکھ ہو گیا، گویا بیت المقدس پر حملہ کے وقت جو معاملہ بخت نصر نے یہود کی مقدس کتاب توراہ کے ساتھ کیا وہی سکندر نے ”اوستا“ کے ساتھ کیا اور اس طرح دونوں مذاہب کے مقدس صحیفے دنیا سے مفقود ہو گئے۔

پھر تقریباً پانچ سو سال کے بعد ایران کے تیسرے تاریخی عہد میں ساسانی حکومت کے بانی اردشیر بابکانی نے ازسرنو ”اوستا“ کو مرتب کرایا۔ پس ظاہر ہے کہ اب یہ صحیفہ اصل ”اوستا“ نہیں ہے بلکہ قدیم ایرانی مذہب، یونانی مذہب اور زردشتی مذہب کا ایک عجیب مرکب ہے بلکہ اس کے نمایان عقائد و اعمال بیشتر قدیم مجوسیت ہی سے ماخوذ نظر آتے ہیں، تاہم اس صحیفہ کا جو ناقص اور محرف حصہ آج



پارسیوں کے ہاتھ میں ہے اس میں اصل مذہب کی جھلک اب بھی کہیں کہیں نظر آتی ہے جس کے بعض حوالجات ہم اصحاب الرس کے واقعہ میں نقل کر چکے ہیں

مسلمانوں نے جب خیر و القرون میں ایران کو فتح کیا تو ان کو ان ہی پیروان زردشت سے واسطہ پڑا جو صحیح دین زردشتی چھوڑ کر قدیم مجوسی مذہب پر واپس ہو چکے تھے اور ان میں ایک نبی اور اس کی کتاب کے تصور کے علاوہ کوئی بات زردشتی مذہب کی باقی نہیں رہی تھی اور اسی بنا پر قرآن نے بھی ان کو ”مجوس“ ہی کہہ کر ذکر کیا ہے۔ اس لیے متقدم عرب مؤرخین نے یہ سمجھ لیا کہ مجوسی مذہب اور زردشتی مذہب ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں، اس کے باوجود بعض متقدم محقق اور اصحاب سیرہ اس قدر پتہ دے سکے ہیں کہ ایران میں دو مذاہب نے یکے بعد دیگرے اپنا اثر قائم کیا ہے۔ ایران اول صابی مذہب رکھتا تھا اور اس کے بعد اس نے زردشتی مذہب قبول کر لیا۔ لغت عرب میں ”صابی“ کے معنی ”بد دین“ کے ہیں، چنانچہ قریش بلکہ اس بناء پر اپنے خیال میں مسلمانوں کو ”صابی“ کہا کرتے تھے۔ اس لیے ”صابی“ سے ان حضرات کی مراد غالباً اسی مذہب قدیم سے ہے جو آتش پرستی، بت پرستی اور دیوتا پرستی پر قائم تھا۔

متاخرین علماء میں سے شاہ عبدالقادر نور اللہ مرقدہ بھی تردد کے ساتھ ”المجوس“ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں ”مجوس آگ پوجتے ہیں اور ایک نبی کا نام بھی لیتے ہیں معلوم نہیں پیچھے بگڑے یا سرے سے غلط ہیں“ مگر آج عرب اور یورپ کے محققین اہل تاریخ بغیر کسی تردد کے دلائل و براہین کی روشنی میں اس حقیقت کا اعلان کرتے ہیں کہ زردشت کا مذہب، ایران کے قدیم مذہب سے جدا ”دین حق“ تھا جس میں مظاہر پرستی، اصنام پرستی، آتش پرستی ممنوع تھی اور خدائے واحد کی پرستش کے سوا کسی کی پرستش جائز نہیں تھی۔

چنانچہ مصر کے مشہور عالم فرج اللہ ذکی نے اس قول کی پُر زور تردید کی ہے۔ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ زردشت نے اول یرمیاہ علیہ السلام کی شاگردی کی مگر جب کسی بات پر یرمیاہ نبی اس سے خفا ہو گئے تو وہ ان سے جدا ہو گیا اور آتش پرستی کا ایک نیا مذہب ایجاد کر لیا۔ ابن کثیر نے بھی اس قول کو ”قیل“ کہہ کر نقل کیا ہے یعنی وہ بھی اس کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے۔

ذوالقرنین اور قرآن عزیز:

ذوالقرنین کی شخصیت کے بارے میں اگرچہ دو اہم مباحث یعنی ”ذوالقرنین سے متعلق توراہ کی پیشین گوئیاں اور تاریخی شہادتیں“ سپرد قلم ہو چکیں لیکن ابھی ایک اہم مسئلہ یہ باقی ہے کہ کیا وہ



شخصیت جس کے لیے توراہ اور تاریخ سے روایات و شہادات پیش کی گئی ہیں درحقیقت قرآن میں مذکور ذوالقرنین ہی کی شخصیت ہے تو اس کے جواب سے قبل قرآن عزیز کی ان آیات کو پیش کر دینا ضروری ہے جو سورہ کہف میں اس واقعہ سے متعلق کی گئی ہیں تاکہ بعد میں تطبیق کا مسئلہ بخوبی واضح ہو سکے۔

قرآن عزیز (سورہ کہف) میں ذوالقرنین کا واقعہ اس طرح مذکور ہے: (ابتداء کتاب میں ترجمہ ملاحظہ فرمائیں)

قرآن عزیز کی ان آیات میں ذوالقرنین کا جو واقعہ مذکور ہے اگر اس کو ان واقعات کے ساتھ تطبیق دیجئے جو گذشتہ صفحات میں توراہ اور تاریخ قدیم کے حوالجات سے نقل کیے گئے ہیں تو آپ خود یہ فیصلہ کر دیں گے کہ تاویلات تخمینی قیاس آرائیوں اور غیر معلوم احتمالات سے محفوظ رہ کر ذوالقرنین کا اطلاق خورس کے سوا اور کسی شخصیت پر نہیں ہوتا

مگر اس فیصلہ کی حقیقت پر عبور حاصل کرنے کے لیے از بس ضروری ہے کہ سورہ کہف کی زیر مطالعہ آیات کے مطالب کا تجزیہ کر کے ان کے ساتھ خورس سے متعلق تاریخی واقعات کی مطابقت کو واضح اور روشن کر دیا جائے۔

پس ذوالقرنین کے متعلق قرآن عزیز نے کن حقائق کا اظہار کیا ہے اور خورس سے متعلق واقعات کس طرح ان حقائق کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں، سطور ذیل میں ترتیب وار قابل مطالعہ ہیں:

(۱) قرآن عزیز کا اسلوب بیان کہتا ہے کہ اس نے ذوالقرنین کا واقعہ دوسروں کے سوال کرنے پر بیان کیا ہے اور سوال کرنے والوں نے اسی لقب کے ساتھ اس کو یاد کیا ہے۔ قرآن نے اپنی جانب سے یہ لقب تجویز نہیں کیا۔

ترجمہ: (اے پیغمبر!) تم سے ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں تم کہدو! میں اس کا کچھ حال تمہیں (کلام الہی میں) پڑھ کر سنا تا ہوں۔

(تطبیق (۱) صحیح روایات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ سوال یہودیوں کی تلقین سے قریش مکہ نے کیا تھا اور سوال میں یہ مذکور تھا کہ ایسے بادشاہ کا حال بتاؤ جو مشرق و مغرب میں پھر گیا اور جس کو توراہ میں صرف ایک جگہ اس لقب سے یاد کیا گیا ہے اور توراہ یہ کہتی ہے کہ دانیال علیہ السلام کے مکاشفہ میں ایران کے ایک بادشاہ کو ایسے مینڈھے کی شکل میں دکھایا گیا جس کے دو سینگ نمایاں تھے اور جبرئیل فرشتہ نے اس دو سینگوں والے مینڈھے (ذوالقرنین) کی تعبیر یہ دی کہ اس سے وہ بادشاہ مراد ہے جو فارس اور میڈیا دو بادشاہتوں کا مالک ہوگا اور یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی اور تاریخ دونوں اس پر متفق ہیں



کہ ایران کا یہ بادشاہ خورس تھا جس نے فارس اور میڈیا دونوں کو ملا کر شاہنشاہی کی۔ یہودیوں کو اس سے اس لیے دلچسپی تھی کہ ان کے انبیاء علیہ السلام کے الہامات کے مطابق وہ ان کا نجات دہندہ تھا چنانچہ یہودیوں کا دیا ہوا یہ لقب ”ذوالقرنین“ خود ایران کے شاہی خاندان میں اس درجہ مشہور و مقبول ہوا کہ انھوں نے خورس کے مرنے کے بعد اس کا مجسمہ بنایا تو اس میں بھی تاریخی یادگار کے طور پر دانیال علیہ السلام کے خواب کو مصور کر کے دکھایا اور چونکہ یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں ایک جگہ اس کو عقاب بھی کہا گیا ہے:

”میں خدا ہوں اور مجھ سا کوئی نہیں جو ابتدا سے انتہا تک احوال اور قدیم وقتوں کی باتیں جو اب تک پوری نہیں ہوئیں، بتاتا ہوں اور جو کہتا ہوں میری مصلحت قائم رہیگی اور میں اپنی ساری مرضی پوری کروں گا جو عقاب کو پورب سے لاؤں گا اس شخص کو جو میرے ارادوں کو پورا کریگا۔“

اس لیے اصطخر کے قریب خورس کا جو سنگی مجسمہ نکلا ہے اس کو اس مجموعی تخیل ہی پر بنایا گیا ہے کہ اس کے سر کے دونوں جانب دو سینگ ہیں اور سر پر ایک عقاب ہے اور خورس کے سوا دنیا کے کسی بادشاہ کے متعلق یہ تخیل موجود نہیں ہے۔

پس یہ دلیل ہے اس امر کی کہ یہود کو اپنے نجات دہندہ خدا کے مسیح اور خدا کے چرواہے کے ساتھ اس درجہ دلچسپی تھی کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا معیار اس بادشاہ کے واقعات کے علم کو قرار دیا اور اسی کے پیش نظر قرآن نے اس بادشاہ (خورس) کا مناسب حال ذکر کیا۔

(۲) قرآن کہتا ہے کہ وہ بہت صاحب شوکت بادشاہ تھا اور خدا نے اس کو ہر قسم کے ساز و سامان حکومت سے نوازا تھا انا مکنالہ فی الارض و اتینہ من کل شئی سبباً ہم نے اس کو حکمرانی عطا کی اور اس کے لیے ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا

(ت-۲) خورس (گورس) کے متعلق توراہ اور قدیم و جدید تاریخی حوالوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس نے نہ صرف ایران کی مختلف قبائلی حکومتوں کو ہی ایک شاہنشاہی میں منسلک کر دیا تھا بلکہ بابل و نیوی کی عظیم الشان حکومتوں پر بھی قابض ہو کر اپنی جغرافیائی حیثیت میں ایسی وسیع مملکت کا مالک ہو گیا تھا کہ خدائے تعالیٰ نے اس کو تمام ساز و سامان زندگی و حکومت سے مالا مال کر دیا۔

(۳) قرآن کہتا ہے کہ ذوالقرنین نے تین قابل ذکر مہم سر کی ہیں

(ت-۳) معتبر تاریخی شہادتیں ثابت کرتی ہیں کہ خورس نے تین قابل ذکر مہم سر کیں۔

(۴) قرآن کہتا ہے کہ ذوالقرنین نے پہلے پچھتم (مغرب) کی جانب ایک مہم سر کی فاتح سبباً







لوٹنا ہے وہ (بد اعمالوں) کو سخت عذاب میں مبتلا کریگا اور جو ایمان لائے گا اور اچھے کام کرے گا تو اس کے بدلے میں اس کو بھلائی ملے گی اور ہم اسے ایسی ہی باتوں کا حکم دیں گے جس میں اس کے لیے بھلائی و راحت ہو۔“

(ت-۶) توراہ میں خورس کا یروشلم سے متعلق فرمان اور دارا کے کتبات و اعلانات مذکورہ توراہ، ”اوستا“ کی اندرونی شہادات اور تاریخی بیانات یہ سب شہادتیں ناقابل انکار حد تک یہ ثابت کرتی ہیں کہ خورس اور دارا مومن تھے اور وقت کے سچے دین کے پیرو بلکہ اس کے مبلغ اور مناد تھے، وہ ابراہیم زردشت کے متبع، خدائے واحد کے پرستار اور آخرت کے قائل تھے اور ان کا دین انبیاء بنی اسرائیل ہی کی ایک شاخ کی حیثیت رکھتا تھا جو دارا کے بعد بہت ہی جلد محرف و منح ہو کر رہ گیا

(۷) قرآن کہتا ہے کہ ذوالقرنین نے دوسری مہم مشرق (پورب) کی جانب سر کی اور وہ جب چلتے چلتے سورج نکلنے کی آخری حد پر پہنچا تو اس کو وہاں خانہ بدوش قبائل سے واسطہ پڑا۔ اس کے بعد اس نے پھرتیاری کی اور پورب کی طرف نکلا یہاں تک کہ سورج نکلنے کی آخری حد تک پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ سورج ایک ایسے گروہ پر نکلتا ہے جس سے ہم نے کوئی آڑ نہیں رکھی ہے۔

(ت-۷) تاریخ کہتی ہے کہ خورس کو دوسری قابل ذکر مہم مشرق (پورب) کی جانب پیش آئی جبکہ مکران کے خانہ بدوش قبائل نے سرکشی کی جو کہ اس کے دار الحکومت سے اقصائے مشرق میں پہاڑی علاقہ تک آباد تھے اور جن سے متعلق مہم کی تفصیلات گذشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہیں۔

اس جگہ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ قرآن عزیز نے ذوالقرنین کی مغربی اور مشرقی قابل ذکر مہمات کے لیے ”مغرب الشمس“ اور ”مطلع الشمس“ کی تعبیر اختیار کی ہے، اس سے بعض حضرات کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ ذوالقرنین ساری دنیا کا بلا شرکت غیرے حکمراں بن گیا تھا اور اس نے دنیا کے دونوں جانب کے آخری ربع مسکوں تک اپنے قبضہ میں کر لیا تھا حالانکہ یہ تاریخی واقعات کے لحاظ سے کسی بھی بادشاہ کے لیے ثابت نہیں ہے اور نہ قرآن نے اس مقصد کے لیے یہ تعبیر اختیار کی ہے بلکہ اس کی صاف اور واضح مراد یہ ہے کہ ذوالقرنین اپنے مرکز حکومت کے لحاظ سے اقصاء مغرب اور اقصاء مشرق تک پہنچا ہے اور مغرب میں وہ اس حد تک پہنچ گیا تھا جہاں خشکی کا سلسلہ ختم ہو کر سمندر شروع ہو جاتا ہے اور مشرق میں اس حد تک پہنچا کہ وہاں خانہ بدوش قبائل کے سوا کوئی شہری آباد نہیں تھی۔ یہ مطلب اس درجہ واضح ہے کہ اگر بے دلیل غلط فہمی کی وجہ سے مسطورہ بالا قول منقول نہ ہوتا تو ہر شخص زبان کے محاورہ کے لحاظ سے یہی سمجھتا جو ہم نے سمجھا ہے، چنانچہ آج بھی ہم ہندوستان میں رہتے



ہوئے اقصاء مشرق اور اقصاء مغرب سے دور دراز ملک مراد لیتے ہیں جو ہمارے مشرق و مغرب میں واقع ہیں اور ان الفاظ کو اس بات میں منحصر نہیں کر دیتے کہ مشرق و مغرب کے وہ کنارے مراد ہیں جن کے بعد معمورہ عالم کا کوئی حصہ بھی باقی نہ رہا ہو، البتہ دلائل یا قرائن کے ذریعہ یہ معنی بھی مراد ہو جاتے ہیں۔

اقصاء مشرق و مغرب کی اس اصطلاح کو جو قرآن نے ذوالقرنین کے سلسلہ میں بیان کی ہے اگر اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین (خوس) سے متعلق توراہ نے چونکہ یہی تعبیر کی تھی اس لیے بہت ممکن ہے کہ قرآن نے ساکلین کو اس کا واقعہ سنانے کے وقت اسی اصطلاح کو اختیار کرنا پسند کیا ہو۔ دیکھیے یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں خوس کے حق میں بعینہ یہی تعبیر موجود ہے:

”خداوند اپنے خوس کے حق میں یوں فرماتا ہے..... میں نے اپنے بندے یعقوب اور اپنے برگزیدہ اسرائیل کے لیے تجھے تیرا نام صاف صاف لے کے بلایا۔ میں نے تجھے مہربانی سے پکارا گو کہ تو مجھے نہیں جانتا میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں، میرے سوا کوئی خدا نہیں، میں نے تیری کمر باندھی اگر چہ تو نے مجھے نہیں پہچانا تا کہ لوگ سورج کے نکلنے (مطلع الشمس) کی اطراف سے سورج غروب ہونے (مغرب الشمس) کی اطراف تک جانیں کہ میرے سوا کوئی نہیں میں ہی خداوند ہوں اور میرے سوا کوئی نہیں۔“

اور زکریا نبی کے صحیفہ میں بنی اسرائیل کے متعلق کہا گیا ہے:

”رب الافواج فرماتا ہے کہ دیکھ میں اپنے لوگوں کو سورج کے نکلنے (مطلع الشمس) کے ملک سے اور سورج کے غروب ہونے (مغرب الشمس) کے ملک سے چھڑالونگا اور میں انھیں لاؤں گا اور وہ (بنی اسرائیل) یروشلم کے درمیان سکونت کریں گے۔“

ظاہر ہے کہ ان دونوں مقامات میں ”مطلع الشمس“ اور ”مغرب الشمس“ سے معمورہ عالم کے دونوں جانب آخری کونے مراد نہیں ہیں بلکہ جن کا ذکر ہے انکی حکومت یا مقام سکونت سے مشرقی اور مغربی جہات مراد ہیں۔

(۸) قرآن کہتا ہے کہ ذوالقرنین کو تیسری قابل ذکر مہم پیش آئی اور جب وہ ایسے مقام پر پہنچا جہاں دو پہاڑوں کی پھانکیں ایک درہ بناتی تھیں تو ان کے ورے اس کو ایک ایسی قوم سے واسطہ پڑا جو اس کی زبان و بولی سے ناواقف تھی، انھوں نے ذوالقرنین پر (کسی طرح) یہ واضح کیا کہ ان پہاڑوں



کے درمیان سے نکل کر ہم کو یا جوج و ماجوج ستاتے اور زمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں، کیا آپ ہماری اتنی مدد کریں گے کہ ہم سے مالی ٹیکس لے کر ان دو پہاڑوں کے درمیان ایک سد بنا دیں، تاکہ ان کے اور ہمارے درمیان وہ حدِ فاصل ہو جائے اور روک بن جائے۔ ذوالقرنین نے کہا میرے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے اس کی مجھے اجرت کی ضرورت نہیں البتہ اس کے بنانے میں میری مدد کرو۔ ان لوگوں نے ذوالقرنین کے حکم سے لوہے کے ٹکڑے جمع کیے اور ان سے ذوالقرنین نے دونوں پہاڑوں کے درمیان ”سد“ بنادی اور پھر تانبا پگھلا کر اس اپنی دیوار کو مستحکم کر دیا۔

(ت-۸) تاریخ کی ناقابل انکار شہادتوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ خورس کو جانبِ شمال میں ایک قابل ذکر مہم پیش آئی جس میں کاکیشیا (جبل قوقا، یا کوہ قاف) کے پہاڑی سلسلے میں ایسے دو پہاڑوں کے قریب ایک قوم ملی جن کی پھانکوں کے درمیان قدرتی درہ تھا اور پہاڑ کی دوسری جانب سے سنہتھینین قبائل کے جنگلی اور غیر مہذب لٹیرے دل کے دل آ کر اس قوم پر حملہ کرتے اور لوٹ مار کر کے درہ کے راستہ واپس ہو جایا کرتے تھے، خورس جب اس جگہ پہنچا تو اس آبادی کے لوگوں نے حملہ اور لٹیروں کی شکایت کرتے ہوئے اس سے پہاڑوں کے درمیان سد (دیوار) دیوار بنا دینے کی درخواست کی، خورس نے ان کی درخواست کو منظور کیا اور لوہے اور تانبے سے ملا کر ایک سد قائم کر دی جس کو وقت کے گاگ اور میگاگ غیر مہذب (سنہتھینین) قبائل اپنی درندگی اور خونخواری کے باوجود نہ توڑ پھوڑ سکے اور نہ اس کے اوپر سے اتر کر حملہ آور ہو سکے اور اس طرح پہاڑوں کے درہ کی آبادی ان کے حملوں سے محفوظ ہو گئی

اگرچہ غیر مہذب قبائل کے حملوں کے تحفظ کی خاطر دنیا کے مختلف حصوں میں ایسی متعدد چھوٹی اور بڑی ”سد“ (دیواریں) بنائی گئی ہیں لیکن ایسی سد جو لوہے اور تانبے سے مخلوط دو پہاڑوں کی پھانکوں کے درمیان بنائی گئی ہو خورس کی بنائی ہوئی اس سد کے سوا جو کاکیشیا (جبل قوقا) میں پائی جاتی ہے، کوئی سد اب تک دنیا میں دریافت نہیں ہوئی اس لیے دلائل کی روشنی میں یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن نے ذوالقرنین کی سد کے متعلق جو تفصیلات دی ہیں اس کے پیش نظر خورس ہی ذوالقرنین ہے اور درہ دار یال ہی کی سد قرآن کی تفصیلات کے مطابق ہے۔

یا جوج و ماجوج کون ہیں اور سد کی حقیقت کیا ہے، چونکہ یہ دوزیر تحقیق مسائل ابھی بحث میں نہیں آئے اس لیے ذوالقرنین سے متعلق مطابقت قرآن کا یہ پہلو ہنوز تشنہ دلیل ہے۔ لہذا اسطور ذیل میں ان دونوں مسائل پر سیر حاصل بحث کی جاتی ہے تاکہ اصل حقیقت اپنے تمام پہلوؤں کے اعتبار سے



پایہ تکمیل کو پہنچ جائے۔

یا جوج و ماجوج:

ذوالقرنین کی شخصیت کو زیر بحث لانے کے بعد دوسرا مسئلہ یا جوج و ماجوج کی تعیین کا ہے۔ مفسرین اور مؤخرین اسلام نے رطب و یابس روایات کا وہ تمام ذخیرہ نقل کر دیا ہے جو اس سلسلہ میں بیان کی گئی ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ چند روایات کے علاوہ اس سلسلہ کی تمام روایات خرافات و ہنوفات کا مجموعہ ہیں جو عقلاً و نقلاً کسی طرح لائق اعتماد نہیں ہیں اور اسرائیلیات کا لایعنی طومار ہیں۔

ان تمام روایات میں قدر مشترک یہ ہے کہ یا جوج و ماجوج ایک ایسے قبائل کا مجموعہ ہیں جو جسمانی اور معاشرتی اعتبار سے عجیب و غریب زندگی کے حامل ہیں مثلاً وہ بالشت ڈیڑھ بالشت یا زیادہ سے زیادہ ایک ذراع کا قدر رکھتے ہیں اور بعض غیر معمولی طویل القامت ہیں اور ان کے دونوں کان اتنے بڑے ہیں کہ ایک اوڑھنے اور دوسرا بچھانے کے کام میں آتا ہے۔ چہرے چوڑے چکلے اور قد کے ساتھ غیر متناسب ہیں، ان کی غذا کے لیے قدرت سال بھر میں دو مرتبہ سمندر سے ایسی مچھلیاں نکال کر پھینک دیتی ہے جن کے سر اور دم کا فاصلہ اس قدر طویل ہوتا ہے کہ دس روز و شب اگر کوئی اس پر چلتا رہے تب اس فاصلہ کو قطع کر سکتا ہے یا ایک ایسا سانپ انکی خوراک ہے جو پہلے قرب و جوار کے تمام بڑی جانوروں کو ہضم کر جاتا ہے اور پھر قدرت اس کو سمندر میں پھینک دیتی ہے اور وہ وہاں میلوں تک بحری جانوروں کو چٹ کر لیتا ہے اور پھر ایک بادل آتا ہے اور فرشتہ اس عظیم الجثہ اثر دے کو اٹھا کر اس پر رکھ دیتا ہے اور بادل اس کو ان قبائل میں لے جا کر ڈال دیتا ہے اور یہ کہ یا جوج و ماجوج ایک ایسی برزخی مخلوق ہیں جو آدم علیہ السلام کے سلب سے تو ہیں مگر حوا (علیہا السلام) کے لطن سے نہیں ہیں۔

ان روایات کو نقل کرتے ہوئے یا قوت نے مجم البلدان میں یہ رائے ظاہر کی ہے:

”اور میں نے جو کچھ روایات نقل کی ہیں ان کے اختلافات کے پیش نظر میں کسی طرح ان کی صحت کو باور نہیں کر سکتا اور اس معاملہ کی اصل حقیقت کا حال خدا ہی خوب جانتا ہے اور بہر حال اس میں ذرا سا بھی شبہ نہیں ہے کہ جہاں تک سد کا معاملہ ہے، اس کے صحیح ہونے میں مطلق شک کی گنجائش نہیں ہے۔“ (ج ۵ ص ۵۳)

اور حافظ عماد الدین ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں یہ ارشاد فرماتے ہیں:

”اور جس شخص نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ یا جوج و ماجوج حضرت آدم کے ایسے نطفے سے



پیدا ہوئے ہیں جو احتلام کی حالت میں نکلا اور مٹی میں رل مل گیا اور یہ مخلوق وجود میں آگئی اور یہ حضرت حواء کے لطن سے نہیں ہیں تو یہ ایک قول ہے جس کو شیخ ابوزکریا نووی نے شرح مسلم میں حکایت کیا ہے اور ان کے علاوہ علماء نے اس کی تغلیط کی ہے اور بلاشبہ یہ قول ہے اس کو صحیح نہ سمجھا جائے، اس لیے کہ یہ قطعاً بے دلیل بات ہے بلکہ اس قول کے بالکل خلاف ہے جو ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ نص قرآن سے یہ ثابت ہے کہ کائنات کی موجودہ انسانی مخلوق کا ہر فرد حضرت نوح کی اولاد میں سے ہے۔ اس طرح یہ قول بھی غلط اور بے دلیل ہے کہ یا جوج و ماجوج عجیب عجیب مختلف شکلوں اور متضاد قد و قامت کی مخلوق ہیں بعض ان میں سے اتنے لانبے ہیں کہ گویا کھجور کا بہت طویل درخت ہے اور بعض بہت ہی کوتاہ قامت اور بعض کے کان ایسے ہیں کہ ایک کو وہ بچھا لیتے اور دوسرے کو اوڑھ لیتے ہیں، سو یہ تمام اقوال قطعاً بے دلیل اور محض اٹکل کے تیر ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ وہ عام بنی آدم کی طرح ہیں اور ان ہی کی طرح شکل و صورت اور جسمانی اوصاف رکھتے ہیں۔“

اور اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:-

”یہ قول بلاشبہ ایک اچھا قول ہے کہ جس کے لیے نہ عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی اور بعض اہل کتاب نے جو اس سلسلہ میں حکایات بیان کی ہیں اس مقام پر کسی طرح ان پر بھروسہ کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ ان کے یہاں تو اس قسم کے من گھڑت قصوں کی کوئی کمی نہیں ہے“

اور دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

”اور ابن جریر نے اس مقام پر وہب بن منبہ سے ذوالقرنین کی سیاحت اور سد کی تعمیر اور اس سے متعلق کیفیات کے بارے میں ایک طویل و عجیب اثر نقل کیا ہے دراصل وہ ایک طویل اور اچھی داستاں ہے اور اس میں ان (یا جوج و ماجوج) کی شکلوں و صورتوں، ان کے طویل و کوتاہ ہونے اور ان کے کانوں کے متعلق اچھی اور غیر معقول باتیں ہیں۔“

اور حافظ ابن حجر عسقلانی عجیب و غریب قول کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:-

”اور شیخ محی الدین (نووی) کے فتاویٰ میں مذکور ہے کہ یا جوج و ماجوج حضرت آدم کی نسل سے تو ہیں مگر حضرت حواء کے لطن سے نہیں ہیں جمہور علماء کا یہی خیال ہے اور اس طرح وہ حواء کے لطن سے بنی آدم کے علانی بھائی ہیں مگر ہم نے کعب احبار کے علاوہ سلف میں سے کسی ایک شخص کو بھی اس کا قائل نہیں پایا اور اس قول کو وہ حدیث مرفوع قطعاً رد کرتی ہے جس میں یا جوج و ماجوج کو نوح کی نسل سے بتایا گیا ہے اور حضرت نوح بلاشبہ حضرت حواء کے لطن سے ہیں۔“



اور دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:-

”اور نووی اور بعض دوسروں نے ایک ایسے شخص کی بیان کردہ حکایت کی جانب اشارہ کیا ہے جو یہ کہتا ہے کہ آدم خواب میں تھے کہ ایک مرتبہ ان کو احتلام ہو گیا اور ان کی قطرات منی مٹی میں رل مل گئے بس اس سے یا جوج و ما جوج کی نسل مخلوق ہو گئی تو یہ قول ہے جو سرتا سر بے ہودہ اور بے اصل ہے اور بعض اہل کتاب کی حکایت کے سوائے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے“

اور حافظ ابن کثیر اپنی تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”پھر وہ (یا جوج و ما جوج) نوح علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ اطلاع دی ہے کہ اس نے اہل زمین کے متعلق نوحؑ کی یہ دعا قبول کر لی (اے رب تو زمین پر کسی کافر کو باقی نہ چھوڑ) اور پھر حق تعالیٰ نے فرمایا (پس ہم نے اس کو اور اس کی کشتی والوں کو نجات دی) اور پھر فرمایا اور ہم نے اس کی ذریت ہی کو باقی رہنے والوں میں چھوڑا“۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ جب کہ قرآن عزیز ان آیات میں یہ تصریح کرتا ہے کہ حضرت نوح کی بددعا کے بعد بنی آدم سے حضرت نوحؑ اور اصحاب کشتی یا دوسرے الفاظ میں حضرت نوحؑ کی ذریت اور چند مسلمانوں کے علاوہ کسی کو زندہ اور باقی نہیں چھوڑا اور اب دنیائے انسانی حضرت نوحؑ کی ہی اولاد ہے تو پھر یہ کہنا کہ یا جوج و ما جوج بنی آدم میں سے ایک مستقل مخلوق ہے اور ذریت نوحؑ میں سے نہیں ہے قطعاً بے بنیاد اور بے اصل ہے اور اس کی تائید میں حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اگر یہ چوڑا کے لطن سے نہ تھے اور اس لیے ذریت نوحؑ میں سے بھی نہیں تھے تو طوفان نوحؑ میں یہ مخلوق کہاں تھی اور نص قرآنی کے خلاف یہ کیسے محفوظ رہی؟

اور حضرت قتادہ سے جو منقول ہے وہ بھی اس قول کو رد کرتا ہے:

”اور عبد الرزاق نے کتاب التفسیر میں قتادہ سے نقل کیا ہے کہ یا جوج اور ما جوج دو قبیلے ہیں جو یافت بن نوح کی نسل سے ہیں۔“

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ یا جوج و ما جوج حضرت نوحؑ کی نسل سے ہیں اور اگرچہ اس کی سند میں فی الجملہ ضعف ہے اگر اس کے مطاوع اور مؤید بعض دوسری صحیح روایات ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر نے بخاری کی اس مرفوع روایت کے متعلق جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ خیال ظاہر کیا ہے:

”امام بخاری کی اس روایت بیان کرنے کی غرض یہ ہے کہ یا جوج و ما جوج کا حال بیان کیا



جائے اور ان کی کثرتِ تعداد کی جانب اشارہ ہے اور یہ کہ امتِ محمدیہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے مقابل میں وہ ہزاروں گنا زیادہ ہیں اور یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کی طرح نسلِ آدم میں شامل ہیں، اس سے ان لوگوں کا رد کرنا مقصود ہے جو اس کے خلاف ان کو عام انسانی مخلوق سے جدا مانتے ہیں۔“

یہ چند نقول ہیں ان محققین کے ذخیرہ اقوال سے جو حدیث، تفسیر اور علم تاریخ کی ماہر ہستیاں ہیں۔ ان اقوال سے یہ بات قطعاً واضح اور صاف ہو جاتی ہے کہ یا جوج و ماجوج عام دنیا انسانی کی طرح رُبعِ مسکوں کے باشندے اور انکی نسل بنی آدم کی عام نسل کی طرح ہے اور وہ کوئی عجوبہ روزگار مخلوق نہیں ہیں اور نہ برزخی مخلوق اور اس قسم کی جو روایات پائی جاتی ہیں ان کا اسلامی روایات سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے بلکہ اسرائیلیات کے بے سرو پا ذخیرہ کا جزو ہیں اور ان تمام روایات کا سلسلہ کعبِ احبار پر جا کر ختم ہو جاتا ہے جو یہودی نسل ہونے کی وجہ سے ان قصوں کے بہت بڑے عالم تھے اور اسلام لانے کے بعد یا تو تفریح کے طور پر ان کو سنایا کرتے تھے اور اس لیے کہ اس رطب و یابس میں سے جو دور از کار باتیں ہوں وہ رد کر دی جائیں اور جن سے قرآن اور احادیث نبوی کی تائید ہوتی ہو ان کو ایک تاریخی حیثیت میں لے لیا جائے مگر نقل کرنے والوں نے اس حقیقت پر نظر نہ رکھتے ہوئے اس پورے طومار کو جو ”غرقِ مئے نابِ اولیٰ“ کا مصداق تھا اسی طرح نقل کرنا شروع کر دیا جس طرح حدیثی روایات کو نقل کیا جاتا تھا اور اگر سلفِ صالحین اور متاخرین میں وہ بے نظیر ہستیاں نہ پیدا ہوتیں جنہوں نے روایات و حدیث کے تمام ذخیرے کو نقد و تبصرہ کی کسوٹی پر رکھ کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا تو نہ معلوم آج اسلام کو کس قدر بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پرتا۔

پس اس وضاحت کے بعد اب یہ دیکھنا چاہیے کہ یا جوج و ماجوج کا مصداق کون سے قبائل ہیں اور ان قبائل کا کائناتِ انسانی کے ساتھ کیا تعلق رہا ہے؟ یہ مسئلہ درحقیقت ایک معرکہ الآراء مسئلہ ہے اور اقوامِ عالم کی بہت سی قوموں پر اثر انداز ہے نیز سورہ انبیاء کی آیت سے اس کا گہرا تعلق ہے۔

بہر حال اس سے پہلے ہم اس مسئلہ پر کچھ لکھیں مقدمہ اور تمہید کے طور پر یہ معلوم ہونا چاہیے کہ انسانی آبادی کے تمام گوشوں میں جو چہل پہل اور رونق نظر آتی ہے اور رربعِ مسکوں جس طرح بنی آدم سے آباد ہے اور تمدن و حضارت کی نیرنگیوں سے گلزار بنا ہوا ہے ان کی ابتداء بدوی اور صحرائی قبائل سے ہوئی ہے اور یہی قبائل صدیاں گزر جانے اور اپنے اصل مرکز سے جدا ہو جانے کے بعد تمدن و حضارت کے بانی بنتے اور تمدن قومیں شمار ہوتے رہے ہیں۔



تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ دنیا کی قوموں کے سب سے بڑے سرچشمے کہ جہاں سے سیلاب کی طرح امنڈ کر انسانی آبادی پھیلی اور پھلی پھولی ہے اور مختلف ملکوں اور زمین کے مختلف خطوں میں جا کر بسی ہے صرف دو ہیں ایک حجاز اور دوسرا چینی ترکستان یا کاکیشیا کا وہ علاقہ جو شمال مشرق میں واقع ہے اور سطح زمین کا مرتفع اور بلند حصہ شمار ہوتا ہے

حجاز ان تمام اقوام و قبائل کا سرچشمہ ہے جو سامی النسل یا سمیتک (Semetic) کہلاتی ہے یہ قبائل ہزاروں سال سے اس بے آب و گیاہ سرزمین سے طوفان کی طرح اٹھتے اور بگولہ کی طرح دنیا کے مختلف حصوں پر پھلتے رہے ہیں اور بدوی اور صحرائی زندگی کے گہوارہ سے نکل کر زبردست تمدن اور عظیم الشان حضارت و شہرت کے بانی قرار پائے۔

عادی اولیٰ اور عاد، ثانیہ (شمود) اسی سرزمین سے اٹھے اور اپنی عظیم الشان صناعی اور پرستوت حکومت و صولت کے ذریعہ صدیوں تک تمدن و حضارت کے علمبردار رہے، جدیدیں، طسم اور اسی قسم کے دوسرے قبائل بھی جو آج امم باند (ہلاک شدہ کہلاتے ہیں اسی خاک کے پروردہ تھے۔ اذواء یمین (شاہان حمیر) اور عمالقہ مصر و شام و عراق کے جلال و جبروت اور وسعت سلطنت کا یہ عالم تھا کہ ایک عرصہ تک فارس اور روم بلکہ ہندوستان کے بعض حصے بھی ان کے احکام کے محکوم اور انکی حکومت کے باج گزار رہ چکے ہیں۔ غرض سامی النسل اقوام و قبائل خواہ بدوی و صحرائی ہوں یا شہری و متمدن شہری سب اسی خاک حجاز (عرب) کے ذرات تھے جو اپنی وسعت کے بعد آپس میں اس قدر اجنبی ہو گئے تھے کہ بدوی اور شہری بلکہ فرعون مصر (عمالقہ) اور اذواء یمین (سلاطین حمیری) اور عرب مستعربہ اسمعیلی عربوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنی بھی مشکل ہو گئی تھی اور اگر نسلی امتیازات و خصوصیات اور زبان کی بنیادی یک رنگی انکے باہم پیوند نہ لگاتی تو تاریخ کے کسی گوشہ کی بھی یہ ہمت نہ تھی کہ وہ ابھر کر انکی اخوت باہمی کا درس دے سکتا۔

اسی طرح قبائل و اقوام عالم کا دوسرا سمندر اور بحرِ ناپیدا کنار چینی ترکستان اور منگولیا کا وہ علاقہ رہا ہے جو شمال مشرق میں واقع ہے اور سطح زمین کا بلند اور مرتفع حصہ ہے۔

اس مقام سے بھی ہزاروں سال کے عرصہ میں سینکڑوں قبائل اٹھے اور دنیا کے مختلف گوشوں تک پہنچے اور وہاں جا کر بس گئے۔ یہیں سے انسانوں کی موجیں اٹھیں اور وسط ایشیا میں جا گریں۔ یہیں سے یورپ پہنچیں اور یہیں سے ہندوستان اور شمال مغرب تک پھیلتی چلی گئیں۔ ہندوستان میں بس جانے والوں نے اپنا تعارف آریں کے ساتھ کرایا وسط ایشیا میں بس جانے والوں نے ”ایریانہ“



کہلا کر اپنے علاقہ کا نام ایران مشہور کیا۔ یورپ میں ہن گاتھ، ڈانڈیال وغیرہ ان ہی قبائل کے نام پڑے اور بحر اسود سے دریاء ڈینیوب تک بسنے والے سینتھینین کہلائے اور یورپ اور ایشیا کے ایک بڑے حصہ پر چھا جانے والے دشمن کے نام سے مشہور ہوئے۔

یہ قبائل جب اپنے مرکز سے چلے تھے تو صحرائی، وحشی اور بدوی تھے لیکن اپنے مرکز سے ہٹ کر جب دوسرے مقامات پر پہنچے اور تجارت و تمدن سے آشنا ہوئے یا ضرورت نے آشنا کرایا تو نئے نئے ناموں سے پکارے گئے۔ حتیٰ اپنے مرکز کی ابتدائی حالت سے اس قدر بعد ہو گیا کہ مرکز میں بسنے والے وحشی قبائل اور ان کے درمیان کوئی یکسانیت باقی نہ رہی بلکہ ایک ہی اصل کی دونوں شاخیں ایک دوسرے کی حریف بن گئیں اور شہری اقوام کے لیے ان کے ہم نسل وحشی قبائل مستقل خطرہ ثابت ہونے لگے جو آئے دن شہریوں پر تاخت و تاراج کرتے اور لوٹ مار کر کے پھر اپنے مرکز کی جانب واپس ہو جاتے تھے۔

بہر حال تاریخ کے اوراق اس کے شاہد ہیں کہ عہد تاریخی کے قبل سے پانچویں صدی مسیح تک اس علاقہ سے جو آج کل منگولیا تا تار کہلاتا ہے اسی قسم کے انسانی طوفان اٹھتے رہے ہیں اور ان سے قریب اور ہمسایہ قوم ”جینی“ ان کے دو بڑے قبائل کو ”موگ“ اور ”یوچی“ کہتے رہے ہیں، پس یہی ”موگ“ ہے جو تقریباً چھ سو برس قبل مسیح یونان میں میگ اور میگاگ بنا اور عربی میں ماجوج ہوا اور غالباً یہی ”یوچی“ یونانی میں یوگاگ اور عبرانی اور عربی میں جوج اور یا جوج کہلایا لیکن جب یہ قبائل دنیا کے مختلف حصوں میں جا کر آباد ہوئے اور بہت سے قبائل پہلے کی طرح اپنے مرکز ہی میں وحشی اور صحرائی بنے رہے تو اس اختلاف تمدن و معیشت نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ ان قبائل کے وحشی اور صحرائی جنگجو تو اسی طرح یا جوج (گاگ GOG) اور (ماجوج MAGOG) کے نام سے موسوم رہے مگر متمدن اور شہری قبائل نے مقامی خصوصیات و امتیازات کے ساتھ ساتھ اپنے ناموں کو بھی بھلا دیا اور نئے نئے ناموں سے شہرت پائی اور پھر یہ تقسیم اس طرح قائم ہو گئی کہ تاریخ کے عہد میں بھی اس کو باقی رکھا گیا اور وسط ایشیا کے ایرانی ایشیائی اور یوروپین روسی اور دیگر یوروپین قومیں اور ہندوستان کے آریں اصل کے اعتبار سے منگولین (یعنی موگ ماجوج اور یوگاگ یا جوج) نسل ہونے کے باوجود تاریخ میں ان ناموں سے یاد نہیں کیے جاتے اور یا جوج و ماجوج کا نام صرف ان ہی قبائل کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے جو اپنی گذشتہ حالت وحشت و بربریت اور غیر متمدن زندگی میں اپنے مرکز کے اندر موجود ہیں اور مختلف صدیوں میں قتل و غارت اور لوٹ مار کرنے کے لیے اپنی ہم نسل متمدن اقوام پر حملے







مسکن تھا اور قتل و غارت گری کا پیشہ کرتا تھا اور ظلم و ستم ان کا روزمرہ کا مشغلہ تھا لہذا حضرت حزقیل علیہ السلام کی پیشین گوئیوں میں یہ بشارت دی گئی کہ وہ وقت قریب ہے جب کہ ان قبائل کی تاخت و تاراج کا یہ سلسلہ ایک عرصہ تک کے لیے بند ہو جائے گا۔ اس پیشین گوئی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جوج شمال کی جانب سے آئے گا تاکہ لوٹ مار کرے اور یہ کہ ماجوج پر اور جزیروں میں بسنے والوں پر سخت تباہی آئے گی اور یہ کہ اسرائیلی بھی ماجوج کے مقابلہ میں حصہ لینگے۔

اب تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو آپ پر یہ بخوبی واضح ہو جائے گا کہ تقریباً ایک ہزار قبل مسیح سے بحر خزر اور بحر اسود کا علاقہ وحشی اور خونخوار قبائل کا مرکز بنا ہوا ہے جو مختلف ناموں کے ساتھ موسوم ہوتے رہے ہیں باآخر ان میں سے ایک زبردست قبیلہ نمودار ہوتا ہے جو تاریخ میں سنٹھینین کے نام سے مشہور ہے۔ یہ وسط ایشیا سے بحر اسود کے شمالی کناروں تک پھیلا ہوا ہے اور اطراف میں مسلسل حملے کرتا رہتا اور متمدن اقوام پر تباہی لاتا رہتا ہے۔ یہ زمانہ بابل و نیوئی کے عروج اور اشوریوں کے تمدن کے آغاز کا زمانہ تھا پھر تقریباً ساڑھے چھ سو قبل مسیح میں ان کے ایک بڑے زبردست گروہ نے اپنی بلندیوں سے اتر کر ایران کا تمام مغربی حصہ تہ و بالا کر ڈالا۔

اب ۵۲۹ قبل مسیح میں سائرس (کینسر و) کا ظہور ہوتا ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جب کہ اس کے ہاتھوں بابل کی تباہی، بنی اسرائیل کی آزادی اور میڈیا و فارس کی دو سلطنتوں کی ایک جا طاقت کا نظارہ سامنے آتا ہے اور ٹھیک حزقیل علیہ السلام کی پیشین گوئی کے خصوصی امتیازات اس کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوتے ہیں اور سنٹھینین قبائل کے مغربی حملوں سے حفاظت کے لیے اس کے ہاتھوں سد قائم ہوتی ہے جس کا ذکر بار بار آ رہا ہے۔

بہر حال ان تمام تاریخی مصادر سے یہ بات پائیدار ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حزقیل علیہ السلام کی پیشین گوئی کے مطابق وہ ماجوج و ماجوج جن کی حفاظت کے لیے سائرس (ذوالقرنین) نے سد تیار کیا، یہی سنٹھینین قبائل تھے جو ابھی تک اپنی وحشیانہ خصائص و خصائل کے اسی طرح حامل تھے جس طرح ان کے پیش رو اپنے مرکز میں رہتے ہوئے ان امتیازات کے ساتھ ماجوج و ماجوج کہلاتے رہے تھے اور یہ دراصل ایک مزید ثبوت ہے اس دعویٰ کے لیے کہ ذوالقرنین "سائرس" (کینسر و) ہی تھا۔

یاجوج و ماجوج کے متعلق جس قدر بحث اس وقت تک کی جا چکی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ کوئی عجیب الخلق مخلوق نہیں ہیں بلکہ دنیا انسان کی عام آبادی کی طرح وہ بھی حضرت نوح کی ذریت میں سے ہیں اور یہ کہ یاجوج و ماجوج منگولیا (تاتار) کے ان وحشی قبائل کو کہا جاتا رہا ہے جو



یورپ اور روس کی اقوام کے منبع و منشا ہیں اور چونکہ ان کی ہمسایہ قوم ان قبائل میں سے دو بڑے قبیلوں کو موگ اور یوچی کہتی تھی اس لیے یونانیوں نے ان کی تقلید میں میک یا میگاگ اور یوگاگ کہا اور عبرانی اور عربی میں تصرف کر کے ان کو یاجوج و ماجوج سے یاد کیا گیا۔

اب ان تاریخی حقائق کی تائید میں عرب مؤرخین اور محقق مفسرین و محدثین کی تحقیق بھی قابل مطالعہ ہے تاکہ گذشتہ سطور میں جو کچھ لکھا گیا اس کی تصویب ہو سکے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی تاریخ میں تصریح فرماتے ہیں:-

ترجمہ: ”اور یافس تاتاریوں کا نسلی باپ ہے پس یاجوج و ماجوج تاتاریوں کی ہی ایک شاخ ہیں اور یہ منگولیا کے قبائل کے منگولی ہیں اور دوسرے تاتاریوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ طاقت ور اور بہت زیادہ فسادی اور لوٹ مار مچانے والے ہیں۔“

اور اپنی تفسیر میں بھی اسی کی تائید فرماتے ہوئے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ قبائل یافث بن نوح کی نسل سے ہیں اور ان کا مولد وطن منگولیا کا وہی علاقہ ہے جہاں سے قوموں کے طوقان اٹھے اور اٹھکر یورپ وغیرہ میں جا کر بسے ہیں۔

اور ابن اثیر نے کامل میں یہ تحریر فرمایا ہے:-

”یاجوج و ماجوج کے متعلق مختلف اقوال ہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ وہ تاتاریوں میں ہی سے ایک قسم کے تاتاری ہیں۔ وہ بہت طاقتور ہیں اور ان میں شر و فساد کا مادہ بہت ہے اور وہ بہت بڑی تعداد رکھتے ہیں اور قرب و جوار کی زمین میں فساد پھیلاتے اور جس بستی پر قابو پایا جاتے اس کو برباد کر ڈالتے تھے اور پڑوسیوں کو ایذا پہنچاتے رہتے تھے۔“

اور سید محمود آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں:-

”یاجوج و ماجوج یافث بن نوح کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں اور وہ بن منبہ اسی پر یقین رکھتے ہیں اور متاخرین میں سے اکثر کی یہی رائے ہے۔“

اور آگے چلکر تحریر فرماتے ہیں:-

”اور بعض کہتے ہیں کہ ترک (تاتاری) ان ہی میں سے ہیں جیسا کہ ابن جریر اور ابن مردویہ نے سدی سے ایک قوی اثر نقل کیا ہے کہ ترک (تاتاری) یاجوج و ماجوج کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہیں۔“

اور عبدالرزاق نے حضرت قتادہ سے روایت کی ہے کہ یاجوج و ماجوج بائیس قبائل کا مجموعہ



ہیں۔“

اس کے علاوہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں یاجوج و ماجوج سے متعلق کچھ نقل فرمایا ہے وہ بھی نقولِ بلاہی کی تائید کرتا ہے اور علامہ طنطاوی اپنی تفسیر جواہر القرآن میں لکھتے ہیں:-  
”یاجوج و ماجوج اپنی اصل کے اعتبار سے یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں اور یہ نام لفظ ”جیح النار“ سے ماخوذ ہے جس کے معنی آگ کے شعلہ اور شرارہ کے ہیں گویا ان کی شدت اور کثرت کی طرف اشارہ ہے اور بعض اہل تحقیق نے ان کی اصل پر بحث کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ مغلوں (منگولوں) اور تاتاریوں کا سلسلہ نسب یک شخص ”ترک“ نامی پر پہنچتا ہے اور یہی شخص ہے جس کو ابو الفداء ماجوج کہتا ہے پس اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج سے مراد منگولین اور تاتاری قبائل ہی ہیں، ان قبائل کا سلسلہ ایشیا کے شمالی کنارہ سے شروع ہو کر تبت و چین ہوتا ہوا محیط منجمد شمالی تک چلا گیا ہے اور غربی جانب ترکستان کے علاقہ تک پھیلا ہوا ہے، فاکہ الخلفاء اور ابن مسکویہ کی تہذیب الاخلاق اور رسائل اخوان الصفا، ان سب نے یہی کہا ہے کہ یہی قبائل یاجوج و ماجوج کہلاتے ہیں۔“

اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں یاجوج و ماجوج کے مستقر اور اس کی جغرافیائی حیثیت کو اس طرح واضح کیا ہے:

”ساتویں اقلیم کے نوے حصہ میں مغرب کی جانب ترکوں کے وہ قبائل آباد ہیں جن کو قفقاز اور چرس کہا جاتا ہے اور مشرق کی جانب یاجوج کی آبادیاں اور ان دونوں کے درمیان کوہ قاف حدِ فاصل ہے جس کا ذکر گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے وہ بحرِ محیط سے شروع ہوتا ہے جو چوتھی اقلیم کے مشرق میں واقع ہے اور اس کے ساتھ ساتھ شمال کی جانب اقلیم کے آخر تک چلا گیا ہے اور پھر بحرِ محیط (ATLANTIC) سے جدا ہو کر شمال مغرب میں ہوتا ہوا یعنی مغرب کی جانب جھکتا ہوا پانچویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے یہاں سے وہ پھر اپنی پہلی سمت کو مڑ جاتا ہے حتیٰ کہ ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے اور یہاں پہنچ کر جنوب سے شمال مغرب کو ہوتا ہوا گیا ہے اور اسی سلسلہ کوہ کے درمیان ”سد سکندری“ واقع ہے۔ اور ساتویں اقلیم کے نویں حصہ کے وسط ہی میں وہ ”سد سکندری“ ہے جس کا ابھی ہم ذکر کر آئے ہیں اور جس کی اطلاع قرآن نے بھی دی ہے اور عبد اللہ بن خرداد بہ نے اپنی جغرافیہ کی کتاب میں واثق باللہ (خلیفہ عباسی) کا وہ خواب نقل کیا ہے جس میں اس نے یہ دیکھا تھا کہ ”سد“ کھل گئی ہے چنانچہ وہ گھبرا کر اٹھا اور دریافتِ حال کے لیے ”سلام ترجمان“ کو



روانہ کیا اور اس نے واپس آ کر اسی ”سد“ کے حالات و اوصاف بیان کیے۔ اور ساتویں اقلیم کے دسویں حصہ میں ماجوج کی بستیاں ہیں جو مسلسل آخر تک چلی گئی ہیں، یہ حصہ بحر محیط کے ساحل پر واقع ہے جو اس کے مشرقی شمالی حصہ کو اس طرح گھیرے ہوئے ہے، شمال میں تو طول میں چلا گیا ہے اور بعض مشرقی حصہ میں عرض میں گیا ہے۔“

ابن خلدون نے ماجوج و ماجوج اور سد متعلق اسی طرح اقلیم رابع، اقلیم خامس اور اقلیم سابع کی بحث میں بھی ضمناً بیان کیا ہے بلکہ اقلیم رابع میں یہ بھی تصریح ہے۔  
 ”اور اقلیم رابع کے جزء عاشر کا ایک حصہ بحر محیط کے اوپر واقع ہے اور یہ جبل ماجوج و ماجوج ہے اور ماجوج و ماجوج تمام قبائل ترک ہیں۔“

گذشتہ بحث میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ منگولیا یا کاشیا کے یہ قبائل جب تک اپنے مرکز میں رہتے ہیں ماجوج و ماجوج کہلاتے ہیں اور جب وہاں سے نکل کر کہیں بس جاتے اور صدیوں بعد متمدن ہو جاتے ہیں تو پھر وہ اس نام کو بھلا دیتے ہیں اور دوسرے بھی ان کو اس وحشیانہ امتیاز سے یاد نہیں کرتے کیوں کہ پھر یہ اپنے مرکز سے اس قدر اجنبی ہو جاتے ہیں کہ مرکز کے وحشی قبائل ان کو بھی اپنا حریف بنا لیتے اور ان پر غارت گری کرتے رہتے ہیں اور یہ بھی اپنے ہی ہم نسل مرکزی وحشی قبائل سے اس طرح خوف کھانے لگتے ہیں جس طرح دوسرے قبائل، چنانچہ اس مسئلہ کی تائید حافظ عماد الدین ابن کثیر کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

”سدین سے مراد وہ دو پہاڑ ہیں جو ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور ان کے درمیان شکاف ہے اسی شکاف سے ماجوج و ماجوج ترکوں کے شہروں پر آپڑتے اور ان میں فساد مچا دیتے اور کھیتوں اور نسلوں کو ہلاک اور برباد کر ڈالتے تھے۔“

یعنی ماجوج و ماجوج بھی اگرچہ منگولی (تاتاری) ہیں مگر پہاڑوں کے دڑے جو تاتاری قبائل اپنے مرکز سے ہٹ کر آباد ہو گئے تھے اور متمدن بن گئے تھے، ہم نسل ہونے کے باوجود دونوں میں اس قدر تفاوت ہو گیا کہ ایک دوسرے سے نا آشنا بلکہ حریف بن گئے اور ایک ظالم کہلائے اور دوسرے مظلوم اور ان ہی قبائل نے ذوالقرنین سے سد بنانے کی فرمائش کی۔

اور بعض عرب مؤرخین نے تو ”ترک“ کی وجہ تسمیہ ہی یہ بیان کر دی کہ یہ وہ قبائل ہیں جو ماجوج و ماجوج کے ہم نسل ہونے کے باوجود سد سے ورے آباد تھے اور اس لیے جب ذوالقرنین نے سد قائم کیا اور ان کو اس میں شامل نہیں کیا تو اس چھوڑ دیے جانے کی وجہ سے وہ ”ترک“ کہلائے۔



یہ وجہ تسمیہ اگرچہ ایک لطیفہ ہے تاہم اس امر کا ثبوت ضرور بہم پہنچاتی ہے کہ متمدن قبائل تمدن و تجارت کے بعد اپنے ہم نسل مرکزی قبائل سے اجنبی ہو جاتے تھے اور وہ یا جوج و ماجوج نہیں کہلاتے تھے اور لفظ یا جوج و ماجوج صرف ان ہی قبائل کے لیے مخصوص ہو گئے ہیں جو اپنے مرکز میں سابق کی طرح ہنوز وحشت و بربریت اور درندگی کے ساتھ وابستہ ہیں۔

سَد:

یا جوج و ماجوج کے اس تعین کے بعد دوسرا مسئلہ ”سد“ کا سامنے آتا ہے یعنی وہ ”سد“ کس جگہ واقع ہے جو ذوالقرنین نے یا جوج و ماجوج کے فتنہ و فساد کو روکنے کے لیے بنائی اور جس کا ذکر قرآن عزیز میں بھی کیا گیا ہے۔

تعین سد سے پہلے یہ حقیقت پر نظر رہنی چاہیے کہ یا جوج و ماجوج کی تاخت و تاراج اور شر و فساد کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ ایک طرف کاشیا کے نیچے بسنے والے ان کے ظلم و ستم سے نالاں تھے تو دوسری جانب تبت اور چین کے باشندے بھی ان کی شمالی دستبرد سے محفوظ نہ تھے اس لیے صرف ایک ہی غرض کے لیے یعنی قبائل یا جوج و ماجوج کے شر و فساد اور لوٹ مار سے بچنے کے لیے مختلف تاریخی زمانوں متعدد ”سد“ تعمیر کی گئیں۔ ان میں سے ایک ”سد“ وہ ہے جو دیوار چین کے نام سے مشہور ہے، یہ دیوار تقریباً ایک ہزار میل طویل ہے، اس دیوار کو منگولی اٹکودہ کہتے ہیں اور ترکی میں اس نام بو قورقہ ہے۔

دوسری سد وسط ایشیا میں بخارا اور ترمز کے قریب واقع ہے اور اس کے محل وقوع کا نام در بند ہے، یہ سد مشہور مغل بادشاہ تیمور لنگ کے زمانہ میں موجود تھی اور شاہ روم کے ندیم خاص سیلابر جرمنی نے بھی اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اور اندلس کے بادشاہ کسٹیل کے قاصد کلاچونے بھی اپنے سفر نامہ میں کیا ہے، یہ ۱۲۰۳ء میں اپنے بادشاہ کا سفیر ہو کر جب تیمور صاحب قرآن کی خدمت میں حاضر ہوا ہے تو اس جگہ سے گزرا ہے، وہ کہتا ہے کہ باب الحدید کی ”سد“ موصل کے اس راستے پر ہے جو سمرقند اور ہندوستان کے درمیان واقع ہے۔

تیسری ”سد“ روسی علاقہ داغستان میں واقع ہے، یہ بھی در بند اور باب الابواب کے نام سے مشہور ہے اور بعض مورخین اس کو ”الباب“ بھی لکھ دیتے ہیں، یا قوت حموری نے معجم البلدان میں، اور لیبی نے جغرافیہ میں اور بستانی نے دائرۃ المعارف میں اس کے حالات کو بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور ان سب کا خلاصہ یہ ہے:-



”داغستان میں در بند ایک روسی شہر ہے، یہ شہر خزر (کاسپین) غربی کے کنارہ واقع ہے، اس کا عرض البلد ۳۳-۳۴ شمالاً اور طول البلد ۴۵-۴۸ شرقاً ہے اور اس کو در بند انوشیرواں بھی کہتے ہیں اور باب الا بواب کے نام سے بہت مشہور ہے اور اس کے اطراف و جوانب کو قدیم زمانہ سے چہار دیوار گھیرے ہوئے ہیں جن کو قدیم مورخین ابواب البانیہ کہتے ہیں اور اب یہ خستہ حالت میں ہے اور اس کو باب الحدید اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی سدا کی دیواروں میں لوہے کے بڑے بڑے پھاٹک لگے ہوئے تھے۔“

اور جب اسی باب الا بواب سے مغرب کی جانب کاکیشیا کے اندرونی حصوں میں بڑھتے ہیں تو ایک درہ ملتا ہے جو درہ داریال کے نام سے مشہور ہے اور یہ کاکیشیا کے بہت بلند حصوں سے گزرا ہے یہاں ایک چوٹی سد ہے جو قفقاز یا جبل قوقا یا جبل قاف کی سدا کہلاتی ہے اور یہ سدا دو پہاڑوں کے درمیان بنائی گئی ہے۔ بستانی اس کے متعلق لکھتا ہے:

اور اسی کے قریب ایک اور ”سد“ ہے جو غربی جانب بڑھتی چلی گئی ہے غالباً اس کو اہل فارس نے شمالی بربروں سے حفاظت کی خاطر بنایا ہوگا کیونکہ اس کے بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہو سکا۔ بعض نے اس کی نسبت سکندر کی جانب کردی اور بعض نے کسریٰ و نوشیرواں کی جانب اور یا قوت کہتا ہے کہ یہ تانبا پگھلا کر اس سے تیار کی گئی ہے۔

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں بھی ”در بند“ کے مقالہ میں اس آہنی دیوار کا حال قریب قریب اسی کے بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ سب دیواریں شمال ہی میں بنائی گئی ہیں اور ایک ہی ضرورت کے لیے بنائی گئی ہیں، اس لیے ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سدا کے تعین میں سخت اشکال پیدا ہو گیا ہے اور اسی لیے ہم مورخین میں اس مقام پر سخت اختلاف پاتے ہیں اور اس اختلاف نے ایک دلچسپ صورت اختیار کر لی ہے اس لیے کہ در بند کے نام سے دو مقامات کا ذکر آتا ہے اور دونوں مقامات میں سدا یا دیوار بھی موجود ہے اور غرض بنا بھی ایک ہی نظر آتی ہے۔

تو اب دیوار چین کو چھوڑ کر باقی تین دیواروں کے متعلق قابل بحث یہ بات ہے کہ ذوالقرنین کی سدا ان تینوں میں سے کون سی ہے اور اس سلسلہ میں جس در بند کا ذکر آتا ہے وہ کون سا ہے۔ مورخین عرب میں مسعودی، قزوینی، اصطخری، جموی سب اسی در بند کا ذکر کر رہے ہیں جو خزر پر واقع ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس شہر میں داخل ہونے سے پہلے بھی دیوار ملتی ہے، اور شہر کے بعد بھی دیوار ہے اگرچہ ایک دیوار چھوٹی ہے اور دوسری بڑی، مگر شہر، سدا یا دیواروں سے گھرا ہوا ہے اور ایران کے



لیے یہ مقام خاص اہمیت رکھتا ہے اور دیوار سے پرے بسنے والے قبائل کی زد سے بچاتا ہے، البتہ ابو الضیاء اور بعض اس سے ناقل مورخین کو یہ غلطی ہو گئی کہ انھوں نے بخارا اور ترمذ کے قریب در بند کو اور بحر خزر کے قریب در بند کو ایک سمجھ کر ایک کے حالات کو دوسرے کے ساتھ خلط کر دیا ہے۔

مگر ادریسی نے دونوں کی جغرافیائی حالت کو مفصل اور جدا جدا بیان کر کے اس خلط کو دور کیا اور اصل کو بخوبی واضح کر دیا۔

اس کے باوجود حال کے بعض اہل قلم کو اس غلطی پر اسرار ہے کہ سد ذوالقرنین یا سد سکندری کے سلسلہ میں جس سد کا ذکر آتا ہے اس سے بحر خزر یا بحر قزوین کا در بند مراد نہیں ہے بلکہ بخارا اور ترمذ کے قریب جو در بند حصار کے علاقہ میں واقع ہے وہ مراد ہے۔

بہر حال یہ مورخین بحر خزر اور کاشیا کے علاقہ در بند (باب الابواب) کی دیوار کے متعلق یہ واضح کرتے ہیں کہ قرآن عزیز میں جس سد کا ذکر ہے وہ یہی ہے مگر یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ کوئی اس کو سد سکندری کہتا ہے اور کوئی سد نوشیروانی غرض در بند کے متعلق جب بھی مورخین کو خلط ہو جاتا ہے تو کوئی نہ کوئی محقق اس کو دور کر کے یہ ضرور واضح کر دیتا ہے کہ سد ذوالقرنین کا تعلق اس در بند سے ہے جو کاشیا میں بحر خزر کے کنارے واقع ہے، اس در بند سے نہیں ہے جو بخارا اور ترمذ کے قریب واقع ہے۔

چنانچہ وہب بن منبہ فرماتے ہیں:-

قرآن عزیز میں جو ”بین السدین“ آیا ہے تو سدین سے مراد جبلین ہے یعنی دو پہاڑ کہ جن کے درمیان سد قائم کی گئی ہے، پہاڑ کی یہ دونوں چوٹیاں بہت بلند ہیں اور ان کے پیچھے بھی آبادیاں ہیں اور ان کے سامنے بھی اور یہ دونوں منگولین سرزمین کے اس آخری کنارے پر واقع ہیں جو آرمینیا اور آذربائیجان کے متصل ہے۔

اور علامہ ہروی فرماتے ہیں:-

یہ دو پہاڑ کے جن کے درمیان ذوالقرنین کی سد قائم ہے تا تاری قبائل کے درے واقع ہیں (یعنی سد انکو اس جانب آنے سے روکنے کے لیے بنائی گئی ہے)

اور امام رازی تحریر فرماتے ہیں:

”زیادہ صاف بات یہ ہے کہ ان دو پہاڑوں کا جاء وقوع جانب شمال میں ہے اور (تعیین میں) بعض نے کہا ہے کہ وہ دو پہاڑ آرمینیا اور آذربائیجان کے درمیان واقع ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ



تاتاری قبائل کی سرزمین کا جو آخری کنارہ ہے وہاں واقع ہیں۔

اور طرہ بی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ شاہ آذربائیجان نے جب کہ وہ اس کو فتح کر چکا تھا ایک شخص کو خزر (بحرِ فر دین) کے اطراف سے بلایا کہ وہ صاحبِ آذربائیجان کو بالمشابہہ سد کے حالات سنائے، اس نے بتایا کہ وہ پہاڑوں کے درہ میں ایک بلند سد ہے اور اس کے اس جانب ایک بہت بڑی خندق ہے جو نہایت گہری ہے۔

اور ابن خرداداد نے کتاب المسالک والممالک میں بیان کیا ہے کہ واثق باللہ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا اس نے اس سد کو کھول ڈالا ہے، اس خواب کی بناء پر اس نے اپنے بعض عمال کو اس کی تحقیق کے لیے بھیجا تا کہ وہ اس کا معائنہ کریں سو یہ لوگ باب الابواب سے آگے بڑھے اور ٹھیک سد کے مقام پر پہنچ گئے انھوں نے واثق باللہ سے آکر بیان کیا کہ یہ سد لوہے کے ٹکروں سے بنائی گئی ہے جس میں پگھلا ہوا تانبا شامل کیا گیا ہے اور اس کا آہنی دروازہ مقفل ہے پھر جب انسان وہاں سے واپس ہوتا ہے تو راہنما اس کو ایسے چٹیل میدانوں میں پہنچاتے ہیں جو شمرقند کے محاذات میں واقع ہیں۔“

ابوریحان بیرونی کہتے ہیں کہ اس تعارف کا مقتضایہ ہوا کہ وہ زمین کے ربع شمال مغربی میں واقع ہے۔

اور سید محمود آلوسی روح المعانی لکھتے ہیں:-

یہ دو پہاڑ ارض متعین جہت شمال میں واقع ہیں اور کتاب حزقیل علیہ السلام میں حرج کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ وہ شمال کی جانب سے آخری دنوں میں آئیں گے اس سے بھی یہی مراد ہے اور کاتب چلبی کا میلان بھی اسی جانب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے آرمینہ اور آذربائیجان کے پہاڑ مراد ہیں، اور قاضی بیضاوی کی رائے بھی یہی ہے اور بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی یہی روایت ہے اگرچہ اس قول کا تعاقب کیا گیا ہے اور اسکی صحت میں کلام ہے، ان اقوال سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اس کا مصداق باب الابواب (در بند بحر قزوین) ہے حالانکہ ان ہی مؤرخین کے نزدیک اس کا بانی کسریٰ نوشیرواں ہے۔

اور ابن ہشام ”ترک“ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان میں سے ایک جماعت مسلمان ہو گئی تھی۔ اس لیے جب ذوالقرنین نے آرمینہ میں (یعنی ان پہاڑوں میں جو آرمینہ سے آگے دور تک چلے گئے ہیں) سد بنانی شروع کی تو ان کو سد کے اس جانب چھوڑ دیا پس اس سے ترک کرنے



پروہ ”ترک“ کہلائے ”ترکہم فسمو التریک لذلک“

اور حضرت استاذ علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری (نور اللہ مرقدہ) عقیدۃ الاسلام میں تحریر فرماتے ہیں:-

”قرآن عزیز نے ذوالقرنین کے تیسرے سفر کی جہت کا ذکر نہیں کیا اور قرینہ یہ بتاتا ہے کہ وہ شمال کی جانب تھا اور اسی جانب اس کہ سد ہے جو قفقاز کے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے، اور جس غرض کے لیے ذوالقرنین نے سد بنائی تھی اس غرض کے لیے اور بادشاہوں نے بھی سد تعمیر کی ہیں۔ مثلاً چینوں نے دیوار چین بنائی، جس کو منگولین انکورہ اور ترک بوقور کہتے ہیں صاحبِ ناسخ التواریک نے اس کا مفصل ذکر کیا ہے اور اسی طرح بعض عجمی بادشاہوں نے در بند (باب الابواب) کی سد کی تعمیر کی اور سد بھی ہین جو شمال کی جانب ہیں۔“

اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں کاکیشیا کے علاقہ یا بحر قزوین کے کنارہ واقع در بند (باب الابواب) کے متعلق جو مقالہ ہے اس میں تحریر ہے:-

یہاں جو در بند ہے یزدگرد اول نے دوبارہ صاف کرایا اور اس کی مرمت کرائی، اس دیوار کو سکندر اعظم کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ اور دوسری جگہ بحر خزر کے متعلق تحریر ہے:-

”رسالہ اخوان الصفا میں جو بحر یا جوج و ما جوج کا ذکر آیا ہے تو اس سے مراد بحر کاسپین یعنی بحر خزر ہے۔“

پس عرب مؤرخین، محدثین، مفسرین، محققین تاریخ کے حوالجات سے چند امور ثابت ہوتے ہیں:-

- (۱) کوئی ایک مؤرخ بھی یہ صراحت نہیں کرتا کہ در بند ضلع حصار کی سد ”سد سکندری“ ہے۔
- (۲) ابولفداء اور بعض مؤرخین کو در بند کے متعلق یہ خلط ہو گیا ہے کہ بحر قزوین والے در بند کا ذکر شروع کرتے ہیں اور پھر ترند و بخارا والے در بند (حصار) کے ساتھ اس کو ملا دیتے ہیں، اور دونوں کے درمیان امتیاز کرنے سے قاصر رہے ہیں
- (۳) باقی تمام محققین مؤرخین ہوں یا محدثین و مفسرین امتیاز کے ساتھ یہ تصریح کر رہے ہیں کہ جو ”سد سکندری“ کے نام سے مشہور ہے وہ وہی ہے جو بحر قزوین کے قریب در بند (باب الابواب) میں واقع ہے۔







سب سے پہلے ہم اس سد پر بحث کرنا چاہتے ہیں جو در بند (حصار) میں واقع ہے۔ اس سد کے حالات ساتویں صدی کے ایک چینی سیاح نے ہی نہیں بیان کیے بلکہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، شاہ رخ کے جرمنی مصاحب سیلد برجر اور ہسپانوی سفیر کلاؤنچو نے بھی پندرہویں صدی عیسوی کے اوائل میں اس کا مشاہدہ کیا ہے اور انہوں نے بھی یہ کہا ہے کہ یہاں اہنی پھاٹک لگے ہوئے ہیں، مگر مورخین یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ یہ سد (دیوار) پتھر اور اینٹ کی بنی ہوئی ہے اور اہنی دروازہ کے علاوہ دیوار کسی بھی جگہ لوہے اور تانبے سے بنی ہوئی نہیں ہے اور لوہے کے پھاٹکوں کی وجہ سے اس کو بھی اسی طرح درہ اہنی کہتے ہیں جس طرح در بند (بحر قزوین) کو درہ اہنی کہا جاتا ہے۔

نیز یہ دیوار جس طرح پہاڑوں کے درمیان میں چلی گئی ہے اسی طرح اس کا ایک حصہ سطح زمین پر بھی بنایا گیا ہے، ایسا نہیں کہ وہ صرف دو پہاڑوں کی پھاٹکوں (چوٹیوں) کے درمیان ہی میں قائم کی گئی ہو۔

پس اس دیوار کو سد ذوالقرنین کہنا قرآنی تصریحات کے قطعاً خلاف ہے اور غالباً اسی وجہ سے کسی ایک مورخ نے بھی (جو کہ در بند) حصار اور در بند (بحر قزوین) کے درمیان امتیاز کر سکے ہیں، اس دیوار (سد) کو سد ذوالقرنین یا سد سکندری نہیں کہا۔

مگر تعجب ہے محترم مدیر صاحب صدق سے کہ انہوں نے قرآنی تصریحات کو سامنے رکھے بغیر تمام مورخین کے خلاف یہ دعویٰ کر دیا کہ در بند (حصار) کی دیوار (سد) ”سد سکندری“ یعنی سد ذوالقرنین ہے شاید وہ اس جدت کے لیے اس لیے مجبور ہوئے ہیں کہ ایک تو ان کا مسلک یہ ہے کہ سکندر مقدونی ہی ذوالقرنین ہے اور دوسرے اس جانب میں سکندر کی فتوحات کی آخری حد اسی علاقہ تک ہے جیسا کہ ۱۸ اگست ۱۲ء کے صدق کی اس عبارت سے ظاہر ہے۔

”سکندر اعظم اپنی تیسری فوج کشی میں اسی علاقہ تک گیا تھا۔“

ظاہر ہے کہ ان دو باتوں کی صراحت کے بعد وہ مجبور ہیں کہ در بند (حصار) کی سد ہی سد ذوالقرنین تسلیم کریں۔ مگر اس سے زیادہ یہ ظاہر ہے کہ اس سد پر نہ قرآن عزیز کی بیان کردہ صفات ہی کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ کوئی مورخ ہی اس کو سد سکندری یا سد ذوالقرنین کہتا ہے اور بالفرض اگر اس کو سکندر کی تعمیر تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی وہ سد ذوالقرنین کسی طرح نہیں ہو سکتی کیوں کہ وہ قرآنی صفات کے مطابق نہیں ہے۔

اس کے بعد دوسرا نمبر در بند (بحر قزوین) کی دیوار (سد) کو زیر بحث لانے کا ہے، اس کے



متعلق یہ تو معلوم ہو چکا کہ اس کو عرب باب الالباب اور الباب کہتے ہیں اور اہل فارس در بند اور درہ  
 اہنی نام رکھتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بڑی کثرت سے مؤرخین اس در بند کی دیوار (سد) کو "سد  
 سکندری" کہتے چلے آئے ہیں مگر محققین یہ بھی کہتے چلے آئے ہیں کہ بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہے البتہ  
 اس کو سد سکندری بھی کہہ دیتے ہیں اور کیشین دال (کایشیا کی دیوار) اور دیوار نوشیرواں بھی۔

لیکن ہم "اس بحث کو مؤخر کرتے ہوئے کہ اس کے متعلق یہ اضطراب بیانی کیوں ہے" اس  
 سد کو سد ذوالقرنین جب ہی مان سکتے ہیں کہ یہ قرآن عزیز کے بیان کردہ ہر دو صفات کے مطابق پوری  
 اترے مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہے اس لیے کہ اس دیوار کے عرض و طول اور اس کے حجم کی تفصیلات دیتے  
 ہوئے تمام مؤرخین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس دیوار کا بھی بہت بڑا حصہ سطح زمین پر تعمیر کیا گیا ہے اور  
 آگے بڑھ کر پہاڑ پر بھی بنایا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی مانتے ہیں کہ اگرچہ یہ دیوار بعض جگہ دوہری بھی ہے  
 اور اس میں متعدد لوہے کے پھاٹک بھی ہیں جن میں سے بعض بعض پہاڑوں کے درمیان قائم ہیں اور  
 پہاڑوں پر اس کے استحکامات بھی بہت ہیں تاہم یہ دیوار لوہے کے ٹکڑوں اور تانبے سے نہیں بنائی گئی  
 بلکہ عام دیواروں کی طرح پتھر اور چونا ہی سے بنائی گئی ہے اس کا بانی کوئی شخص بھی ہو اس دیوار کو سد  
 ذوالقرنین کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہے اب اس کو "سد سکندری" کہنا سو ہمیں اس سے انکار کی کوئی  
 ضرورت نہ ہوتی اگر تاریخی حقائق اس دعویٰ کا ساتھ دیتے مگر حیرت اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہی  
 مؤرخین جب سکندر مقدونی کا ذکر کرتے اور اس کی وسعت فتوحات کو زیر بحث لاتے ہیں تو ان میں  
 سے کوئی ایک بھی یہ نہیں کہتا کہ سکندر اعظم کایشیا تک پہنچا ہے اور بقول مولانا ابوالکلام آزاد کے

"لیکن جب سکندر کے تمام فوجی اعمال خود اس کے عہد میں اور خود اس کے ساتھیوں نے قلم  
 بند کر دیے ہیں اور ان میں کہیں بھی کایشیا کے استحکامات کی تعمیر کا اشارہ نہیں ملتا تو پھر کیوں کر ممکن ہے  
 کہ اس طرح کی توجیہات قابل اطمینان تسلیم کر لی جائیں۔ یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ سکندر اعظم کی  
 جانب یہ انتساب صحیح ہے۔"

امریکہ کے ایک مشہور جغرافیہ داں کریم (CRAM) نے اپنے جغرافیہ کریمس یونیورسل  
 ایٹلس (CRAMES UNIWERSAL AITLAS) میں سکندر اعظم کی سلطنت  
 ۳۸۱-۳۳۱ قیام کا جو مکمل نقشہ تیار کیا ہے اس میں بھی کایشیا کا علاقہ اس کی فتوحات سے سیکڑوں میل  
 دور نظر آتا ہے۔

بہر حال اکثر مؤرخین تو اس کا بانی نوشیرواں کو بتاتے ہیں اور جوزیفس سکندر کو اس کا بانی



قرار دیتا ہے مگر بیان کردہ تاریخی حقائق کے پیش نظر نہ تو نوشیرواں کی نسبت صحیح ہے اور نہ سکندر اعظم کی، اور اگر ان دونوں میں سے کسی کی نسبت بالفرض صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی اس کو سد ذوالقرنین کہنا حقائق قرآنی سے آنکھیں بند کر لینا ہوگا، پس در بند (بحر خزر) دونوں کی ”سد“ سد ذوالقرنین نہیں ہے۔

تیسری قابل ذکر وہ سد ہے جو در بند (قزوین) یا کاستین دال کے مغرب جانب میں ایک درہ کو بند کرتی ہے، یہ درہ بند سے مغرب کی جانب کاکیشیا کے اندرونی حصوں میں آگے بڑھتے ہوئے ملتا ہے اور درہ داریال کے نام سے مشہور ہے اور قفقاز اور تفلس کے درمیان واقع ہے، یہ درہ کاکیشیا کے بہت بلند حصوں سے ہو کر گزرا ہے اور قدرتی طور پر پہاڑ کی دو بلند چوٹیوں سے گھرا ہوا ہے، اس کو فارسی میں درہ آہنی اور ترکی میں دامر کیو کہتے ہیں

اس درہ کے متعلق گذشتہ صفحات میں امام رازی کی تفسیر سے اس تشریح کے بعد یہ دو پہاڑ جنکے درمیان سد واقع ہے ”قفقاز میں ہے“ ہم ابن خرداد کی کتاب المسالک کا یہ حوالہ نقل کر چکے ہیں کہ واثق باللہ نے جب اپنے خواب کی تعبیر کے پیش نظر سد، ذوالقرنین کی تحقیق کے لیے تحقیقاتی وفد (ریسرچ کمیشن) مقرر کیا اور اس نے باب الالباب (در بند) سے آگے چل کر جب اس کا مشاہدہ کیا ہے تو یہ تصریح کی ہے کہ یہ دیوار تمام کی تمام لوہے اور پگھلے ہوئے تانبے سے بنائی گئی ہے، اصل الفاظ یہ ہیں: ان ابو الاعمق باللہ رای فی اتمام کاتبه فتح هذا الروم فبعث الخدم اللہ لہانو فخر جو من باب الالباب حتی وصلوا اللہ و شاہدہ فوصفو انه بنائق لبن من حديد شدود بالخاص الحذاب و علیہ باب تعفل

پس جب کہ آج کے مشاہدہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ داریال کا یہ درہ پہاڑوں کی دو چوٹیوں کے درمیان گھرا ہوا ہے اور تاریخی حقائق بھی اس کو تسلیم کرتے اور واضح کرتے ہیں۔ نیز واثق باللہ کے کمیشن نے اپنا یہ مشاہدہ بیان کیا ہے کہ یہ دیوار لوہے سے اور پگھلے ہوئے تانبے سے تیار کی گئی ہے، بلاشبہ یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ یہی دیوار سد ذوالقرنین ہے جس کا ذکر قرآن عزیز نے سورہ کہف میں کیا ہے کیوں کہ قرآن عزیز کے بتائے ہوئے دونوں وصف صرف اسی دیوار پر منطبق ہوتے ہیں، اسی لیے وہب، ابو حیان، ابن خرداد، علامہ انور شاہ اور مولانا آزاد جیسے محققین کی یہی رائے ہے، کہ سد ذوالقرنین قفقاز کے اسی درہ کی سد کا نام ہے۔

ان تصریحات کے بعد اب ہم کو کہنے دیجیے کہ درہ داریال کی یہ سد سائرس (گورش یا کخسرو)



کی تعمیر کردہ ہے اور جیسا کہ ہم یا جوج و ماجوج کی بحث میں بیان کر چکے ہیں، یہ ان وحشی قبائل کے لیے اس نے بنائی تھی جو کاکیشیا کے انتہائی علاقوں سے آکر اور اس درہ میں سے گذر کر قفقاز کے پہاڑوں کے اس طرف بسنے والوں پر لوٹ مار مچاتے تھے اور یہ وہی سنہنہین قبائل تھے جو سائرس کے زمانہ میں حملہ آور ہو رہے تھے اور اس وقت کے یا جوج و ماجوج کا مصداق یہی قبائل تھے اور ان ہی کی روک تھام کی ضرورت سے سائرس نے ایک قوم کی شکایت پر یہ ”سد“ تیار کی اور ارمینی نوشتوں میں اس سد کا جو قدیم نام ”پھاک کورائی“ (کور کا درہ) لکھا چلا آتا ہے، اس کور سے مراد غالباً گورس ہے جو سائرس ہی کا فارسی نام ہے۔

اور اس کے قریب در بند (بحر خزر) کی دیوار اس کے بعد اسی غرض سے کسی دوسرے بادشاہ نے بنوائی ہے اور نوشیرواں نے اپنے زمانہ میں اس کو دوبارہ صاف اور درست کرایا ہے جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے حوالہ سے ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

اور ان تینوں دیواروں (سد) میں سے سکندر کی بنائی ہوئی کوئی ایک سد بھی نہیں ہے اس لیے کہ سکندر کی فتوحات کی تاریخ جو کہ سامنے ہے اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سکندر کو اس غرض کے لیے کسی سد قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی ہو کیوں کہ اس کی حکومت کے سارے دور میں یا جوج و ماجوج قبائل کا کوئی حملہ تاریخ میں موجود نہیں ہے اور نہ در بند (حصار) تک پہنچنے پر کسی قوم کا اس قسم کے وحشی قبائل سے دوچار ہونا اور سکندر سے اس کی شکایت کرنا تاریخی حقائق میں کہیں نظر آتا ہے۔

البتہ یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ آخر در بند (بحر قزوین یا بحر خزر) کی دیوار کے متعلق سد سکندری کیوں مشہور ہو اس مسئلہ کے تمام حقائق کو پیش نظر رکھنے کے بعد با آسانی اس کا یہ حل سمجھ میں آجاتا ہے کہ چونکہ اس مسئلہ کا تعلق یہود کی مذہبی روایات سے بہت زیادہ وابستہ ہے اور اسی لیے یہود کے سوال پر قرآن عزیز نے بھی اس کا ذکر کیا ہے تو اس بدعت اور غلط انتساب کی ابتدا بھی وہیں سے ہوئی ہے اور سب سے پہلے جوزیفس نے اس کے متعلق یہ بلا دلیل بیان کیا کہ یہ سد سکندری ہے اور وہیں سے یہ روایت چل گئی اور مورخین اسلام میں سے محمد بن اسحاق نے بھی چونکہ سکندر یونانی کو ذوالقرنین بتایا اس لیے مسلمانوں نے بھی اس سد کو سد سکندری کہنا شروع کر دیا اور آخر کار اس انتساب نے شہرت حاصل کر لی۔

مذکورہ بالا سد کے متعلق اگرچہ اکثر عرب مورخین یہی کہتے جاتے ہیں کہ وہ نوشیرواں کی بنائی ہوئی ہے مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ اس کے بانی کا صحیح علم حاصل نہیں ہو سکا البتہ تاریخی قیاسات سے



یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید اس کی مرمت اور درستی نوشیرواں نے اپنے زمانہ میں کرائی ہو اور اسی وجہ سے وہ نوشیرواں کی جانب منسوب کر دی گئی ہو۔

بہر حال یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس سد کو سد سکندری کہنا ایک افواہی انتساب سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا نیز سکندر مقدونی جو انگریزی تاریخوں میں گریٹ الیگزینڈر کہا جاتا ہے، کسی طرح ذوالقرنین نہیں ہو سکتا اور نہ سد ذوالقرنین سے اس کا کوئی تعلق ہے  
یا جوج و ماجوج کا خروج:

ذوالقرنین یا جوج و ماجوج اور سد کی بحث کے بعد سب سے زیادہ اہم مسئلہ یا جوج و ماجوج کے اس خروج کا ہے جس کا ذکر قرآن عزیز نے کیا ہے اور اس مسئلہ کی اہمیت اس لیے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس مسئلہ کا تعلق علاماتِ قیامت سے ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ خروج یا جوج و ماجوج کا مسئلہ کہ جس کی خبر قرآن عزیز نے بطور پیشین گوئی کی ہے ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ جس کو محض ظنی قیاسات سے حاصل کر لیا جائے اور جب کہ اس مسئلہ کا تعلق قرآن عزیز کے ”اخبارِ مغیبات“ سے ہے تو پھر اس کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق بھی قرآن عزیز ہی کو پہنچتا ہے نہ کہ ظن و تخمین کو، قرآن عزیز نے اس واقعہ کو سورہ کہف اور سورہ انبیاء میں بیان کیا ہے اور اس مسئلہ سے متعلق جو کچھ بھی ہے وہ صرف ان دو صورتوں میں مذکور ہے۔

سورہ کہف میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے:

پس نہیں طاقت رکھتے وہ (یا جوج و ماجوج) اس سد پر چڑھنے کی اور نہ وہ اس میں سوراخ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں (ذوالقرنین) نے کہا یہ میرے پروردگار کی رحمت ہے، پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو اس کو گرا کر ریزہ ریزہ کر دیگا اور میرے پروردگار کی فرمائی ہوئی بات سچ ہے۔  
سورہ انبیاء میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

یہاں تک کہ جب کھول دیے جائیں گے یا جوج اور ماجوج اور وہ زمین کی بلندیوں سے دوڑتے ہوئے اتر آئیں گے اور خدا کا سچا وعدہ قریب آجائے تو اس وقت اچانک ایسا ہوگا کہ جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور پکارا ٹھینگے، ہائے کسختی ہماری کہ ہم بے خبر رہے۔  
ان دونوں مقامات میں قرآن عزیز نے یہ تو بتایا ہے کہ جس زمانہ میں ذوالقرنین نے یا جوج و ماجوج پر سد قائم کی تو اس کے استحکام کی یہ حالت تھی کہ یہ قومیں نہ اس کو پھاند کر اس جانب آسکتی تھیں اور نہ اس میں سوراخ پیدا کر کے اس کو عبور کر سکتی تھیں اور اس سد کی اس مضبوطی اور پائنداری کو دیکھ کر







وہ بہت سرعت کے ساتھ بلندیوں پستی کی جانب فساد پنا کرنے کے لیے امنڈ پڑینگے اور اس جگہ سد کا اور سد کے ریزہ ریزہ ہو کر اس سے یاجوج و ماجوج کے نکلنے کا قطعاً کوئی تذکرہ نہیں ہے اور لفظ ”فُتِحَتْ“ سے ایسا سمجھنا محض قیاسی و تخمینی ہے جیسا کہ عن قریب واضح ہوگا۔ پس سورہ کہف اور سورہ انبیاء دونوں میں اس واقع سے متعلق آیات کا صاف اور سادہ مطلب یہ ہے کہ سورہ کہف میں تو پہلے اس واقع کی تفصیلات سنائی گئی ہیں جنکے متعلق یہود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست یا مشرکین مکہ کے واسطہ سے سوال کیا تھا کہ ذوالقرنین کی شخصیت کے متعلق اگر کوئی علم رکھتے ہو تو اس کو ظاہر کرو۔ قرآن عزیز یعنی وحی الہی نے ان کو بتایا کہ ذوالقرنین ایک نیک اور صالح بادشاہ تھا، اس نے تین مہینوں قابل ذکر سرکیں، ایک مشرق اقصیٰ کی اور دوسری مغرب اقصیٰ کی اور تیسری شمال کی جانب اور اس تیسری مہم میں اس کو ایک ایسی قوم سے سابقہ ہوا جس نے یاجوج و ماجوج کی تباہ کاریوں کا شکوہ کرتے ہوئے اپنے اور ان کے درمیان سد قائم کر دینے کا مطالبہ کیا، ذوالقرنین نے ان کے مطالبہ کو اس طرح پورا کیا کہ اس جانب وہ جس درہ سے نکل کر حملہ آور ہوا کرتے تھے اس کو لوہے کی تختیوں اور پگھلے ہوئے تانبے سے بند کر دیا۔ اور دو پہاڑوں کے درمیان درہ پر ایک بہترین سد قائم کر دی اور ساتھ ہی شکر خدا بجا لاتے ہوئے اس نے یہ بھی ظاہر کیا کہ یہ سد اس قدر مستحکم اور مضبوط ہے کہ اب یاجوج و ماجوج نہ اس میں سوراخ کر سکیں گے اور نہ اس پر چڑھ کر ادھر آسکیں گے، لیکن میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ سد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی طرح رہیگی بلکہ خدا کو جب تک منظور ہے یہ اسی طرح قائم ہے اور وہ چاہے گا کہ یہ روک باقی نہ رہے تو یہ ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور خدا کا ”یعنی ہر شے کی طرح سد کا بھی فنا ہو جانا“ پورا ہی ہو کر رہے گا

یہود نے چونکہ صرف ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا تھا اس لیے سورہ کہف میں اسی کے متعلق تفصیل سے بتایا گیا اور یاجوج و ماجوج کا محض ضمنی تذکرہ آ گیا اور سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ مشرکین کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو بستیاں ہلاک کر دی گئیں، اب ان کے باشندے دنیا میں زندہ نہیں واپس آئیں گے، ہاں جب قیامت آجائے گی اور وہ جب آئے گی کہ اس سے پہلے یاجوج و ماجوج کا فتنہ پیش آئے گا، تب البتہ میدان حشر میں سب دوبارہ زندہ کر کے رب العالمین کے سامنے جواب دہ ہونے کے لیے جمع کیے جائینگے۔

پھر چونکہ اس جگہ یاجوج و ماجوج کے خروج کو قیامت کی علامت بیان کر کے اہمیت دی گئی ہے اس لیے اس کے نکلنے کو سد کے ٹوٹنے اور ریزہ ریزہ ہونے کے ساتھ مقید نہیں کیا بلکہ سرے سے







قیامت میں سے شمار کیا جائے اور شاید ذوالقرنین کو یہ علم بھی نہ ہو کہ اشراطِ ساعت میں سے خروج یا جوج ماجوج بھی ہے اور اس نے ”وعد ربی“ سے صرف اس کا کسی وقت میں ٹوٹ پھوٹ جانا مراد لیا ہو پس اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ”ہم نے کر چھوڑا ان کو اس دن سے اس حالت میں کہ بعض بعض پر امنڈ رہے ہیں استمرارِ تجدیدی پر دلالت کرتا ہے یعنی برابر ایسا ہوتا رہے گا کہ ان میں سے بعض قبائل بعض پر حملہ آور ہوتے رہینگے حتیٰ کہ خروج موعود کا کا وقت آجائے ہاں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد جو کہ سورہ انبیاء میں ہے۔ حتیٰ اذا فتحت توالبۃ یہ بلاشبہ علاماتِ قیامت میں سے ہے لیکن اس میں سد کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے پس اس فرق کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔

اور پھر اس کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہوئے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں:-

میں نے ان آیات کی تفسیر میں جو کچھ کہا، وہ قرآن میں تاویل نہیں ہے بلکہ قرآنِ عزیز کے کسی لفظ کو اس کے اپنے موضوع سے نکالے بغیر تاریخ اور تجربہ کے پیش نظر مزید اظہارِ حال ہے۔ عام مفسرین نے بیان کردہ تفسیر سے الگ سورہ کہف اور انبیاء دونوں کی آیات متعلقہ کے واقعات کو اشراطِ ساعت میں شمار کرتے ہوئے جو تفسیر فرمائی ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سامنے ترمذی اور مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے اور جس کا ترجمہ یہ ہے:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا جوج و ماجوج روزانہ ذوالقرنین کی سد کو کھودتے رہتے ہیں اور جب سورج غروب کا وقت قریب ہو جاتا ہے تو آپس میں کہتے ہیں کہ اب کام ختم کرو اب یہ اس قابل ہوگئی ہے کہ کل تم اس کو کھود کر گراسکو گے، مگر جب اگلے روز وہ پھر اس کام پر واپس آتے ہیں تو سد کو اصلی حالت سے بھی زیادہ مضبوط اور مستحکم پاتے ہیں، یہ اسی طرح ہوتا رہتا ہے مگر جب انکی معین مدت کا وقت پورا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوگا کہ اب وہ انسانی دنیا پر چھا جائیں تو اس روز بھی سابق کی طرح اس کو کھودیں گے اور جب سورج غروب کا وقت قریب ہوگا تو کام لینے والے کام کرنے والوں سے کہیں گے اب واپس جاؤ کل انشاء اللہ اس کو کھود کر برابر کراسکو گے، اور آج چونکہ انشاء اللہ کہہ دیا اس لیے جب واپس آئیں گے تو اپنی محنت کو درست پائیں گے اور اس وقت وہ باقی محنت کر کے سد کو گرا دیں گے اور لوگوں پر نکل پڑیں گے اور تمام روئے زمین کا پانی پی جائیں گے اور لوگ ان کے خوف سے قلعوں اور پناہ گاہوں میں چھپ جائیں گے اور پھر وہ دنیا کو مغلوب سمجھ کر آسمان پر تیر پھینکیں گے کہ خدا اور عالم بالا سے جنگ کر کے اس کو بھی مغلوب کریں، اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلود



کر کے واپس کرے گا تو وہ سمجھیں گے کہ ہم عالمِ بالا پر بھی غالب آگئے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی گردن میں گلٹیاں پیدا کر دیگا جس سے وہ خود بخود مر جائیں گے (ترمذی و سورہ کہف)

مگر ترمذی نے اس حدیث کو بیان کر کے حدیث کی حیثیت پر یہ حکم لگایا ہے کہ: ”یہ حدیث حسن غریب ہے اور ہم اسی طریقہ سند سے ایسی ہی اچنبھی باتیں جانا کرتے ہیں۔“

یعنی ان کے نزدیک یہ روایت اپنے اعتبار سے منکر اور اچنبھی روایت ہے اور حافظ عماد الدین ابن کثیر اس روایت کو نقل کر کیا اس پر یہ حکم لگا دیتے ہیں:

اس حدیث میں مضمون کے لحاظ سے نکارت (اچنبھا) ہے اور اس کو مرفوع کہنا یعنی رسول اللہ سے نقل کرنا غلط ہے، اصل بات یہ ہے کہ ٹھیک اسی قسم کی ایک اسرائیلی کہانی کعب احبار سے منقول ہے اور اس میں بھی یہ سب باتیں اسی طرح مذکور ہیں، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے جو کہ اکثر کعب احبار سے اسرائیلی قصے سنا کرتے تھے اس کو ایک اسرائیلی کہانی کے طور پر بیان کیا ہوگا، جس کو نیچے کے راوی نے یہ سمجھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، درحقیقت یہ راوی کا وہم ہے اور کچھ نہیں ہے۔

اس حدیث کے متعلق میں نے یہ جو کچھ کہا ہے میرا اپنا خیال ہی نہیں ہے بلکہ امام حدیث احمد بن حنبل بھی یہی فرماتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۰۵)

ترمذی، ابن کثیر اور امام احمد کی ان تصریحات کے بعد اس روایت کی حیثیت ایک اسرائیلی قصہ سے زیادہ نہیں رہ جاتی، لہذا مفسرین کا محض اس روایت کی بنا پر سورہ کہف کی زیر بحث آیات کی یہ تفسیر کرنا کہ سد ذوالقرنین ٹھیک اس وقت ریزہ ریزہ ہوگی جب کہ اشراطِ ساعت میں سے موعود خروج یا جوج و ماجوج پیش آئے گا صحیح نہیں ہے۔

اور اگر ان کی تفسیر کا یہ حصہ صحیح مان لیا جائے تو بھی وہ مذکورہ بالا روایت کے تسلیم کر لینے کے بعد قرآن عزیز کی آیت کے تعارض سے سبک دوش نہیں ہو سکتے اس لیے کہ قرآن عزیز (کہف) میں سد کے متعلق ذوالقرنین کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے صما استطاعوا ان یظہروہ وما استطاعوا له نقباً اور اس کا مطلب تمام مفسرین نے بالاتفاق یہ بیان کیا ہے کہ یا جوج و ماجوج اس سد میں کسی قسم کے رد و بدل پر قادر نہیں ہیں چنانچہ امام احمد اور ابن کثیر اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

”بلاشبہ اب یعنی بناء سد کے وقت یا جوج و ماجوج اس میں سوراخ کرنے یا اس کے کسی حصہ کو بھی کھودنے پر قادر نہیں رہے۔“



تو اب مفسرین اس روایت کے ان جملوں کے تعارض کو کس طرح دور فرمائیں گے جن میں یہ صراحت ہے کہ وہ اس کو کھود کر یا چاٹ کر گرنے کے قریب کر دیتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ صحیح حدیث کے تعارض کو کس طور پر دور کر دینگے جن کو امام بخاری نے بسند صحیح روایت کیا ہے:

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوابِ راحت سے بیدار ہوئے تو یہ حالت تھی کہ چہرہ مبارک سرخ تھا اور یہ ارشاد فرما رہے تھے۔

لا الہ الا اللہ عرب کے لیے ہلاکت ہے اس شر سے جو قریب آرہا ہے، آج یا جوج و ما جوج پر قائم شدہ سد اس پر کھول دی گئی ہے اور انگوٹھے پر انگلی رکھ کر اور گول حلقہ بنا کر دکھایا۔ حضرت زینب بنت جحش فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم ایسی حالت میں ہلاک ہو جائیں گے جب کہ ہم میں صالحین امت بھی موجود ہوں گے، ارشاد فرمایا بیشک ایسا ہوگا اگر امت میں خباثت کی کثرت ہو جائے گی۔ (بخاری و مسلم عن الزہری باب الفتن)

اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”سد میں حلقہ انگشت کی مقدار سوراخ ہو گیا ہے اور مفسرین کی اس تفسیر کے مطابق قیامت کے موعود وقت سے قبل ناممکن ہے۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ اس صحیح بلکہ اصح روایت میں ”فتح“ سے مراد شر اور فتنوں کا شیوہ ہے اور اس کو استعارہ کے طور پر فتح روم کہہ دیا گیا تو سورہ انبیاء کی آیت میں ”فتح“ کے معنی میں یہ اصرار کیوں ہے کہ اس سے سد ٹوٹ کر کھلنا مراد ہے حالانکہ اس جگہ روم یا سد کا تذکرہ تک نہیں اور کیوں نہ اس سے بھی استعارہ مراد لیا جائے اور کیوں وہ تفسیر نہ کی جائے جو ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

اور اگر حدیث میں حقیقی نقب کا ذکر ہے تو یہ سورہ کہف کی اس تفسیر کے خلاف اور معارض ہے جو مفسرین نے عام طور پر بیان کی ہے کہ سد کا یہ استحکام قیامت کے موعود وقت تک یوں ہی رہے گا اور سد کا اس سے قبل ٹوٹنا پھوٹنا ناممکن ہے۔

لیکن عام تفسیر کے برعکس اگر حضرت انور شاہ صاحب کی تفسیر کے مطابق ان دونوں مقامات کی تفسیر کی جائے جس کی فی الجملہ تائید امام احمد اور محدث ابن کثیر کے اقوال سے بھی ہوتی ہے تو یہ سب مشکلات خود بخود دور ہو جاتی ہیں اور آیات کا مطلب اور حدیث کا مقصد با آسانی سمجھ میں آجاتا ہے چنانچہ ابن کثیر آیت ”-----“ کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:



یعنی وہ (یا جوج و ما جوج) اس زمانہ میں سد کے متعلق ہر قسم کے رد و بدل سے بے بس ہو گئے ہیں اس لیے کہ استطاعو کا صیغہ زمانہ ماضی کی اطلاع کے لیے وضع کیا گیا ہے پس اس آیت میں اس بات کی ہرگز نفی نہیں نکلتی کہ زمانہ مستقبل میں اللہ تعالیٰ ان کو اس پر قدرت دیں گے کہ وہ آہستہ آہستہ تدریجی طور پر اس سد کو توڑ پھوڑ ڈالیں تاکہ وہ وقت موعود آ پہنچے جس کی خبر سورہ انبیاء میں دی گئی اور امر مقدر پورا ہو جائے اور تب وہ یک لخت یلغار کر کے اس طرح نکل پڑیں گے جس طرح سورہ انبیاء کی اس آیت میں خبر دی گئی ہے۔

غرض اس عبارت کا مفہوم بھی وہی ہے جو حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے منقول ہو چکا ہے اور بغیر کسی تعمیل کے آیت و استطاعو الایہ کا صاف طور پر یہی مطلب متعین کیا جاتا ہے کہ یہ ذوالقرنین کے زمانہ کی کیفیت خود انھیں کی زبانی بیان ہو رہی ہے یہ مطلب کسی طرح بھی نہیں ہے کہ ذوالقرنین کی سد یا جوج و ما جوج کے خروج موعود سے پہلے ٹوٹ ہی نہیں سکتی۔

اور یہ مطلب ہو بھی کیسے سکتا جب کہ یا جوج و ما جوج صرف ایک اس درہ سے ہی نکل کر غارت گری نہیں کرتے تھے بلکہ کاکیشیا کے اس کونہ سے چین کے علاقہ منچور یہ تک ان کے خروج کے بہت سے مقامات تھے پس اگر ان کے لیے سد ذوالقرنین نے درہ داریال کی راہ ہمیشہ کے لیے مسدود کر دی تھی تو دوسرے مقامات سے ان کا خروج کیوں نہیں ہو سکتا تھا؟

اسی لیے حضرت شاہ صاحب نے آیت وتر کنا بعفہم یومید عوج فی بعض کی تفسیر یہ کی ہے کہ ذوالقرنین کے اس واقعہ میں چونکہ یا جوج و ما جوج پر اس جانب سے روک قائم ہو جانے کا تذکرہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے مقولہ کے بعد اپنی جانب سے اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اے مخاطبین تم جن یا جوج و ما جوج قبائل کے متعلق یہ باتیں سن رہے ہو یہ بھی سن لو کہ ہم نے ان قبائل کے لیے یہ مقرر کر دیا ہے کہ وہ آپس میں الجھتے رہیں گے اور موج در موج با ہم دست گریباں ہوتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ وقت آجائے جب کہ قیامت پنا ہونے میں نفخ صور کے علاوہ اور کوئی مرحلہ باقی نہ رہے اور سورہ انبیاء میں یہ ارشاد فرمایا کہ نفخ صور سے پہلے قیامت کی اشراط و علامات میں سے ایک شرط علامت یہ پیش آئے گی کہ یا جوج و ما جوج کے تمام قبائل اپنے نکلنے کے ہر مقام سے ایک ساتھ اٹھ آئیں گے اور دنیا کی عام غارت گری کے لیے اپنی مقامی بلند یوں سے تیزی کے ساتھ اترتے ہوئے کائنات کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائیں گے من کل حدب نسلوں "الحدب" لغت میں اوپر سے نیچے جھکنے کو کہتے ہیں اس لیے "حدب" کے معنی اونچے مقام سے نیچے اترنے کے ہوتے



ہیں اور ”نسلان“ عربی لغت میں پھسلنے کو کہتے ہیں اس لیے ”نسلون“ کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اس سرعت کے ساتھ اٹھائیں گے کہ یہ معلوم ہوگا گو یہ وہ کسی ٹیلے سے پھسل رہے ہیں چنانچہ مفردات امام راغب اور نہایہ ابن اثیر میں ”حدب“ اور ”نسل و نسلان“ کی بحث میں یہی لغوی تفصیل مذکور ہے۔

لہذا اس تفسیر سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن عزیز نے یا جوج و ماجوج کے خروج موعود کی کیفیت بیان فرمائی ہے وہ ان ہی قبائل پر منطبق ہوتی ہے جو بحر کا سین سے لیکر منچور یہ تک پھیلے ہوئے ہیں اور جو دنیا کی بہت بڑی آبادی کے محور ہیں اور جائے وقوع کے اعتبار سے عام سطح آبادی سے اس قدر بلند حصہ زمین پر مقیم ہیں کہ جب کبھی نکل کر متمدن اقوام پر حملہ آور ہوتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا اوپر سے نیچے کو پھسل رہے ہیں پس آئندہ بھی جب شرائط ساعت کی شکل میں ان کا آخری خروج ہوگا تو ان کے تمام قبائل کا سیلاب ایک ہی دفع اٹھ آئے گا اور ایسا معلوم ہوگا کہ انسانوں کے سمندر کا بند ٹوٹ گیا اور وہ اپنے مقامات کی ہر بلندی سے نیچے کی جانب بہہ پڑا ہے۔

قرآن عزیز کی آیات زیر بحث کی یہ تفسیر، الفاظ و جملوں کو ان کے لغوی معنی سے ادھر ادھر ہٹائے اور ان میں تاویل کیے بغیر، اس قدر لطیف ہے کہ جس سے وہ بہت سے شکوک و شبہات یک قلم دفع ہو جاتے ہیں جو اس سلسلہ میں مفسرین کو پیش آئے ہیں اور ان کو حل کرنے کے لیے غیر جاذب تاویلات کرنی پڑی ہیں نیز مدعیان نبوت کو ان تاویلات سے فائدہ اٹھا کر الحاد و زندقہ پھیلانے کا موقع میسر آ گیا ہے

سورہ کہف اور سورہ انبیاء کی آیات کی اس تفسیر کے بعد اب حدیث بخاری کا مرحلہ باقی رہ جاتا ہے کہ اس کی کیا مراد ہے؟ تو حدیث ”وئیل للعرب من شرّ قد اقترب“ اس بات پر تو صاف دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رویا میں ”جو نبی کے لیے وحی کی طرح صحیح اور حجت ہوتا ہے“ یہ دکھایا گیا کہ سد یا جوج و ماجوج میں رخنہ پڑ جانے سے ایسا سخت حادثہ پیش آنے والا ہے جو عرب کے لیے ہولناک ثابت ہوگا لیکن یہ بات پوری طرح وضاحت کے ساتھ سامنے نہ آسکی کہ ”فتح روم یا جوج و ماجوج“ میں لفظ ”فتح“ سے حقیقی معنی مراد ہیں کہ واقعی یا جوج و ماجوج کی سد میں سے انگوٹھے اور انگلی کے بنائے ہوئے حلقہ کی مقدار میں شکاف ہو گیا ہے یا پیشین گوئیوں کی طرح اس پیشین گوئی میں بھی ”فتح“ اور ”حلق تسعین“ کو استعارہ کی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ اس جملہ کا پہلے جملہ ”ویل للعرب“ سے کوئی ربط ہے یا یہ الگ الگ دو مستقل باتیں ہیں اور دونوں کو ملا دیا گیا ہے۔

ان دونوں مسلوں کے متعلق اہل تحقیق کی رائے مختلف ہے اور چونکہ اس روایہ صادقہ کی



تعبیر خود ذات اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار سے بسند صحیح منقول نہیں ہے اس لیے محدثین اور ارباب سیر نے یہ کوشش فرمائی ہے کہ وہ اس حدیث کی مصداق کو تقریبی طور پر متعین فرمائیں۔

شیخ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ ”ویل للعرب“ کے جملہ میں ان شرور و فتن کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جو آپ کی وفات کے بعد ہی امت میں رونما ہونے شروع ہو گئے اور جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت میں سب سے پہلے عرب (قریشی رعب) کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور جن کی ہلاکتوں کا پہلا شکار اہل عرب ہی ہوئے اور بعد میں ان کا اثرات تمام امت مرحومہ پر پڑے۔

اور روم (سد) میں اور انگوٹھے کے بنائے ہوئے حلقہ کی مقدار رخنہ پیدا ہو جانے کا ذکر تقریبی ہے یعنی یہ مقصد نہیں ہے کہ واقعی اتنا چھوٹا سا رخنہ پڑ گیا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ سد ذوالقرنین کے استحکامات کی مدت ختم ہو گئی اور اب اس میں رخنہ پرنے کی ابتداء ہو چلی ہے گو یہ اب وہ آہستہ آہستہ شکست و ریخت ہو جائے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی بھی قریب قریب یہی فرماتے ہیں، لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کی جانب اشارہ ہے جو رویاء صادقہ کے بعد قتل عثمان عفی اللہ عنہ کی شکل میں ظاہر ہوا اور پھر متواتر فتن اور شرور کا سلسلہ جاری ہو گیا جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب (قریشی حکومت) تمام اقوام کے لیے ایسے ہو گئے جیسا کہ کھانے کے پیالے پر کھانے والے جمع ہو جاتے ہیں چنانچہ ایک حدیث میں اس تشبیہ کا ذکر بھی موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

”وہ زمانہ قریب ہے کہ تم پر قومیں اس طرح ایک دوسرے کو دعوت دیں گی جس طرح کھانے کے بڑے پیالہ پر کھانے والے ایک دوسرے کو دعوت دیتے ہیں۔“ (فتح الباری - ج ۱۳ ص ۹۱)

قرطبی کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مخاطب عرب ہی ہیں اور رفتہ رفتہ سد کے متعلق دونوں محدثین کا رجحان اسی جانب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حقیقی رخنہ مراد نہیں ہے بلکہ یہ ایک تشبیہ ہے۔

ان ہر دو محدثین کی تفصیلات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ”ویل للعرب“ والا جملہ جو شرور و فتن سے متعلق ہے اور ”فتح روم“ کے جملہ میں ایک ہی بات بیان کی گئی ہے اور یہ دونوں جملے اس طرح آپس میں مربوط ہیں کہ دونوں کو ایک ہی حادثہ سے متعلق سمجھا جائے۔

اور حافظ عماد الدین ابن کثیر اس بارے میں کوئی فیصلہ کن رائے نہیں رکھتے اور متردد ہیں کہ



زیر بحث حدیث ”فتح من ردم یا جوج و ما جوج“ میں فتح سے حقیقی فتح (کھل جانا) مراد ہے یا استعارہ ہے کسی آئیندہ ایسے حادثہ سے جو یا جوج و ما جوج کے ہاتھوں پیش آنے والا ہے اور جس کا اثر براہ راست عرب (حکومت قریش) پر پڑیگا۔ لیکن کرمانی شارح بخاری بعض علماء سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اس پوری حدیث کو ایک ہی معاملہ سے متعلق سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس میں یا جوج و ما جوج کے ایسے حادثہ کا ذکر کیا گیا ہے جس کا ظہور قیامت کی علامت سے جدا درمیانی وقفہ میں پیش آنے والا ہے اور جو باعث ہوگا عرب کے زوال کا اور ”فتح ردم“ استعارہ ہے اس بات سے کہ جو حادثہ آئیندہ رونما ہونے والا ہے اس کی ابتدا ہوگئی ہے اور یہ وہ حادثہ تھا جو مستعصم باللہ خلیفہ عباسی کے زمانہ میں ”فتنہ تاتار کے نام سے برپا ہوا اور جس نے عرب طاقت کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔ (اس کی تفصیلات اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں موجود ہیں)۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یا جوج و ما جوج قبائل کی اس تاخت و تاراج کے بعد جس کا ذکر ذوالقرنین کے واقعہ کے ضمن میں آیا ہے تاریخ میں ان قبائل کا پھر کوئی یادگار حملہ مذکور نہیں ہے البتہ ساتویں صدی عیسوی میں ان کے لیے ذوالقرنین کی یہ روک بیکار ہوگئی اور انہوں نے بحر خزر اور بحر اسود کے اس درہ کے علاوہ جوان پر بند کر دیا گیا تھا بحیرہ یورال اور بحر خزر کا درمیانی راستہ پالیا، نیز ادھر سد ذوالقرنین کے استحکامات میں بھی فرق آنا شروع ہو گیا تھا اور اس طرح ذوالقرنین کے بعد اب یا جوج و ما جوج کے ایک نئے فتنہ کا آغاز ہو چلا تھا اور صدیوں سے ان خاموش قبائل فتنہ جو میں پھر حرکت شروع ہوگئی تھی۔

لہذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رد یا تصادقہ میں یہ دکھا دیا گیا کہ اگرچہ ابھی وقت دور ہے جبکہ قیامت کے قریب تمام قبائل یا جوج و ما جوج عالم انسانیت پر چھائیں گے لیکن وہ وقت قریب ہے جبکہ ذوالقرنین کے بعد انکا ایک اہم خروج پھر ہوگا اور وہ عرب کی طاقت اور فرماں روائی کی بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا، اور اسی خروج کو اس طرح حسی طور پر دکھایا گیا کہ گویا (سد) دیوار میں ایک چھوٹا سا سوراخ ہو گیا ہے اور آہستہ آہستہ وہ دیوار گر کر منہدم ہو جانے والی ہے۔

چنانچہ زمانہ نبوی میں یہ وہ وقت تھا کہ ان قبائل میں سے چند منگولین قبائل نے اپنے مرکز سے نکل کر قرب و جوار میں پھیلنا اور چھوٹے چھوٹے حملے کرنا شروع کر دیے تھے اور آخر کار چھٹی صدی ہجری میں چنگیز خان انکا قائد بن گیا اور اس نے منتشر قبائل کو ایک جگہ جمع کرنا شروع کیا اور پھر اس کے بیٹے اوکتائی خاں نے ایک بے پناہ طاقت کے ساتھ اٹھ کر مغرب و جنوب پر حملہ کر دیا اور ۶۸۶ء میں



آ کر ہلا کو خاں کے ہاتھوں بغداد کی عرب خلافت کا خاتمہ ہو گیا اور اس نے ”خلافتِ عربیہ“ کو تہ و بالا کر دیا۔

تویوں سمجھئے کہ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو علامات، قیامت میں سے سب سے بڑی علامت ہے یعنی آپ خاتم النبیین ہیں اور پھر بھی قیامت کے وقت میں اور ذاتِ اقدس میں کافی غیر متعین فاصلہ ہے اسی طرح یہ فتنہ تاتار بھی علامت قیامت ”خروج یا جوج و ماجوج“ کا ایک ابتدائی نشان ہے اور جس طرح خروج دجال اور قتل دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی قریبی علامات ہیں اسی طرح سورہ انبیاء میں ذکر کردہ خروج یا جوج و ماجوج بھی علامات قیامت میں سے قریبی اور آخری علامت یا آخری شرط ہے پس ”فتح روم“ میں ان کی ابتدائی حرکت کی جانب اشارہ ہے جو رویائے صادقہ کے وقت شروع ہو چکی تھی اور ”ویل العرب“ سے اس نتیجہ کا اظہار ہے جو عرب حکومت کے خاتمہ پر منتج ہوا ہے۔

لیکن شیخ بدر الدین عینی نے بخاری کے شرح، عمدۃ القاری میں کرمانی کے بیان کردہ اس قول کی تردید کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تاتاری فتنہ کا بانی چنگیز خاں اور اس کا بیٹا ہلا کو خاں تھا اور ان کو یا جوج و ماجوج میں سے سمجھنا صحیح نہیں ہے لہذا اس حدیث کا مصداق اس فتنہ کو قرار دینا بھی غلط ہے بہر حال حدیث ”ویل العرب“ کی ان مختلف توجیحات سے جب کہ یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اس روایت کے مصداق کا تعین خود حدیث سے نہیں ہوتا بلکہ محدثین نے قرآن اور الفاظ حدیث کی نشست کو پیش نظر رکھ کر اپنی جانب سے مصداق متعین کرنے کی سعی فرمائی ہے اور پھر اس میں بھی اختلاف رائے رہا ہے تو اب انہیں کے بتائے ہوئے اصول کو سامنے رکھ کر ہم بھی کچھ کہنے اور حدیث زیر بحث کے مقصد کو متعین کرنے کا حق رکھتے ہیں، اگرچہ دوسرے اقوال کی طرح وہ بھی غیر منصوص اور قابل رد قبول ہوگا

حدیث زیر بحث میں مستقبل میں پیش آنے والے جس فتنہ اور شر کی خبر دی گئی ہے اس کے دو جملے بہت اہم ہیں، ایک ”ویل العرب من شرق داقترت“ کے لیے ہلاکت ہے اس شر سے جو بلاشبہ قریب آگاہ ہے اور دوسرا ”فتح الیوم من روم یا جوج و ماجوج و حلق تسعین“ آج کے دن یا جوج و ماجوج کی سد سے انگوٹھے اور انگلی کے گول دائرہ کی مقدار میں کھول دیا گیا ہے اور ان ہر دو جملوں کے درمیان واو عطف بھی نہیں ہے۔

لہذا الفاظ حدیث پر کافی غور و خوض کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں مسطورہ بالا ہر دو اقوال کی گنجائش ہے۔ یعنی حدیث کا پہلا جملہ یہ پتہ دیتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے اہم



شرکی اطلاع دے رہے ہیں جس کا اثر یہ ہوگا کہ عرب کے لیے سخت ہلاکت کا سامنا ہوگا اور ”خلافتِ قریش“ زوال پذیر ہو جائے گی۔

اور دوسرا جملہ یا پہلے جملہ کی تائید میں پیش کیا گیا ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس امت میں جو اہم فتنے پھاہونے والے ہیں اور جن کا ابتدائی اثر یہ ہوگا کہ عرب کی ہلاکت کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ ان فتنوں کے رونما ہونے کے لیے حسی علامت اس طرح سامنے آگئی ہے کہ یا جوج و ما جوج پر بنائی ہوئی مستحکم سد ذوالقرنین میں رخنہ پڑنا شروع ہو گیا اور اس کی شکست اور ریخت ہونے لگی۔ گایا یہ رخنہ آئیندہ اسلامی طاقت یا عرب طاقت میں جلد رخنہ پڑ جانے کے لیے ایک علامت ہے چنانچہ یہ فتنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے شروع ہو کر مختلف فتنوں کے بعد چند صدیوں میں قریش کی ہلاکت و تباہی پر جا کر ٹھیرا اور اس طرح حدیث کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

پس اس شکل میں فتح روم آئیندہ فتنوں اور شروں کے پیش آنے کی ایک علامت ہے جو امتِ اسلامیہ میں پھاہو کر قربِ قیامت میں موعود خروج یا جوج و ما جوج پر جا کر ختم ہو جائیں گے اور اس کے بعد دنیا کے درہم و برہم ہو جانے سے قیامت ہو جائے گی۔

یایوں کہیے کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کی صرف تائید ہی نہیں ہے بلکہ اس کی تفسیر ہے اور پہلا جملہ درحقیقت نتیجہ اور ثمرہ ہے دوسرے جملہ کا، اور مطلب یہ ہے کہ عرب (قریشی حکومت) کی ہلاکت کا وقت آ پہنچا۔ گویا جوج و ما جوج کا وہ بند جو ذوالقرنین نے بہت مستحکم باندھا تھا اس میں اب رخنہ پڑ گیا اور معنی اس میں شکست و ریخت شروع ہوگئی اور یہ تمہید ہے اس فتنہ کی جو اسی جانب سے اٹھے گا اور قریشی حکومت کا خاتمہ کر دیگا۔

پس اس تعبیر کے لحاظ سے تا تاری فتنہ کی وہ تاریخ سامنے لائی جائے گی جو گذشتہ صفحات میں پیش کی گئی ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح حدیث کی بیان کردہ پیشین گوئی کے مطابق اس فتنہ کی ابتداء دو در رسالت سے شروع ہوگئی تھی اور پھر کس طرح وہ خلیفہ عباسی مستعصم باللہ کے دور حکومت میں قریشی حکومت کے استیصال کا باعث ہوئی۔

پس اگر ان دونوں جملوں کے درمیان جو ربط اور تعلق ہے اس میں اس قدر وسعت تسلیم کر لی جائے کہ وہ محدثین کی بتائی ہوئی توجیہ ”یعنی اہم شرور و فتنہ کا شیوع اور کرمانی کا بیان کردہ ایک قول کے مطابق توجیہ“ یعنی فتنہ تا تار کا وجود، ان دونوں توجیہات کو حاوی ہو سکے تو ایسا تسلیم کر لینے میں نہ شرعی قباحت لازم آتی ہے اور نہ تاریخی اور زری بحث حدیث کا مصداق بہت زیادہ فہم کے قریب آجاتا ہے۔







اور مقرر ہو چکا ہے ہر ایک ایسی بستی پر کہ جس کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے کہ اس کے بسنے والے واپس نہ ہونگے یہاں تک کہ کھول دیے جائیں یا جوج و ماجوج اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے اٹھ پڑیں اور قریب آجائے سچا وعدہ پھر اس وقت آسانی سے کھلی کی کھلی رہ جائیں آنکھیں منکروں کی اور کہیں ہائے ہماری بدبختی کہ ہم بے خبر رہے اس (قیامت) سے بلکہ ظلم و شرارت میں سرشار رہے۔

ان آیات میں آیت زیر بحث حتی اذا افتحت (الآیہ) سے پہلی آیت میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ مرنے والوں کی موت کے بعد اب ان کے لیے اس دنیا میں دوبارہ زندگی نہیں ہے اور آیت زیر بحث میں یہ کہا گیا ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی کا وقت جن علامت و آیات کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے یا جن پر متعلق کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یا جوج و ماجوج کے تمام قبائل اپنی پوری طاقت کے ساتھ بیک وقت اپنے مراکز سے نکل کر تیزی سے تمام دنیا پر چھا جائیں اور اس سے متصل آیت میں مزید یہ کہا گیا کہ پھر اس کے بعد قیامت پھا ہو جائے گی اور تمام شخص اپنی زندگی کے نیک و بد انجام دینے کے لیے میدانِ حشر میں جمع ہو جائیں گے اور ناکام اپنی ناکامی پر حسرت و پاس کرتے رہ جائیں گے۔

پس آیت زیر بحث کے سیاق و سباق میں یہ بات بخوبی واضح کر دی کہ اس مقام پر یا جوج و ماجوج کے ایک ایسے خروج کی اطلاع دی گئی ہے کہ جس کے بعد شرور و فتن کا کوئی سلسلہ بلکہ دنیا کی ہستی کا کوئی سلسلہ باقی نہیں رہ جائے گا اور صرف قیامت پھا ہو جانے یعنی نفع صور کی کی دیر باقی رہ جائے گی جو اس واقعہ کی تکمیل کے بعد عمل میں آجائے گی۔

لہذا آیت کے سیاق و سباق سے قطع نظر کرتے ہوئے اور حدیث ”ویل العرب من شر قد اقترب“ کا مصداق ”فتنہ تاتار“ کو متعین کرتے ہوئے سورہ انبیاء کی اس آیت کو آخری علامتِ ساعت سے نکال کر فتنہ تاتار پر محمول کر لینا ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ نیز جمہور سلف صالحین کی مسلمہ توجیہ کے قطعاً خلاف ہے۔

ممکن ہے کہ اس میں توجیہ کے ناقلین و قائلین ہمارے اس اعتراض کو ہم پر ہی پلٹ دیں اور یہ فرمائیں کہ اسی طرح سورہ کہف میں بھی آیت اذا جاؤ وعد ربی میں وعد سے کیوں قیامت مراد لی جائے جب کہ اس کے بعد ہی آیت نفع فی الصور موجود ہے جو بلاشبہ نفع صور تک سب کے اندر محصور اور بندر ہیں گے اور نفع صور کے قریب یک بیک سد گر جائے گی اور وہ نکل پڑیں گے۔ تو اس کے متعلق ہماری یہ گزارش ہے کہ یہ اعتراض اپنی اس تقدیر کے ساتھ ہرگز ہم پر وارد



نہیں ہوتا اس لیے کہ سورہ کہف کی ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ ان آیات میں سب سے پہلے یسئلون ذی القرنین سے شروع کر کے وکان وعد ربی حقا تک ذوالقرنین کا واقعہ بیان کیا گیا ہے یعنی آیت فاذا جاء وعد ربی حملہ دکا میں ذوالقرنین کا مقولہ نقل کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد نہیں ہے اس لیے یہاں ”وعد“ سے ”وعدہ قیامت“ مراد نہیں ہے بلکہ کسی تعمیر کی تخریب کا مقدر متعین وقت مراد ہے جس کے تعین کو ذوالقرنین نے اپنی جانب سے تخمینہ طور پر متعین کرنے کی بجائے مرد مومن اور مرد صالح کی طرح خدا کی مرضی کے حوالہ کر دیا ہے۔

اور چونکہ ذوالقرنین کے واقعہ میں ضمنی طور سے یاجوج و ماجوج کا بھی ذکر آ گیا تھا اس لیے اس کے خاتمہ پر اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بھی یاجوج و ماجوج کا مختصر ذکر فرمایا اور آیت وتر کنا بعفہم یوسید یموج فی بعض و نفخ فی الصور میں یہ بیان کی کہ جن یاجوج و ماجوج کا ذکر تم نے ابھی ذوالقرنین کے واقعہ میں سنا ان کو ہم نے شر اور فتنہ کی اس زندگی میں اس طرح کر چھوڑا ہے کہ وہ برابر فساد اور چپقلش باہمی میں مصروف رہیں گے اور یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا کہ صور پھونک دیا جائے گا اس دن وہ سب جمع کیے جائیں گے اور اس دن جہنم کافروں پر پیش کی جائے گی۔

گویا سورہ انبیاء میں تو یاجوج و ماجوج کا ذکر مستقل حیثیت رکھتا ہے اور وہاں بتانا ہی یہ منظور ہے کہ ان کا اجتماعی خروج قیامت کی آخری علامات میں سے ایک نمایاں علامت ہے، اور سورہ کہف میں ان کا تذکرہ صرف ضمنی ہے اور انکے فساد شرا انگیزی کے خصوصی واقعہ کی مناسبت سے انکی باہمی فساد انگیزیوں اور مختلف اوقات موج در موج چپقلشوں کی وارداتوں کا ذکر اس انداز میں کر دیا گیا کہ انکے موعود خروج کی جانب بھی اشارہ ہو جائے۔

غرض سورہ کہف کی زیر بحث آیات کا سیاق و سباق یعنی ان سے پہلی اور بات کی آیات کا ہر گز یہ تقاضا نہیں ہے کہ ذوالقرنین کے مقولہ اذ جاء وعد ربی حملہ دکا میں ”وعد“ سے مراد وعدہ قیامت لیا جائے اور وہ معنی بیان کیے جائیں جو معترض نے ہماری بیان کردہ سورہ انبیاء کی تفسیر کے مقابلہ میں پیش کیے ہیں۔

الحاصل جن معاصر مفسرین نے سورہ انبیاء کی زیر بحث آیات کا مصداق فتنہ تاتار کو بتایا ہے اور اس کی تائید میں بخاری کی مشہور حدیث ”ویل العرب“ من شر قد اقتراب“ کو پیش کیا ہے ان کی یہ تفسیر غلط ہے اور حدیث سے اس کی تائید قطعاً بے محل ہے بلکہ بخاری و مسلم کی دوسری صحیح احادیث جو کتاب الفتن میں مذکور ہیں اس تفسیر کے خلاف صاف صاف یہ بیان کرتی ہیں کہ علامات قیامت میں



جب آخری علامات رونما ہونگی تو پہلے حضرت عیسیٰ علیہا الصلوٰۃ والسلام کا آسمان سے نزول ہوگا اور دجال کا سخت فتنہ برپا ہوگا اور آخر کار حضرت عیسیٰ کے ہاتھوں وہ مارا جائے گا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد یا جوج و ماجوج کا موعود خروج ہوگا جو تمام دنیا پر شر و فساد کی صورت میں چھا جائے گا اور پھر کچھ وقفہ کے بعد نفتح صور ہوگا اور یہ کارخانہ دنیا درہم برہم ہو جائے گا۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ اور اسی قسم کی دوسری صحیح اور اصح روایات سے ان تینوں (جھوٹے مدعیان نبوت) کے دعووں کا بھی ابطال ہو جاتا ہے اور ان کے کذب صریح کی رسوائی آشکارہ ہو جاتی ہے جو اپنی نبوت کی صداقت کی تعمیر یہ کہہ کر تیار کرتے ہیں کہ انگریز اور روس یا جوج و ماجوج ہیں اور جب ان کا خروج ہو چکا اور وہ عالم کے اکثر حصوں پر قابض ہو چکے تو اب ”یسوع مسیح“ کی آمد ضروری ہوگی لہذا وہ موعود مسیح (عیسیٰ) ہم ہیں کیوں کہ جب شرط موجود ہے تو مشروط کیوں موجود نہ ہو۔

اسی جھوٹے مدعی نبوت کی یہ دلیل اگرچہ خود تار عنکبوت سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی اور اس لیے درخور اعتناء بھی نہیں ہے تاہم عوام کو غلط فہمی سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ بتادینا ضروری ہے کہ اس مدعی کے بیان کردہ یہ دونوں دعوے جو دلیل کے دو مقدموں کے طور پر بیان کیے گئے ہیں غلط اور ناقابل قبول ہیں اور اس لیے ان سے پیدا شدہ نتیجہ بھی بلاشبہ باطل اور مردود ہے۔

پہلا دعویٰ یا مقدمہ تو اس لیے غلط ہے کہ ہم نے یا جوج و ماجوج کی بحث میں تفصیل کے ساتھ حدیث و تاریخ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یا جوج و ماجوج کا اطلاق صرف ان ہی قبائل پر ہوتا رہا ہے جو اپنے اصل مرکز میں ہمہ طریق وحشت و بربریت مقیم ہیں اور ان میں سے جو افراد یا تاریخ کی نظر میں یا جوج و ماجوج نہیں کہلاتے بلکہ اپنے بعض امتیازات خصوصی کے پیش نظر نئے نئے ناموں سے موسوم ہو گئے اور اپنے اصلی اور نسلی مرکز سے اس قدر اجنبی ہو گئے ہیں کہ وہ اور یہ دو مستقل جدا جدا قومیں بن گئیں اور ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اسی طرح قرآن اور حدیث کے مطالعہ سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ ان ہی قبائل کو یا جوج و ماجوج کہتا ہے جو اپنی بربریت اور وحشت کے ساتھ عام دنیا سے الگ اپنے مرکز میں گوشہ گیر ہیں۔

اور اسی اصول پر دوسرا دعویٰ یا مقدمہ بھی باطل ہے کہ انگریز اور روس بلکہ یورپین حکومتوں کا تسلط اور قبضہ یا جوج و ماجوج کا خروج ہے اور یہ اس لیے کہ ایک تو ابھی ذکر ہو چکا ہے کہ متمدن اقوام کو یا جوج و ماجوج کہنا ہی غلط ہے دوسرے اس لیے کہ یا جوج و ماجوج کے اس فتنہ و فساد کے پیش نظر جس کا ذکر ذوالقرنین کے واقعہ میں سورہ کہف میں مذکور ہے اور صحیح احادیث کی تصریحات کے مطابق



ان کا وہ خروج بھی جس کا ذکر سورہ انبیاء میں کیا گیا ہے اور جس کو علامت قیامت میں سے ٹھہرایا ہے ایسے ہی فساد و شر کے ساتھ ہوگا جس کا تعلق تمدن و حضارت سے دور کا بھی نہ ہو اور جو خالص وحشیانہ طرز و طریق پر برپا کیا جائے، کہاں سائنس کی ایجادات و آلات کا طریقہ جنگ اور کہاں غیر تمدن و وحشیانہ جنگ و پیکار؟ مشتاقان! بینہما۔

اور یہ بات اس لیے بھی واضح ہے کہ تمدن اقوام کی جنگ و پیکار کتنی ہی وحشیانہ طرز و طریق اختیار کیے ہوئے کیوں نہ ہو بہر حال سائنس اور حرب و ضرب کے اصول کے مطابق ہوتی ہیں اور یہ سلسلہ اقوام و امم میں ہمیشہ سے جاری ہے اس لیے اگر اس قسم کے جابرانہ و قاہرانہ تسلط اور قبضہ کے متعلق قرآن کو پیشین گوئی کرنی تھی تو اس کی تعبیر کے لیے ہرگز یہ طریقہ اختیار نہ کیا جاتا جو یا جوج و ما جوج کے خروج موعود کے سلسلہ میں سورہ انبیاء میں اختیار کیا گیا ہے بلکہ ان کی ترقی نما بربریت کی جانب ضروری اشارات یا تصریحات کا ہونا لازم تھا۔

الحاصل احادیث صحیح اور آیات قرآنی کی مطابقت کے ساتھ ساتھ جب مسئلہ زیر بحث پر غور و فکر کیا جاتا ہے تو با حصار ت یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس علامت سے قبل حضرت عیسیٰ کا نزول از آسمان ضروری ہے نہ یہ کہ پہلے یا جوج و ما جوج کا خروج ہوگا اور پھر مسیح علیہ السلام کی آمد کا انتظار کیا جائے چنانچہ صحیح مسلم کی ایک طویل حدیث میں مذکور ہے:

واقعات یہاں تک پہنچیں گے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح بن مریم کو بھیجے گا اور وہ (جامع) دمشق کے سپید مشرقی منارہ کے نزدیک اس طرح اتریں گے کہ زعفرانی رنگ کی دو چادروں میں ملبوس اور فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھوں کا سہارا دیے ہوئے ہونگے جب سر کو جھکائیں گے تو پانی ٹپکنے لگیگا اور جب سر اٹھائیں گے تو اس سے پانی کے قطرات اس طرح گرنے لگیں گے گویا ہاتھ سے موٹی ٹوٹ کر گر رہے ہیں یعنی آسمان پر غسل کر کے فوراً ہی نزول ہوگا، جہاں تک انکا سانس جائے گا کافر کی موت کا باعث ہوگا اور انکا سانس انکی حد نظر تک پہنچے گا پھر اتر کر وہ دجال کا پیچھا کریں گے اور اس کو بیت المقدس کے قریب بستی لُد کے دروازہ پر پائیں گے اور قتل کر دیں گے پھر حضرت عیسیٰ ان لوگوں کے پاس تشریف لائیں گے جن کو اللہ تعالیٰ دجال کے فتنہ سے محفوظ رکھے گا اور ان کے غبار آلودہ چہروں کو مس کرتے ہوئے ان کو جنت میں جو درجات ملیں گے اس سے متعلق باتیں کریں گے، حالات یہاں تک پہنچیں گے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ پر وحی کریگا کہ اب میں اپنے بندوں میں سے ایک ایسی قوم کو نکالتا ہوں کہ جن سے جنگ کرنے کی دنیا میں کسی کے اندر طاقت نہیں ہے لہذا تم میرے تمام بندوں کو طور پر



لے جاؤ اس کے بعد اللہ تعالیٰ یا جوج و ماجوج کو نکالے گا جو تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے آئیں گے اور ہر بلند جگہ سے نکل پڑیں گے۔“

(مرتب:- گویا دنیا میں اہل ایمان کی آبادی صرف اتنی ہی رہ جائیگی کہ کوہ طور پر سما جائے کیا یہ ممکنات میں سے ہے اور اگر ہے تو اس کی تفصیلات کیا ہے)

پس یا جوج و ماجوج کا خروج کسی حال میں بھی ان اقوام پر صادق نہیں آسکتا جو تمدن اور حضارت کی راہوں سے قاہرانہ اور جابرانہ جنگ و پیکار کے ذریعہ سے دنیا پر غالب و قابض ہوتی رہی ہیں اور کسی شخص کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ یا جوج و ماجوج قبائل کی تاریخی بحث سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اور جدید نبی بن کر اسلام کی اساسی اور بنیادی مسئلہ ختم نبوت کے خلاف تشکیل نبوت کی جدید طرح ڈالے اور اس طرح اسلام میں رخنہ انداز ہو کر دوست نما دشمن بنے۔

کیا ذوالقرنین نبی تھے:

ذوالقرنین کے تعین کے بعد یہ مسئلہ بھی اہمیت رکھتا ہے کہ یہ واضح ہو جائے کہ ذوالقرنین نبی ہیں یا ایک نیک نہاد بادشاہ؟ سلف صالحین اور متاخرین کی اکثریت اس جانب ہے کہ ذوالقرنین صالحین میں سے ہیں اور نیک نفس بادشاہ اور وہ نبی یا رسول نہیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں کہ جس میں ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہے ان کا یہ قول مصرح موجود ہے: ”ذوالقرنین نہ نبی تھے نہ فرشتہ۔ وہ اہم انسان تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھا پس اللہ تعالیٰ نے بھی انکو محبوب رکھا۔“

حافظ ابن حجر نے اس روایت کو نقل کر کے اس کی توثیق کی ہے اور کہا ہے کہ میں اس روایت کو حافظ حدیث ضیاء الدین مقدسی کی کتاب مختارہ کی احادیث سے بسند صحیح چنا ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ اس روایت میں ذوالقرنین کے متعلق یہ الفاظ بھی مذکور ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔“

اس سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ لفظ بعثت تو نبوت و رسالت کے لیے بولا جاتا ہے پھر نبوت کے انکار کے کیا معنی؟ اس کے بعد خود ہی یہ جواب دیا ہے کہ ”بعثت“ یہاں اپنے عام معنی میں جو نبی اور غیر نبی دونوں کے لیے بولا جاسکتا ہے اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ”اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا اور اکثر کی یہی رائے ہے۔“

حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی یہی مسلک ہے کہ ذوالقرنین نبی نہ تھے



بلکہ ایک نیک اور صالح بادشاہ تھے۔ ”حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین نیک اور صالح بادشاہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے اعمال کو پسند فرمایا اور اپنی کتاب (قرآن) میں اس کی تعریف فرمائی اور وہ فاتح و کامیاب بادشاہ تھا۔“

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ بھی ذوالقرنین کو صالحین میں سے مانتے تھے۔ البتہ حضرت عمر بن العاص کی جانب یہ نسبت کی جاتی ہے کہ وہ ذوالقرنین کو نبی مانتے تھے: ”عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین نبی تھے۔“

اور حافظ ابن حجر اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ قرآن کا ظاہر یہی بتاتا ہے مگر ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد یہ فیصلہ کچھ نہیں دیتے لیکن حافظ عماد الدین ابن کثیر اقوال کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا فیصلہ یہ دیتے ہیں: ”اور صحیح یہ ہے کہ ذوالقرنین عادل بادشاہوں میں سے تھا۔“

اور حضرت استاذ علامہ محمد انور شاہ نور اللہ مرقدہ کی تحقیق بھی یہی ہے چنانچہ عقیدۃ الاسلام میں تحریر فرماتے ہیں: ”کہ وہ ایک نیک بادشاہوں میں سے تھا اور اس کا نسب قدیم سامیوں پر پہنچتا ہے۔“

پس ان نقول کے پیش نظر مولانا آزاد کا یہ فرمانا: ”تو صحابہ و سلف سے جو تفسیر منقول ہے وہ یہی ہے کہ ذوالقرنین نبی تھا۔ اپنے عموم کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے کیونکہ بیشتر سلف صالحین ذوالقرنین کی نبوت کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کو ایک بادشاہ کی حیثیت میں تسلیم کرتے ہیں البتہ بعض سلف کی رائے میں وہ نبی تھے۔“

اسی طرح متاخرین میں ابن کثیر کے متعلق یہ کہنا بھی غلط نہیں پر مبنی ہے کہ وہ ذوالقرنین کے نبی ہونے کی تائید میں ہیں اس لیے کہ سطور بالا میں ابن کثیر سے جو کچھ منقول ہے وہ قطعاً اس کے خلاف ہے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ذوالقرنین اور خضر کا جو ایک جگہ ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں خضر کی نبوت کی توثیق فرمائی ہے تو اس جگہ شاید ضماٹ کے مرجع میں مولانا نے موصوف کو مغالطہ ہو گیا ہے چنانچہ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں:-

”اس لیے کہ اول (یعنی ذوالقرنین) ایک عبد مومن اور صالح تھا اور عادل بادشاہ اور اس کے وزیر خضر علیہ السلام تھے اور وہ (خضر) اس تحقیق کے مطابق جو ہم سابق میں بیان کر چکے ہیں بے شک نبی تھے۔“



بہر حال حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، امام رازیؒ، ابن کثیرؒ اور ان کے علاوہ سلف صالحین اور متاخرین کی اکثریت اسی کی قائل ہے کہ ذوالقرنین نبی نہیں تھے بلکہ عادل صالح بادشاہ تھے پس جب کہ صحابہ اور سلف صالحین بلکہ متاخرین میں سے بھی اکثر اسی جانب ہیں کہ ذوالقرنین نبی نہ تھے تو جمہور کا یہ رجحان بلاشبہ اس امر کی دلیل ہے کہ آیت قلنا ما ذی القرنین میں خدائے تعالیٰ کی مخاطبت ذوالقرنین کے ساتھ اسی قسم کی ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ کی والدہ کے قصہ میں ”أَوْحَيْنَا“ کے اندر ہے:-

”اور ہم نے موسیٰ کی والدہ پر وحی کی کہ تو اس موسیٰ کو دودھ پلانا منظور کر لے“

اور یقیناً ان حضرات کا منطوق پر مفہوم کو ترجیح دینا بے وجہ نہیں ہے، خصوصاً جب کہ اس مخاطبت کو ”أَوْحَيْنَا“ سے تعبیر کیا گیا اور نہ ”انزلنا“ اور نہ ”قلنا“ کے علاوہ ذوالقرنین سے متعلق آیات میں کوئی ایسا مؤید موجود ہے جو ”قلنا“ کی خطابت کو خطابت وحی قرار دیتا ہے۔ لہذا راجح مذہب یہی ہے کہ ذوالقرنین نبی نہیں تھے بلکہ عادل اور صالح بادشاہ تھے۔

بصائر

(۱) مطالب قرآن کی بصیرت کے لیے جس طرح لغت عرب معانی بلاغت و بیان صرف و نحو احادیث اور آثار صحابہؓ جیسے علوم کی معرفت ضروری ہے اسی طرح علم تاریخ کی معرفت ضروری ہے چنانچہ گزشتہ اقوام و امم کے حالات و واقعات کا علم حاصل کر کے ان سے عبرت و بصیرت حاصل کرنے کی ترغیب خود قرآن عزیز نے پر زور اسلوب بیان کے ساتھ دی ہے: ”کہہ دیجیے، زمین کی سیاحت کرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا بلاشبہ تم سے پہلے (خدا کی مقرر کردہ) راہیں گزر چکی ہیں پس زمین کی سیر کرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔“

(۲) جہاں تک اسلام کے بنیادی مسائل کا تعلق ہے اس میں سلف صالحین کا مسلک ہی بغیر چون و چرا دلیل راہ ہے اور اس سے تجاوز زلیغ و گمراہی ہے لیکن جہاں تک قرآن کے لطائف و نکات، معارف و علوم، اسرار و غوامض اور علمی و تاریخی مطالب کا تعلق ہے اس کے لیے کسی زمانہ میں بھی در تحقیق بند نہیں ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ”قرآن کے لطائف و حکم کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں۔“

خصوصاً جبکہ تاریخی مطالب کے حصول کے لیے آج کے ذرائع معلومات قدیم علوم تاریک کے ذرائع سے زیادہ وسیع ہو چکے ہیں تو سلف صالحین کے مسلک قدیم پر قائم رہتے ہوئے قرآنی حقائق اور اسکے تاریخی مباحث کی تفصیلات و جزئیات میں اقوال، سلف کا پابند نہ رہتے ہوئے قرآن کی



تائید کے لیے قدیم تحقیق اٹھانا سلف صالحین کا اقتدا ہے نہ کہ ان کے مسلک سے انحراف، کیا کوئی اہل علم اور صاحب نظر اس حقیقت کا انکار کر سکتا ہے کہ ان مطالب تفسیری کے علاوہ کہ جن کے متعلق دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ ارشادات نبویؐ ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذاتی اقوال کے خلاف یا ان سے جدا تابعین اور تبع تابعین کے اقوال بکثرت کتب تفسیر میں مذکور ہیں اور متاخرین علماء تفسیر، متقدمین کے اقوال پر نقد و جرح کرتے اور اختلاف رائے رکھتے نظر آتے ہیں اور ان میں سے ہر شخص کی تحقیق قرآن عزیز کے مطالب کی خدمت ہی سمجھی جاتی ہے، البتہ اہلیت شرط ہے اور جو شخص بھی اس خدمت کے لیے اقدام کرے اس کا فرض ہے کہ فیما بین و بین اللہ یہ غور و فکر کرے کہ وہ جس مسئلہ میں کوئی راہ اختیار کرتا ہے اس کے تمام مالہ اور ماعلیہ سے واقف ہے یا نہیں اور یہ کہ اس کی اس تحقیق سے قرآن کی مزید تائید ہی ہوتی ہے اور سلف صالحین کے بنیادی مسلک قدیم سے قطعاً تجاوز لازم نہیں آتا۔

(۳) عدل و ظلم کی حکومت کے درمیان ہمیشہ سے یہ امتیازی فرق چلا آتا ہے کہ عادل حکومت کا نصب العین اور عوام کی خدمت ہوتا ہے اور اس لیے عادل بادشاہ کا شاہی خزانہ رفاہ عام اور پبلک خدمات اور ان کی خوش حالی کے لیے ہوتا ہے اور وہ اپنی ذات پر ضروری حاجات سے زیادہ اس میں سے صرف نہیں کرتا اور نہ عوام کو ٹیکسوں کی کثرت سے پریشان حال بناتا ہے اس کے برعکس جبر و ظلم کی حکومت منشاء بادشاہ اور حکومت کا اقتدار، ذاتی تعیش اور اس کا استحکام ہوتا ہے اور اس لیے وہ نہ رعایا کے دکھ درد کی پرواہ کرتا ہے اور نہ انکی راحت و آرام کا خیال رکھتا ہے اور اس سلسلہ میں اگر کچھ ہو بھی جاتا ہے تو وہ حکومت کے مفاد و مصالح کے پیش نظر ضمنی ہوتا ہے نیز اس حکومت میں رعایا ہمیشہ ٹیکسوں کے بوجھ سے دبی رہتی اور اس ملک کی اکثریت افلاس و غربت ہی کا شکار رہتی ہے۔

ذوالقرنین چوں کہ ایک صالح اور عادل بادشاہ تھا اس لیے اس نے شمالی سیاحت میں اس قوم سے ٹیکس لینے سے انکار کر دیا جو یا جوج و ماجوج پر سد بنانے کے سلسلہ میں دینا چاہتے تھے اور اس نے صاف کہا کہ خدا نے مجھ کو حکومت و ثروت اس لیے نہیں دی ہے کہ میں اس کو ذاتی تعیش پر صرف کروں بلکہ صرف اس لیے عطا فرمائی ہے کہ اس کے ذریعہ سے مخلوق خدا کی خدمت انجام دوں۔ نیز اس نے جو ملک بھی فتح کیا اس کی رعایا پر عفو و کرم ہی کی بارش کی اور کبھی ان کو نہیں ستایا۔



## تجزیات مرتب

ابتدا میں ہم نے مولانا محمود حسن صاحب کا ترجمہ اس لیے دیدیا ہے کہ وہی سب سے زیادہ محتاط ترجمہ آیات ہے اگرچہ روانی سے محروم ہے۔ اس کے بعد ہم نے کسی تفسیر کے ترجمہ کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے اس لیے کہ الفاظی اختلافات کے علاوہ بنیادی طور پر کسی بھی ترجمہ میں معنوی اعتبار سے کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے البتہ تفاسیر پر ہم کو اپنے خیالات کا اظہار کرنا پڑا ہے۔ تجزیاتی تحریر میں میرے اپنے خیالات ہیں اور کوئی ضروری نہیں ہے کہ آپ اس سے متفق بھی ہوں اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ صد فی صد صحیح ہی ہو یہ میری اپنی رائے ہے اور میں انسان ہوں مجھ سے بھی غلطی ممکن ہے۔ تاہم اگر کوئی صاحب میری کسی غلطی کی نشاندہی کر سکیں تو میں ان کا ممنون ہوں گا۔

میری اس کتاب کا محرک دراصل ایک کتاب ”فتنہ یا جوج ماجوج قرآن و حدیث کی روشنی میں“ مصنفہ جناب مولانا محمد ظفر اقبال صاحب استاد جامعہ اشرفیہ لاہور جس کے ناشر اریب پبلیکیشنز پٹودی ہاوس دریا گنج دہلی۔ ۱۱۰۰۰۲ نہیں ہے۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ فتنہ تاتاری کی جس قدر تفصیلات اس میں جمع کر دی گئی ہیں وہ بہ یک وقت کسی ایک جگہ کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتیں تاہم اس میں بعض اعتبار سے تشنگی محسوس کی ہے خاص کر تفاسیر کی تفصیلات سے یہ کتاب کسی حد تک محروم ہے۔ مضمون لکھنا آسان ہوتا ہے لیکن دعویٰ اور جواب دعویٰ لکھنا مشکل ہوتا ہے اس میں مختصر مضمون میں ہی جامعیت پیدا کرنی ہوتی ہے۔ میری زندگی یا دفاتر کے فائلوں میں گذری ہے یا مقدمات کی جوابدہی میں خاص کر مسلم پرسنل لا بورڈ سے متعلق عدالتی مقدمات میں۔ بدیں وجہ مجھے از سر نو ترتیب پر یہ کام کرنا پڑا ہے۔ اکاہرین پر تنقید میں ممکن ہے کہ کسی جگہ قلم سے گستاخی ہوگئی ہو تنقید کا مطلب کسی طرح بھی میرے یہاں ان حضرات کے احترام میں کمی نہیں ہے۔

۱۔ تفسیر جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

بصدا احترام گذارش ہے کہ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا ذوالقرنین کی تفسیر کا اکثر حصہ ان کے ذاتی قیاسات یا پھر اسرائیلی غیر مستند روایات پر مبنی ہے۔ دیوار میں سوراخ کو بر بنائے حدیث کہنا درست نہیں ہے یہ خالص اسرائیلی روایت ہے جسے لوگوں نے حدیث قرار دیدیا ہے اور یہ روایت قرآن کریم سے متضاد ہے۔ جب قرآن کریم میں بیان یہ ہے کہ یہ دیوار صرف حکم ربی سے اپنے وقت



موعود پر منہدم ہوگی تو پھر کسی سوراخ کا تصور غیر قرآنی ہے کہ ایک اشارہ ہے قدرت الہی کا ورنہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ حکم ربی ہو ہی جائے اس لیے یہ تصور کہ منہدم ہو ہی جائیگی نامناسب ہے۔

مزید براں یا جوج ماجوج کے خوف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر چلے جانے کی بات بھی ایک موضوع روایت محسوس ہوتی ہے اور یہ ایک نبی کی شان کے خلاف ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں وارد ہوئے اور یا جوج ماجوج کی دیوار وہاں سے جانب مشرق بہت فاصلے پر ہے اور کوہ طور اس کے مغرب میں بہت فاصلے پر ہے لہذا یہ امر غیر قیاسی ہے کیونکہ تمام مسلمانوں کا کوہ طور پر سمانا ممکن نہیں ہے۔

قرب قیامت پر اس دیوار کا انہدام متنازعہ فیہ ہے۔ وقت موعود کے سلسلے میں بعض مفسرین نے اس کے قرب قیامت ہونے سے اختلاف کیا ہے اور بعض نے فتنہ تاتار کو اس سے تعبیر کیا ہے۔ فتنہ تاتار کی تفصیلات مولانا ظفر صاحب کی کتاب میں بہت واضح ہیں۔ خود مولانا انور شاہ کشمیری نے اقوام روس و یورپ کو یا جوج ماجوج کی نسلوں سے تعبیر کیا ہے اور اگر اس کو درست تسلیم کر لیا جائے تو صلیبی جنگوں کے واقعات ۱۸۵۷ء کے بعد سے اقوام یورپ کے ذریعہ سرمایہ دارانہ نظام کا پھیلاؤ جنگ عظیم کے بعد فلسطین کی تباہی اور کمیونزم کے پھیلاؤ کو لفظ فتنہ کی تعبیر دینے پر مجبور ہونا پڑیگا۔ جس سے بعض حضرات نے شدید اختلاف کیا ہے اور اسے قرب قیامت کے قریب ہی کا واقعہ تسلیم کیا ہے جب کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام وجود میں آچکا ہوگا۔

مزید براں مولانا کی یہ رائے بھی مناسب نہیں ہے کہ دیوار ذوالقرنین ابھی تک نامعلوم ہے۔ اس ضمن میں جناب مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی اور جناب مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفصیلی آراء جو ترجمان القرآن اور قصص القرآن میں تحریری شکل میں موجود ہیں کے بعد بہت واضح طور پر دیوار ذوالقرنین کی جگہ متعین ہو چکی ہے کہ وہ موجودہ داغستان میں طول البلد 43.1 اور عرض البلد 48.3 پر درہ داریال میں واقع ہے مولانا تھانویؒ کی اس رائے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت تک جغرافیائی معلومات بالعموم علماء کرام کی دسترس سے دور تھیں۔ ان کے مطالعات صرف علم ہیئت تک محدود رہتے تھے بلاشبہ علم ہیئت جغرافیہ کے علم کا بنیادی حصہ ہے لیکن خود جغرافیہ اس کے بعد شروع ہوتا ہے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آج تک یہ جگہ روس کے قبضے میں ہے اور وہاں کے حالات ۳۰ سال پہلے تک اپنی پردہ کے پیچھے شمار ہوتے تھے اور مذہبی باتوں کی تو تحقیق کی دہاں کوئی گنجائش ہی نہیں تھی خاص طور پر مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے کی کاوشوں پر تو حکومت کا سارا زور صرف ہوتا تھا۔



ایک کمی اس تفسیر میں یہ بھی ہے کہ مولانا نے اپنے قیاسات کے لیے حوالہ جات تحریر کرنے سے گریز کیا ہے تاریخی واقعات تحقیقی حوالے مانگتے ہیں۔

مزید براں مولانا کے یہاں احادیث پر مضمون کے اعتبار سے ناقدانہ انداز کا فقدان نظر آتا ہے وہ ہر حدیث کو با وزن تسلیم کرتے ہوئے رائے قائم فرماتے ہیں۔

معارف القرآن از جناب مولانا مفتی شفیع صاحب:

مفتی شفیع صاحب نے بیشتر جگہوں پر جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانوی پر اعتماد کرتے ہوئے ان ہی کی رائے کو اپنی تفسیر کا حصہ بنا لیا ہے تاہم بعض امور ان کے اپنے قیاسات ہیں۔

مفتی صاحب نے ذوالقرنین کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ۔ ان سے ملاقات اور پاپیادہ سفر حج۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ طواف اور ان کے آنے کی خبر پر مکہ سے باہر نکل کر حضرت ابراہیم کا ذوالقرنین کے استقبال کا ذکر کیا ہے لیکن اس کا کوئی تاریخی حوالہ نہیں دیا ہے۔

مفتی صاحب نے معلوم نہیں کہ یہ بات کس طرح تحریر کر دی کہ طوفان نوح کے بعد جتنے انسان زمین پر باقی ہیں نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں حالانکہ کشتی نوح میں اسی (۸۰) انسان مرد و عورت تھے جن کی اولادیں اس زمین پر پھلی پھولی ہیں ان میں حضرت نوح پر ایمان لانے والے بھی تھے۔ قرب قیامت میں یاجوج ماجوج کی تفصیلات پر مولانا نے دوسرے مفسرین پر اعتماد کیا ہے حالانکہ ان کے تضادات بھی اپنی تحریر میں مختلف جگہوں پر بیان کر دیئے ہیں پورے سمندر کا پانی پی کر خشک کر دینا انسانی عمل کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اور نہ ہی سمندر کا پانی پینے کے قابل ہوتا ہے۔

وتر کنا بعضہم کی آیات ۹۹ تا ۱۰۱ کو یاجوج ماجوج سے جوڑنا درست نہیں ہے یہ صرف صور پھونکنے کے بعد کے حالات کی تفصیل ہے جبکہ قبروں سے انسانوں کے غول کے غول برآمد ہونگے۔

وقت موعود اور فحش یاجوج ماجوج کا قرب قیامت سے کوئی تعلق ہے یا نہیں ہے یہ مسئلہ احادیث سے مسلمہ ہے کہ تعلق ہے۔ مزید موت کے لیے سورہ یسین کی آیت ۵۱ کافی ہے اور اس مسئلے میں علامہ انور شاہ کشمیری ہی کی رائے کہ خروج کئی مرتبہ ہوگا کو بھی بالکل بے وزن کہنا درست نہیں ہے کہ یاجوج ماجوج روسی اور اقوام یورپ ہیں اور فحش سے مراد ان کے دنیا پر حکومتوں کے غلبہ اور اسلام دشمنی مراد ہیں۔ البتہ اس سے اختلاف کے بھی امکانات کی گنجائش ہے۔

مفتی صاحب کی تحریر کا یہ حصہ قابل قدر ہے:

”زمانہ قدیم کی تاریخی روایات زیادہ تر اسرائیلی قصوں کہاوتوں سے ہی پر ہیں جنکی نہ کوئی



سند ہے اور نہ وہ کبھی کسی زمانے کے عقلاء و حکماء کے نزدیک قابل اعتماد پائی گئی ہیں۔ حضرات مفسرین نے بھی اسی معاملے میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب ان ہی تاریخی روایات کا مجموعہ ہے اسی لیے ان میں اختلافات بے شمار ہیں۔ قدیم و جدید علماء تفسیر نے بھی اپنی کتابوں میں یہ روایات ایک تاریخی حیثیت سے ہی نقل کی ہیں“

ایک دوسری جگہ بھی تحریر فرمایا ہے یا جوج ماجوج کون ہیں اور کہاں ہیں اور سد ذوالقرنین کہاں ہیں ان کے متعلق بہت بے سرو یا عجیب و غریب باتیں مشہور ہیں جن کو بعض مفسرین نے بھی تاریخی حیثیت سے نقل کر دیا ہے مگر خود ان کے نزدیک بھی قابل اعتماد نہیں ہیں۔ مجھے اجازت دیجئے کہ مندرجہ بالا تنقید سے جناب مفتی شفیع صاحب کو بھی بری نہیں کیا جاسکتا وہ بھی بکثرت ان روایات کو قبول کرتے ہیں اور تفسیر کا جز بنا تے ہیں۔

تیسرے سفر میں مولانا کا سمت شمال کا تعین درست نہیں ہے بلکہ یہ سمت شمال و مشرق ہے تفصیل کے لیے آخر میں نقشہ ملاحظہ فرمائیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ذوالقرنین اصلاً ایرانی بادشاہ تھا۔ مزید براں مفتی صاحب کی یہ بات کس قدر تعجب خیز ہے کہ یا جوج ماجوج کی تعداد دنیا کے انسانوں کی تعداد سے بدرجہا زائد ہے یا کم از کم ایک اور دس کی نسبت سے ہے (یعنی یا جوج ماجوج بقیہ دنیا کی دوسری آبادی سے نو گنا ہیں) اور وہ انسان نہیں ہیں۔

بہر حال مفتی صاحب نے بھی بیشتر اسرائیلی روایات کو قبول کرتے ہوئے تفسیر تحریر فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ تمام سمندر کا پانی پی کر خشک کر دینے کی بات کو بھی قبول کر لیا ہے۔

بخاری و مسلم کی حضرت زینب بیت جحش کی بیان کردہ حدیث کا یہ حصہ کہ دیوار ذوالقرنین میں سوراخ ہو گیا ہے موضوع معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس حصہ کو حدیث سے نکال دیا جائے تو ویل للعرب کے اشارے سے کلیتاً فتنہ تا تاریخ ہی قرار پایگا۔ اس لیے کہ فتنہ یا جوج ماجوج صرف عربوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ مفسرین نے غیر ضروری طور پر اس کی تاویلات فرمائی ہیں۔

علامہ کشمیری کا بغیر کسی حوالے کے یہ کہنا کہ اہل یورپ کا اس سد کے وجود سے انکار ہے درست نہیں ہے کسی محقق کی طرف سے ایسی بات نہیں کہی جاتی ہے وہ تو صرف اس حد تک کہہ دیتا ہے کہ اس کی تحقیق مجھے نہیں ہے مزید براں مولانا کشمیری کی یہ تحریر آج سے تقریباً اسی سال قبل کی ہے جبکہ اس پر تفصیلی تحقیقات بہت بعد میں اہل ایران اور اہل روس نے کی ہیں۔

آیات ۴ کلیتاً قیامت کے وقت کے واقعات سے متعلق ہیں اور یا جوج ماجوج کے خروج



سے ان کا کوئی تعلق ہے آمد حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ قتل دجال اور خروج یا جوج ماجوج کے واقعات قرب قیامت سے منسوب ہی ہیں۔

ایک انار ایک جماعت کے کھانے کے لیے کافی ہوگا اور اس کے چھلکے کو چھتری بنا کر سایہ حاصل کریں گے۔ دودھ میں اسقدر برکت ہوگی کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک بہت بڑی جماعت کے لیے کافی ہوگا ایک گائے کا دودھ ایک قبیلہ کے سب لوگوں کے لئے کافی ہوگا اور ایک بکری کا دودھ پوری برادری کو کافی ہوگا۔

مندرجہ بالا تمام باتیں اسرائیلی روایات پر مبنی ہیں جن کو واضعین نے حدیث کا درجہ دیدیا ہے اور واضعین ہمیشہ ثقہ راویوں کا اظہار کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہر موضوع حدیث مرفوع شمار کر لی جاتی ہے۔

اگر ذرا بھی دانشورانہ انداز سے غور کیا جائے اور مولانا انور شاہ کی رائے کو با وزن تسلیم کر لیا جائے اور واثق باللہ کے خواب کو فتنہ تاتار سے تعبیر کر لیا جائے تو پھر مختلف خروج کے مفہوم میں اہل یورپ کی اسلام کے ساتھ صلیبی جنگیں کیونز م کا پھیلاؤ اور جمہوریت اور سرمایہ دارانہ نظام کی عمومیت بھی خروج یا جوج ماجوج کا حصہ شمار کرنے کا بھی امکان ہو سکتا ہے بعض حضرات نے اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے اگرچہ یہ امر دوسرے حالات کی بنیاد پر درست نہیں معلوم ہوتا بلکہ یہ واقعات صرف ویل لل عرب والے حصہ ہی کا جز شمار ہوتے ہیں۔

تفسیر ماجدی:

یہ عجیب بات مولانا ماجدی صاحب نے تحریر فرمائی ہے کہ روایات یہود میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہ طور سے تورات لے کر واپس ہوئے ہیں تو آپ کے سر پر دو سینگ بھی نمودار تھے بلکہ آپ کی جو قدیم قلمی شبیہیں ملی ہیں ان میں سے بعض اسی صورت پر ہیں۔ (بحوالہ صفحہ ۱۵۰ ج ۳)

مولانا ماجد صاحب اپنی رائے کے مطابق سواد اعظم کی مطابقت میں سکندر رومی کو ذوالقرنین قرار دیتے ہیں لیکن اسے موحد اور صاحب ایمان ہونے میں تذبذب اختیار فرماتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی تحریر ہے کہ وہ وقت کے دین توحید (یہودیت) کا ہمدرد تھا اور معبد یہود کی عظمت کرتا تھا۔

مولانا ذوالقرنین کے نبی ہونے کی تردید کرتے ہیں۔ یہ فطری بات ہے کہ جب اسے صاحب ایمان ہی تسلیم نہیں کرتے تو نبی کس طرح تسلیم کر سکتے تھے۔



یا جوج ماجوج کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں  
 بہ ظاہر یہ وہ منگولی قبیلے معلوم ہوتے ہیں جو پہاڑوں کی دوسری طرف آباد تھے اور کبھی کبھی  
 موقع پا کر یلغار کرتے ہوئے ترکوں کے درمیان گھس آتے تھے۔

وجہ تسمیہ یا جوج ماجوج کا اشتقاق اہل لغت نے آج سے کیا ہے جس کے معنی آگ کے شعلہ  
 مارنے اور پانی کے تموج و تلاطم کے ہیں ان کے یہ نام ان کی شدت شورش کی بنا پر پڑے بعض نے انہیں  
 اسماء عجمی کہا ہے۔

مندرجہ بالا آراء میں مولانا نے کسی حوالہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے ایسی حالت میں مولانا عبد الماجد  
 صاحب کی مندرجہ بالا آراء کو قابل اعتبار شمار کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔  
 تلخیص تفہیم القرآن:

مولانا مودودی صاحب خورس بادشاہ ایران ہی کو ذوالقرنین قرار دیتے ہیں تاہم ان کا خیال  
 ہے کہ یہ موضوع مزید تحقیق کا موجب بنایا جاسکتا ہے۔  
 یا جوج ماجوج کے سلسلے میں ایشیا کی سنہنیں اقوام جو قدیم زمانے میں متمدن ممالک پر  
 غارت گرانہ حملے کرتی تھیں کو ہی مراد لیا جاسکتا ہے۔  
 موضح القرآن:

حاشیہ شاہ عبدالقادر صاحب ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب  
 میں بہت مختصر رائے کا اظہار کیا گیا ہے جو دوسروں سے قدرے مختلف ہے مثلاً ”ذوالقرنین  
 اس بادشاہ کو کہتے ہیں کہ وسطے ہیں کہ دنیا کے دونوں سروں پر پھر گیا تھا۔ ذوالقرنین کو شوق ہوا کہ دیکھیں  
 دنیا کیسی ہے اور کہاں تک ہے سو مغرب کی طرف اس جگہ پہنچا۔ جہاں دلدل تھی نہ گذر آدمی کا نہ کشتی کا۔  
 اللہ کے ملک کی حد نہ پاسکا۔

یا جوج ماجوج عرب کی زبان میں نام ہے ایک قوم کا جو دو دادوں کی اولاد ہے ایک کی یا جوج  
 ایک کی ماجوج۔ نہیں معلوم ان کے ملک میں ان کا کیا نام تھا ترکوں کے ملک سے لگتے تھے۔ اور قوم میں  
 ترکوں کے بھائی تھے۔

حضرت رسول ﷺ کے وقت میں اس دیوار میں ایک روپیہ کے برابر سوراخ پڑ گیا تھا  
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت ان کے نکلنے کا وعدہ ہے سب دنیا کو لڑائی سے عاجز کر دیں گے۔ آسمان پر  
 تیر چلائیے وہ لہو بھرے لوٹ کر آئیں گے۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بددعا ہے وہ یکبارگی سارے



مر جائینگے۔

مرتب: یہ حدیث موضوع محسوس ہوتی ہے۔

عہد نامہ قدیم (تورات) و عہد نامہ جدید (اناجیل اربعہ و مکاشفہ یوحنا):

اس کی تفصیلات سے یا جوج ماجوج کی تحقیق میں معاونت ملتی ہے بہ آسانی یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ انسانی اقوام ہیں اور حضرت نوح کے بیٹے یافت کی اولاد سے ہیں آخر کتاب میں مرتبہ شجرہ بھی اسی عہد نامہ کی امداد سے تیار شدہ ہے مزید براں عہد نامہ جدید کے یوحنا کے مکاشفہ سے بھی یا جوج ماجوج کی تفصیلات پر روشنی پڑتی ہے۔

تفسیروں میں اسرائیلی روایات کتاب سے ہمارے مذکورہ بالا قیاسات کا جو ہم نے تفاسیر کے سلسلے میں کیے ہیں کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب بہت اہم ہے رسالہ راہ اسلام کے مضامین بیشتر مولانا آزاد کی تحقیقات پر مبنی ہیں لہذا ان پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے وہ بھی ایرانی بادشاہ کے خسرو ہی کو ذوالقرنین قرار دیتے ہیں۔

ترجمان القرآن از مولانا ابوالکلام آزاد:

قبل اس کے کہ ہم مولانا آزاد کی تفصیلات ذوالقرنین اور یا جوج ماجوج پر کوئی تبصرہ کریں دوسری تفاسیر کے بارے میں مولانا آزاد کی درج ذیل آرا ہماری توجہ کی محتاج ہیں

اقتباس از مقدمہ ترجمان القرآن:

”چوتھی صدی ہجری کے بعد علوم اسلامیہ کی تاریخ کا مجتہدانہ دور ختم ہو گیا اور شواہد و نوادہ کے علاوہ عام شاہراہ تقلید کی شاہراہ بن گئی اس داع عصا نے جسم تفسیر میں بھی پوری طرح سرایت کی۔ ہر شخص جو تفسیر کے لیے قدم اٹھاتا تھا کسی پیش رو کو اپنے سامنے رکھ لیتا تھا اور پھر آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا تھا۔ اگر تیسری صدی میں کسی مفسر سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو ضروری ہے کہ نویں صدی تک کی تفسیروں میں وہ برابر نقل در نقل ہوتی چلی آئے۔ کسی نے یہ ضرورت محسوس نہیں کی کہ چند لحوں کے لیے تقلید سے الگ ہو کر تحقیق کر کے معاملہ کی اصلیت کیا ہے۔ معلوم کریں۔

رفتہ رفتہ تفسیر نویسی کی ہمتیں اس قدر پست ہو گئیں کہ کسی متداول تفسیر پر حاشیہ چڑھا دینے سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ بیضاوی اور جلالین کے حاشیہ دیکھو ایک بنے ہوئے مکان کی لپ پوت کرنے میں کس قدر قوت تصنیف رائیگاں گئی ہے۔

اشکال و موانع کا دروازہ تفسیر بالرائے سے کھل گیا جس کے اندیشے سے صحابہ کرام اور سلف



کی رو حیں لڑرتی رہتی تھیں۔

مرتب: حاشیہ نگاری کے ذریعہ اپنی رائے کے مطابق تطبیق کی ایک ہی مثال آپ کے لئے کافی ہے۔ بخاری شریف باب فی غلبہ الروم میں رسول اللہ ﷺ کے ایک خواب کی بشارت ہے کہ قسطنطنیہ پر بحری راستے سے حملہ کرنے والے لشکر کا ہر شخص مغفور ہے مگر چونکہ اس لشکر کا امیر یزید بن معاویہ ہے لہذا قسطلانی صاحب حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ مغفرت اس وقت ممکن تھی جب یہ لوگ واجب المغفرت بھی ہوتے۔ غور فرمائیں کہ کیا باری تعالیٰ کو بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ اس وقت واجب المغفرت ہونگے۔

اب ہم آپ کی توجہ بخاری شریف اور ترمذی شریف کی حدیث زینب جحش پر مبذول کراتے ہیں۔

واضح رہے کہ احادیث کے سلسلے میں مسائل کی احادیث پر تو جرح قدح اصحاب اسماء الرجال نے مکمل طور پر کی ہے لیکن فضائل اور دوسری احادیث کو ایسے ہی چھوڑ دیا ہے۔

مزید براں واضعین حدیث نے اپنی احادیث میں راوی سب ثقہ لیے ہیں جس کا ثبوت امام احمد ابن حنبل اور تکی بن معین کا واقعہ ہے کہ ایک واعظ نے ان کے حوالہ سے حدیث بیان کی جبکہ انہوں نے یہ حدیث بیان بھی نہیں کی تھی امام احمد بن حنبل اور تکی بن معین نے اس سے معلوم کیا کہ ہم نے تو یہ حدیث بیان نہیں کی ہے تو اس کا جواب تھا کہ سنتے تھے کہ تکی بن معین بیوقوف ہیں آج معلوم ہو گیا میں بیس تکی بن معین کو جانتا ہوں اور یہ کہہ کر چلا گیا۔ لہذا کسی حدیث کو صرف راویوں کی بنیاد پر ہی تسلیم نہیں کیا جاسکتا نفس مضمون پر بھی غور ضروری ہے۔

اولاً تو یہ حدیث ہے ہی نہیں کعب احبار کی بیان کردہ اسرائیلی روایت ہے جو حضرت عمر کے عہد میں ایمان لائے اور اس سے پہلے یہودی عالم تھے اور امام مالک کے پاس ان کی بیٹھک بہت تھی۔ حضرت ابو ہریرہ کے پاس بھی بیٹھتے تھے ان کے ذریعہ بہت سی اسرائیلی روایات کو بعض لوگوں نے حدیث بنا دیا۔ آپ زینب بنت جحش کی حدیث کی تنقید کو مولانا محمد ظفر اقبال صاحب کی کتاب کے حصہ میں اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ یہ حدیث قرآنی آیت کے خلاف ہے قرآن کسی وقت مقررہ پر اس سد کے انہدام کی بات کہتا ہے تو پھر سوراخ کی بات درست ہو ہی نہیں سکتی اور ایک روپیہ کے برابر سوراخ کا حاصل کسی قوم کے فحش ہونے کا حامل ہو ہی نہیں سکتا اور یہ انہدام قرب قیامت میں ہوگا بشرط وجود حکم ربی ہے یہ بھی تو



ممکن ہے کہ حکم ربی صادر ہی نہ ہو ویل للعرب کی بات عرب قوم کے نقصان کے تذکرے سے متعلق ہے جبکہ یاجوج ماجوج کا حادثہ پوری دنیا کا حادثہ ہے جبکہ ویل للعرب۔ رسول ﷺ کے بعد ہونے والے قتل عمر قتل عثمان۔ اور بربادی بغداد بذریعہ تاتاری پیشین گوئی ہے۔ دو علحدہ علحدہ چیزیں ہیں جو کسی غلطی کی بنا پر ایک حدیث بنا دی گئی ہے اور سوراخ والی بات تو حدیث ہو ہی نہیں سکتی اسرائیلی روایت ہے۔

در اصل یہی حدیث تفاسیر میں غلط بیانیوں کا پیش خیمہ ہے۔

ترجمان القرآن از مولانا ابوالکلام آزاد:

ترجمان القرآن میں مولانا ابوالکلام آزاد نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے اگرچہ مولانا حفظ الرحمن صاحب نے ان کی بعض آرا سے اختلاف بھی فرمایا ہے۔ مولانا آزاد نے ایک طرف تو اس جگہ کی نشاندہی دلائل اور مشاہدات کے ساتھ کر دی ہے جہاں ذوالقرنین نے یہ دیوار بنائی ہے اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یہ دیوار آج بھی موجود ہے مزید براں انہوں نے فحمت یاجوج ماجوج کے واقعہ کو قرب قیامت کے وقت سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ مردوں کے غول درغول اٹھ آنے کا یاجوج ماجوج کے کھل جانے کا کوئی تعلق نہیں ہے اور ان کے نزدیک واقعہ تاتاری فحمت یاجوج ماجوج ہے۔ اور بہت وضاحت سے ثابت کیا ہے کہ سنتھین اقوام کا غیر متمدن حصہ ہی یاجوج ماجوج تھا اگرچہ بعض حضرات نے اس سے شدید اختلاف کیا ہے۔

سب سے اہم چیز جو مولانا نے بہت یقین کے ساتھ تحقیق کی ہے وہ ہے کہ ذوالقرنین کی شخصیت ایرانی بادشاہ سائرس کی ہے جو کینخسرو کے نام سے بھی مشہور ہے ان کی تفسیر کا بیشتر حصہ سائرس کے ذوالقرنین ثابت کرنے پر ہے جو بہت مضبوط دلائل کی بنیادوں پر ہے مولانا نے ایک نقشہ کے ذریعہ دیوار کی جگہ کا تعین بھی فرمایا ہے۔

مولانا آزاد نے یاجوج ماجوج قوم کے تعین میں بھی بہت اہم شواہد پیش کیے ہیں اور متعین کیا ہے کہ سنتھین قوم کا وحشی طبقہ ہی یاجوج ماجوج ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ ہمارے مفسرین کی اکثریت قوموں کی تہذیبی تاریخ سے نا بلدرہی ہے اور تقلید جامد کے نقش قدم پر چلے ہیں۔ اور صرف فحمت یاجوج ماجوج کے بعد قیامت کے واقعات کے تذکرے کی وجہ سے اسے قرب قیامت کا واقعہ قرار دیا ہے حالانکہ اس کا مفہوم سورہ یسین کی آیت ۵۱ کے مطابق صور پھونکے جانے کے بعد قبروں سے مردوں کا نکلنا ہے۔ اس دیوار کی تعمیر کا مقصد اس وقت کے یاجوج ماجوج جو وحشی قبیلے تھے کے



حملوں کا روکنا ہے۔ ذوالقرنین کا یہ قول کہ وقت موعود پر جب خدا چاہیگا تو یہ دیوار ٹوٹ جائیگی میں یہ مفہوم بھی تو مضمحل ہے کہ خدا نہ چاہے تو یہ دیوار قیامت تک باقی رہ جائے۔ مزید براں جو قبیلے تہذیبی ارتقا کے بعد وحشی نہ رہے تو ان پر یا جوج ماجوج کا اطلاق ہی نہ رہا لہذا بعض علماء کی یہ رائے کہ ان قبیلوں کی نسلیں روسی اور یورپین اقوام ہیں اور ان کی حکومتوں کے سابقہ دو صدیوں کی وسعتوں کو فحش سے تعبیر کرنے کو بھی بے وزن قرار نہیں دیا جاسکتا مزید براں تہا تا تاری حملوں کو فحش سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا فحش کا مفہوم صرف اس قوم کا پھیلاؤ ہی لیا جاسکتا ہے خود رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ ان کی بعثت کے وقت اور وقت قیامت میں بہت تھوڑا فاصلہ ہے۔

ایک اہم بات جو مولانا آزاد نے تحریر فرمائی ہے کہ وہ ہے کہ دین زرتشت اصلاً ایک صحیح الہامی دین تھا جس کا پیر اور مبلغ ذوالقرنین تھا اور بہت بعد میں یہ دین تحریفات کی نذر ہو کر ایک مشرکاً نہ دین بنا۔ یہ امر قابل غور ہے اور اس دین کی تحریفات کی تاریخ پر بہت کچھ کام کیا جانا چاہئے۔ اس لیے کہ ہندوستان میں آریہ اسی محرف دین کو لیکر آئے ہیں جو بعد میں آتش پرستی اور بت پرستی کا دین بن گیا۔ آریہ دور میں یہ ویدک دین تھا سنا تن دھرم بہت بعد میں برہمنوں کی دین ہے۔ اور انہوں نے ہی ویدوں میں تحریفات کی ہیں۔ بعض علماء فرنگی محل کی رائے میں ویدوں کے محرف صحائف ابراہمی ہونے کا بھی امکان ہو سکتا ہے۔

کتاب ذوالقرنین اور یا جوج اور ماجوج مصنفہ مولانا ظفر اقبال صاحب:

اس کتاب میں سب سے اہم بات فتنہ تار کی تفصیلات ہیں۔

دوسری چیز ایک باب یا جوج ماجوج کا تعارف کرایا ہے کہ وہ حضرت نوح کے بیٹے یافث کی اولاد ہیں جس کی تفصیل ہم نے آخر میں شجرہ کے طور پر دی ہے۔

مصنف نے بیشتر معاملات پر مولانا آزاد اور مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی پر انحصار کیا ہے البتہ کسی جگہ ان سے اختلاف کرتے ہوئے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی اس رائے سے اتفاق کیا ہے کہ یا جوج ماجوج کی حیثیت ابھی تک غیر تحقیق شدہ ہے۔ لیکن مولانا انور شاہ کشمیری کی رائے کہ یا جوج ماجوج روسی اور اہل یورپ ہیں کا اظہار کرتے ہوئے مولانا مناظر حسن صاحب گیلانی کے حوالے سے اس سے عدم اتفاق کیا ہے۔

عہد نامہ قدیم میں یا جوج ماجوج کے حوالے سے کچھ عبارات نقل کی ہیں۔

رگ وید میں یا جوج ماجوج کے تذکرے کا حوالہ دیا ہے۔



ایک مفصل باب ذوالقرنین کون تھا پر دیا ہے۔

حضرت تھانوی کے بیان القرآن سے ان کا تفسیر حصہ نقل کیا ہے لیکن ان کا یہ فرماناً قطعاً قرآن کریم کی آیات سے متضاد ہے جس کے لیے نامناسب دلائل سے اس کی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پھر ساتھ ہی دیوار ذوالقرنین کی جگہ کی نشاندہی کی کوشش کی گئی ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ گیارہ احادیث اس میں نقل کی گئی ہیں جس میں سب سے اہم حضرت زینب بنت جحش کی حدیث بنیادی حیثیت رکھتی ہے لیکن یہ حدیث متضاد قرآن ہے لیکن محض روایت ثقہ ہونے کی بنا پر اس کے لیے نامناسب دلائل اختیار کئے گئے ہیں۔ میرے نزدیک ویل للرب کے ساتھ یاجوج ماجوج کا اضافہ یا تو موضوعی ہے یا یہ ایک علیحدہ حدیث ہے جس کو اس حدیث سے جوڑ دیا گیا ہے۔ اور اگر اس کو نکال دیا جائے تو ویل للرب سے مراد حضرت عثمان سے لیکر فتنہ تا تاریخ کے واقعات پر اس حدیث کا یہ حصہ پورے طور پر منطبق ہے اور خروج یاجوج ماجوج سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ دیوار میں سوراخ والا حصہ خلاف قرآن ہے اور یہ اسرائیلی روایت ہو سکتا ہے جس کو بعد میں اضافہ کر دیا ہو بقیہ دس احادیث کی حیثیت بھی اسرائیلی روایت سے زیادہ نہیں مگر محض ثقہ راویوں کی بنا پر ان کی تطبیق کی کوشش ناکام ہوئی ہے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ واضعین حدیث نے ہمیشہ ثقہ راویوں کے حوالے سے ہی احادیث وضع کی ہیں اس ضمن میں میں نے کسی جگہ نوٹ مرتب کے عنوانات سے اپنی رائے درج کر دی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی حدیث معمولی حیثیت میں درایت پر پوری نہیں اترتی۔

اس میں خاکسار نے اپنی آرا کا اظہار اصل مضمون میں مرتب کی حیثیت مختلف جگہوں پر کر دیا ہے لہذا کسی تفصیلی تجزیہ کی ضرورت یہاں محسوس نہیں ہوتی۔

ہمارا دوسرا سوال یہ کہ یاجوج ماجوج کون ہیں:

اس سلسلے میں مولانا حفظ الرحمن۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد ظفر اقبال صاحب کی کتاب کی تفصیلات بہت کافی ہیں جس کا مفہوم ہے کہ یہ قومیں آریانہ علاقہ کی خانہ بدوش قومیں تھیں البتہ یہ بات کسی طور پر درست نہیں ہے کہ ترک یاجوج ماجوج کی آبادی کا وہ حصہ ہیں جو سد کے پہلی طرف رہائش پذیر تھے۔ یہی بات مولانا سیوہاروی نے صفحہ ۱۹۵ پر فرمائی ہے۔

قرآنی بیان واضح کرتا ہے کہ یاجوج ماجوج پہاڑ کے کسی ایک طرف رہائش پذیر تھے اور



دوسری جانب وہ مظلوم قوم تھی جس کا سرمایہ بہت ہی تھوڑا ہوتا۔ اور جس کو یا جوج ماجوج لوٹا کرتے تھے ایسی صورت میں یہ داستان کہ یا جوج ماجوج کے ۲۲ قبیلے تھے ۲۱ ایک طرف اور ایک طرف اور یہ ایک طرف والے ترک کہلائے ناقابل قبول داستان ہے۔ اس لیے کہ ترک عربی زبان کا لفظ ترک یا ترک کا مفہوم چھوڑنے والے یا چھوڑ دئے گئے کے ہیں اور اس علاقہ کی زبان عربی نہیں ہے۔ موجودہ ترک آری نسل کا ایک حصہ ہیں جو اپنے اجداد کے نام پر ترک اور منگول کہلائے۔ منگول جب ہندوستان کی سلطنت پر قابض ہوئے تو انہوں نے اپنے آپ کو منگل کہلانا شروع کر دیا جبکہ اس سے قبل شہاب الدین غوری سے لیکر خلجی خاندان سب ترک نسل سے تھے۔ توریث اور حزقی ایل کی عبارت کے مطابق یہ لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد کے کسی وقفہ کے لوگ ہیں مولانا آزاد کے مطابق یا جوج ماجوج کا نام سب سے پہلے عہد عتیق (تورات) میں آیا ہے حزقی ایل نبی کی کتاب میں جنہیں بخت نصر اپنے آخری حملہ بیت المقدس میں گرفتار کر کے بابل لے گیا تھا جو سائرس کے ظہور تک زندہ رہے صفحہ ۵۰۹ کے بعد مولانا آزاد نے نقشہ دیا ہے جس میں سد ذوالقرنین کی نشاندہی کی ہے بہر حال مولانا آزاد کی تحریر سے جناب مولانا انور شاہ کشمیری کی رائے کہ روسی یا جوج اور ایل یورپ ماجوج کو تقویت ملتی ہے۔ خواہ قابل تسلیم نہ ہو سکے۔

مزید براں ۸۹ پر جناب حنیفہ بن اسعد کی حدیث میں زبان مبارک ﷺ نے آغاز قیامت میں دور قرب قیامت میں یا جوج ماجوج کے خروج کی بات کی ہے اور خروج میں حصول اقتدار بھی آجاتا ہے اور اگر ہم ان تفاسیر سے اسرائیلی روایات کا حصہ نکال دیں تو مولانا انور شاہ کشمیری کی بات کسی حد تک باوزن شمار ہو سکتی ہے لیکن مولانا مناظر حسن گیلانی کی رائے میں مذکور دلائل سے انکار بھی آسان نہیں محسوس ہوتا ہے۔

اب تیسرا سوال ہے کہ یہ سد کہاں ہے:

مولانا آزاد نے اپنے نقشہ کے ذریعہ اسے کاکیشیا کے علاقہ میں بتایا ہے مولانا حفظ الرحمن صاحب نے بڑی تفصیلی بحث کے بعد اسے سمرقند کے محاذات میں بتایا ہے۔ اور صفحہ ۲۰۱ جلد ۳ میں درہ داریال کے قریب بتایا ہے یہی رائے مولانا آزاد کی ہے تفصیل کے لیے مولانا آزاد اور مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی کو اسی کتاب میں پڑھیں۔ مولانا آزاد کی صفحہ ۵۳ کی تحریر اور راہ اسلام کی تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دیوار موجود ہے خود مولانا سیوہاروی کی تحریر صفحہ ۵-۲ کے مطابق یہ دیوار موجود ہے اور کاکیشیا کے درہ داریال پر ہے اور فیض الباری ج ۴۔ صفحہ ۲۳ کی یہ تفصیل کہ یہ سد اب



ٹوٹ ہو چکی ہے بے بنیاد ہے۔ یا جوج ماجوج کے پھلنے اور فتنہ اٹھانے سے اس دیوار کا ٹوٹنا لازم نہیں آتا۔ اور حضرت قتادہ کی حدیث کہ کسی نے یہ دیوار دیکھی ہے اور ایسی ایسی ہے اور اس کے بعد اور رسول کریم کی اس کی بیان کردہ کیفیت کی توثیق تصدیق کے بعد تو اس دیوار کے وجود کا ہمارے اوپر اس کی تحقیق کر کے دنیا کے سامنے لانا فرض ہو جاتا ہے۔

اب چوتھا سوال یہ ہے کہ ویل للعرب کی حقیقت کیا ہے:

در اصل اس میں یا جوج ماجوج کا اضافہ موضوعی ہے اس لیے کہ یا جوج ماجوج کے فتنوں کا صرف عربوں سے ہی تعلق نہیں ہے بلکہ ساری دنیا سے ہے لہذا اس کا مفہوم کلیتاً رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جو فتنے قتل حضرت عمر، قتل حضرت عثمان قتل حضرت علی۔ جنگ جمل اور ان کے بعد تاتاریوں کا بغداد کی تباہی پر صادق آتا ہے تاتاری تباہی کی تفصیل مولانا محمد ظفر اقبال کی کتاب کے صفحہ میں دی ہوئی ہے جس کی تفصیل شامل کتاب ہذا ہے۔

میری رائے میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حفظ الرحمن صاحب کی تفصیلات سے ذوالقرنین کی دیوار کا تعین ہو جاتا ہے اور مولانا ظفر اقبال صاحب کی تفصیلات سے مجوزہ موضوع احادیث کی مکمل کیفیت واضح ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی ان کے اسرائیلی روایات ہونے کی تصدیق کتاب اسرائیلی روایات سے ہو جاتی ہے۔ نقشہ اٹلس میں اس جگہ کی جہاں دیوار ہے واضح نشانہ ہی کر دی گئی ہے اس طرح مضمون کی تشنگی کا ازالہ کما حقہ ہو گیا ہے تاہم زاید تحقیق کے دروازے کبھی بند نہیں ہوا کرتے لہذا میں درخواست گزار ہوں کہ دوسرے حضرات اس میدان میں توجہ فرمائیں کیونکہ میرا یہ دعویٰ قطعاً نہیں ہے کہ جو کچھ میں نے تجزیاتی طور پر لکھا ہے وہ صد فی صد درست ہے۔ صرف میری بھرپور کوشش کا نتیجہ ہے۔



## قرب قیامت کے مفہوم پر ایک نوٹ

ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کے واقعات میں بعض جگہ قرب قیامت کا ذکر آیا ہے۔ قرب قیامت کا صحیح مفہوم کیا ہے اس مسئلہ پر ہمیں درج ذیل اقتباسات پر نظر ڈالنی چاہئے۔

۱/ مشکوٰۃ شریف جلد سوم۔ ناشر کتب خانہ رحیمیہ دیوبند۔ باب قرب ساعت فصل دوم صفحہ ۵۳

حدیث ۵۲۷۷۔ حضرت مستورد بن شدادؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے ”میں قیامت کی ابتدا میں بھیجا گیا ہوں۔ پھر میں قیامت سے اتنا بڑھ گیا جتنا یہ انگلی (درمیانی انگلی) اس انگلی (یعنی شہادت کی انگلی) سے بڑھی ہوئی ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے درمیانی اور شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ کیا (ترمذی شریف)

حدیث ۵۲۷۸۔ حضرت سعد بن وقاصؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھ کو امید ہے کہ میری امت اپنے پروردگار کی نظر میں اتنی عاجز نہیں ہے کہ اس کا پروردگار اس کو آدھے دن کی مہلت اور دے دے اور قیامت قائم نہ کرے۔ سعد بن وقاص سے پوچھا کہ آدھا دن کتنا ہوتا ہے جس کا ذکر نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ انھوں نے کہا پانچ سو برس (رواہ ابوداؤد)

سیرت حلبیہ جلد اول (طباعت سلسلہ ماہانہ)

صحاح کے طریقے سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ دنیا سات دن کی ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کا ہے اور رسول اکرم ﷺ کا ظہور آخری دن میں ہوا ہے۔

نوٹ: مندرجہ بالا عبارات سے ظاہری مفہوم درج ذیل سمجھ میں آتا ہے

درمیانی انگلی۔ شہادت کی انگلی سے تقریباً چھٹا حصہ بڑھی ہوتی ہے۔ اگر مشکوٰۃ شریف کی احادیث اور سیرت حلبیہ کے اقتباس پر اعتبار کر لیا جائے اور یوم قیامت کو ایک ہزار سال تسلیم کر لیا جائے تو یوم قیامت کا آغاز رسول اکرم ﷺ کی پیدائش (ظہور سے مراد اگر نبوت لی جائے) تو بعثت کے (۱۰۰۰ ÷ ۶ = ۱۶۷) سے ۱۶۷ سال بعد ہوگا۔ اگر اس وقت تک نسی کی آیات منسوخی کا نزول ہو چکا ہے تو یہ سال قمری شمار ہونگے اور وہ نزول آیات اس وقت کا ہے جب آیات نسی کی منسوخی کا حکم نازل نہیں ہوا ہے اور ہر تیسرے سال ایک ماہ کا اضافہ کر لیا جاتا ہے تو یہ سال شمسی شمار ہونگے قمری سال کے اعتبار سے یوم قیامت رسول کریم ﷺ کی پیدائش یا نبوت کے ۱۱۶۷ سال بعد ختم ہوگا اور اس میں مزید نصف یوم کے اضافہ کے بعد ۱۶۶۷ سال قمری پر قیامت کا دن ختم ہوگا۔ ابھی ۱۴۳۰ ہجری ہے پیدائش



کے اعتبار سے ۱۲۸۳ھ اور بعثت کے اعتبار سے یہ ۱۴۴۳ء اور سال ہے یعنی نزول قیامت کے تصور میں صرف ۲۲۲ سال یا ۲۷ سال قمری باقی ہیں (1443-1667=224) اور اگر ان آیات کا نزول اس وقت کا ہے جب کہ سال کے شمار میں کسی کا طریقہ ممنوع نہیں ہوا ہے اور سال ۳۶۵ دن ہی کا شمار کرنے کے لئے ہر تیسرے سال ایک ماہ بڑھا کیا جاتا ہے تو یہ مدت مزید بڑھ سکتی ہے۔ لیکن یہ سب میرا پنا قیاس ہے کوئی ضروری نہیں ہے کہ درست بھی ہو البتہ جب ہم دنیا کی حالت پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں۔

ایجادات کی تیز رفتاری۔ تباہ کن ہتھیاروں کی افزائش۔ اخلاقیاتی قدروں کی پامالی۔ مذہب بیزاری اور اس کے نام پر دوسروں کی بربادیاں۔ زنا عام۔ جوا۔ شراب خوری عام۔ بنکوں کے توسط سے سود خوری عام۔ نا اہل اور ناہنجار لوگوں کا حکومتوں پر قابض ہو جانا۔ فلسطینیوں اور یہودیوں کی جنگ کا آغاز جو شاید رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی والی جنگ بھی شاید ثابت ہو سکے اور دنیا کے بڑے حصہ کو تباہ کر کے دابۃ الارض کا کفر و اسلام کی نشاندہی کا کام آسان کر دے چاند پر انسان کا پہنچنا یعنی لڑکھن طبقا طبقا کی تکمیل ہو چاہتی ہے بلکہ انہ عقائد دن بدن فروغ پا رہے ہیں خود مسلمان دین حق سے دور ہو رہے ہیں اس کے بعد ہمیں یقین کر لینا ہی ہو گا کہ قرب قیامت کی بقیہ پیشین گوئیاں بھی بہت جلد ظہور پذیر ہو جائیں گی اور فحش کا مفہوم بھی شاید کچھ دوسرا سامنے آجائے۔

لہذا قرب قیامت کے مسئلے پر ہمیں یقین کر لینا چاہئے کہ ہم قرب قیامت کے آخری دور سے ہی گزر رہے ہیں۔

میری یہ کاوش تحقیقی ابتداء ہے اور ابتدا سے اختلاف ممکن ہوا کرتا ہے اور اس میں غلطیوں کا بھی امکان رہتا ہے۔ لہذا میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہی حرف آخر ہے۔ میں اپنے قارئین کو یہ حق دیتا ہوں کہ وہ مجھے جس خطاب سے نوازا جا رہا ہے نواز سکتے ہیں میں اس کا برا نہیں مانو گا۔ مجھ سے اگر کسی مسئلہ پر معلومات چاہیں تو میرا پتہ درج ذیل ہے۔  
میری خواہش ہے کہ کوئی صاحب اس موضوع پر مزید تحقیق کریں۔

نیاز مند

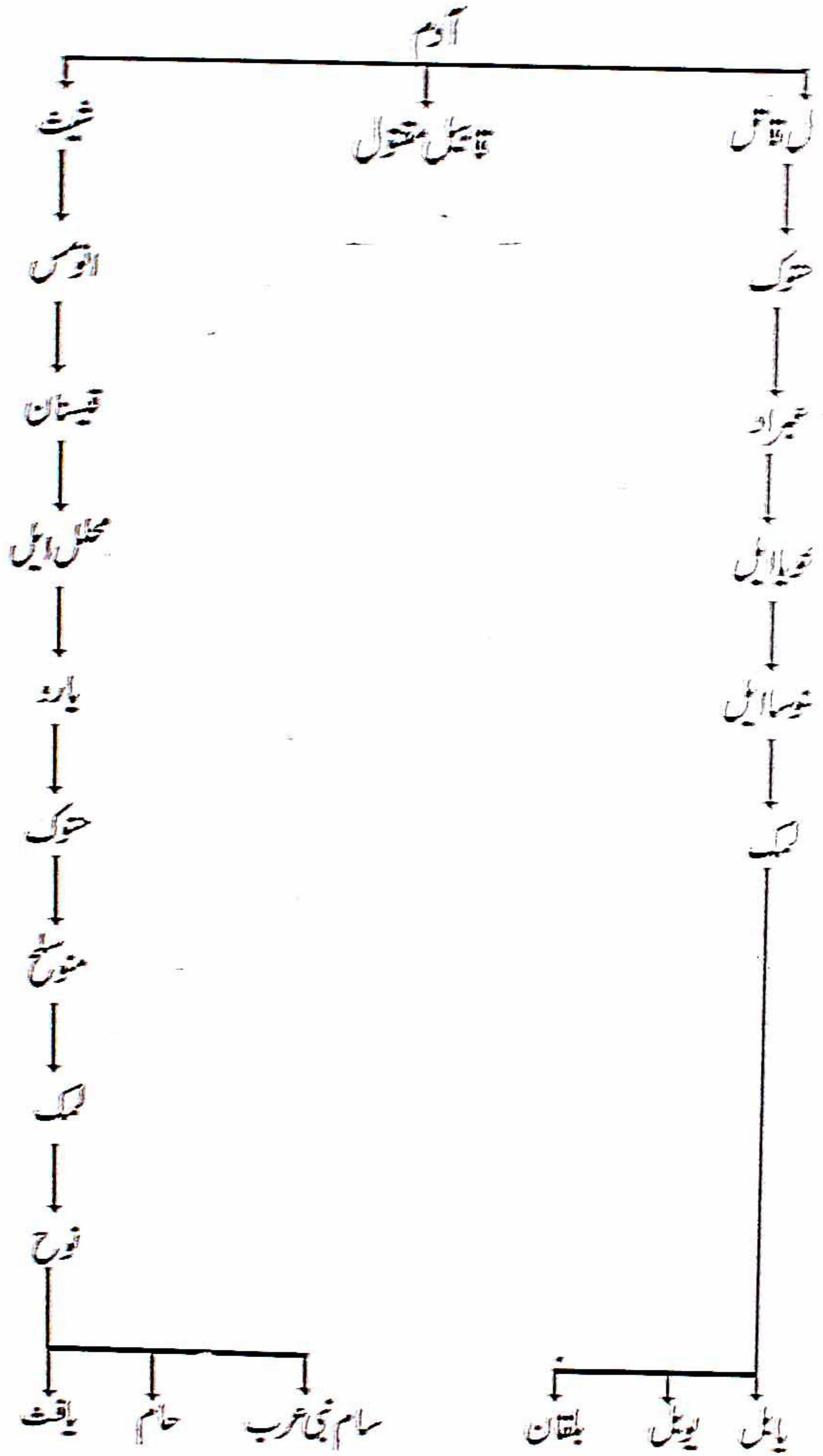
حکیم ظل الرحمن

بی۔ ۲۹، جوہری فارم، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

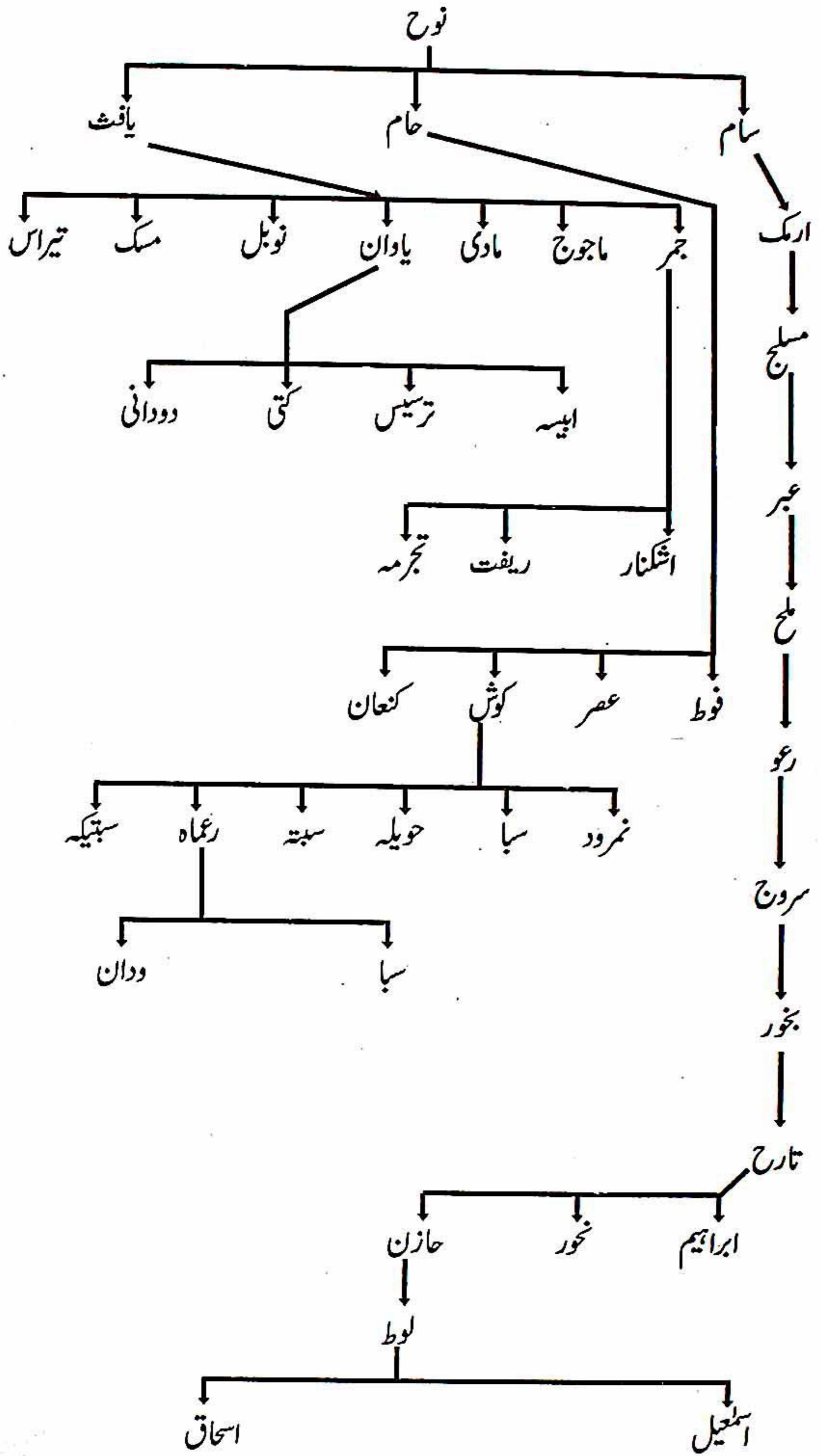
Ph.: 65357010, 9891084798



شجرہٴ جوجہ ماجوجہ از روئے تورات باب پیدائش









## اعتماد

محترم حضرات!

مجھے اس امر کا احساس ہے کہ مجھ جیسی کم علم شخصیت کو اکابرین کرام کی تفاسیر اور احادیث پر بحیثیت مرتب قلم اٹھانا کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا اس لیے کہ میں تو ان حضرات کی جوتیاں سیدھی کرنے کا بھی اہل نہیں ہوں۔

لیکن قرآنی تحقیقات پر جو جو دطاری ہو گیا ہے اور جس کو پہلی بار مولانا آزاد نے انا انٹرنلناہ فی لیلۃ القدر کی تفسیر میں توڑا ہے کے مشن کو آگے بڑھانا بھی امت پر فرض کفایہ ہے۔ نیک نیتی اور خلوص سے کی گئی اجتہادی غلطی قابل معافی ہوتی ہے بلکہ اس کے نتیجہ میں دوسروں کو تحقیق کا اور صحیح بات کی تلاش کا موقع ملتا ہے اور تلاش صحت کی جستجو برقرار رہتی ہے۔

قرآنی تحقیق کا کام اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب ہم دوسری آسمانی اور مذہبی کتابوں کا بھی مطالعہ کریں۔ الحمد للہ میرے پاس چاروں انجیل۔ انجیل برناباس توریت۔ معہ صحائف موسیٰ۔ زبور بقرید۔ رگ وید اردو میں اتھروید ہندی میں گرو گرنٹھ صاحب انگریزی میں اور اقوال نانک اردو میں موجود ہیں۔ ساتھ ہی قرآن کریم کی آیات کا شان نزول اور سیاق و سباق کی تفصیلات بھی موجود ہیں۔

اختلاف رائے کوئی نامناسب شے نہیں ہوا کرتی بشرطیکہ نیک نیتی سے ہو اور اپنی تحقیق کو حرف آخر نہ سمجھا جائے نیز اس میں کسی بھی صورت میں اکابرین کا احترام متاثر نہ ہو خواہ آپ نے ان کی رائے سے کتنا ہی عدم اتفاق کیا ہو۔

اس کتاب میں مختلف جگہ پر خصوصاً مولانا ظفر اقبال صاحب کی کتاب کے اقتباسات بحیثیت مرتب میں نے نوٹ تحریر کئے ہیں جو میری ذاتی رائے ہیں کوئی ضروری نہیں کہ آپ ان سے اتفاق فرمائیں مگر عدم اتفاق کے لئے بھی کوئی دلیل ہونی چاہئے محض تقلیدی اعتقاد مناسب نہیں ہے۔



# ترجمہ متن معلومات بزبان انگریزی حاصل شدہ بذریعہ

## انٹرنیٹ

نوٹ: انگریزی زبان میں ان کا حصول میرے صاحبزادے عبدالرحمان صاحب اور اس کا ترجمہ جناب ڈاکٹر سلطان صاحب دہلی۔ جناب موجی خان صاحب رٹائرڈ AC.P دہلی اور جناب ڈاکٹر محمد مستقیم صاحب امر وہہ کی محنتوں کا مرہون منت ہے۔ دعا گو ہوں کہ باری تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر سے نوازے۔

☆☆☆☆☆

### شہر در بند۔ صوبہ داغستان مملکت روس

داغستان روسی وفاق کی سب سے بڑی قفقاز (کاکیشین) جمہوریہ ہے جس رقبہ ۵۳۳۰۰ مربع کلو میٹر اور آبادی ۲۱ لاکھ ہے اس جمہوریہ کی سرحدیں آذربائیجان اور جارجیا کے ساتھ ہی روسی وفاق چینیا اور روس کی جمہوریتوں سے بھی ملتی ہیں۔

داغستان ایک طویل مگر قدرے منتشر تاریخ کے بعد ۱۹۲۰ء میں ایک خود مختار جمہوریہ کے طور پر وجود میں آیا اور آج یہ دنیا کا ایک انتہائی پیچیدہ نسلی گروہوں کا مجموعہ ہے اس میں ۳۲ مختلف نسلی گروہ شامل ہیں جن میں سے اہم اس طرح ہیں۔

۱- اوری ۲- روسی ۳- درغینی ۴- کومیسی ۵- لزیگینی ۶- لاکی ۷- آزری

۸- تیسرانی ۹- چچنی ۱۰- نوکائی ۱۱- رتومی ۱۲- زاخوری

داغستان جس کا بحر خزر (کیسپین) کا ساحل تقریباً ۴۰۰ کلو میٹر ہے ۴۲۔ اضلاع دس شہروں اور ۱۴ قصباتی آبادیوں میں منقسم ہے سابق میٹروپولس بتدریج گھٹا لایا داغستان کا دارالسلطنت ہے اس کی سرحدیں آذربائیجان اور جارجیا سے اور اندر کی طرف روسی وفاق چینیا سے ملتی ہیں۔

روسی جمہوریہ داغستان کی ایک خاصی آبادی (تقریباً ۸۰۰۰۰) آزری افراد کا وطن ہے وہ خاص طور پر در بند ضلع رایوں جو داغستان کے دارالسلطنت تچکالا سے تقریباً ۱۲۵ کلو میٹر جنوب و مشرق میں واقع ہے میں آباد ہیں اور ایک کثیر آبادی تبار سار تسک ضلع میں بھی آباد ہے در بند روسی وفاق میں آخر جنوب میں واقع ہے اور یہ داغستان کا دوسرا انتہائی اہم شہر ہے جس کی آبادی نوے ہزار ہے۔ کثیر نسلی گروہ آزیوں کا ہے اس کے بعد لزیگن اور تبار سارن کا نمبر ہے۔ کسی اختلاط سے بچنے کے لئے براہ کرم ذہن نشین رکھیں کہ در بند نام کا



ایک اور شہر ازبکستان کے جنوب میں صوبہ سرخنداریوں میں بھی واقع ہے۔

یہ شہر بحر (کیسپین) کے مغربی ساحل کے پاس دریائے رویاس کے جنوب میں کوہ نیاسارن (جو کوہ قفقاز سلسلے کا ایک حصہ ہے) کے ڈھلانوں پر واقع ہے در بند میں نقل و حمل کے معقول ذرائع مہیا ہیں اور اس کی اپنی بندرگاہ ہے اور ایک ریلوے لائن جو جنوب میں باکو کی طرف جاتی ہے اور ہان روسو و کو جو۔ ڈان شاہراہ پر واقع ہے)

قفقاز میں در بند ایک اہم کلیدی مقام کی حیثیت رکھتا ہے یہ شہر بحر خزر (کیسپین) اور کوہ قفقاز کے درمیان ایک پتلے اور لمبے زمینی لمبے خطے ۳ کلومیٹر پر مشتمل ہے جو جنوب مشرق یورپ اور مشرق وسطیٰ کے درمیان زمینی نقل و حمل کا ذریعہ ہے۔

روسی وفاق میں در بند شہر کو سب سے قدیم شہر مانا جاتا ہے۔ عہد عتیق سے ہی اس علاقے کی اہمیت باب قفقاز کے طور پر تسلیم کی جاتی ہے اور در بند میں موجود آثار قدیمہ 5000 سال سے بھی زیادہ پرانے ہیں ان کی جغرافیائی خصوصیات کے نتیجے میں یہ شہر پہاڑوں سے لے کر ساحل سمندر تک پھیلی دو دیواروں کے درمیان ترقی پذیر ہوا ہے۔ وقت کے ساتھ مختلف اقوام نے اس کو مختلف نام دیئے لیکن ان سب میں لفظ در (باب) مشترک رہا ہے۔

در بند کے علاقے میں پہلی کثیر مستقل آبادی کی تاریخ آٹھویں صدی قبل مسیح بتائی جاتی ہے۔ چوتھی صدی عیسوی تک یہ قفقازی البانیہ کا حصہ رہا۔ اس وقت یہ ساسانی سلطنت کا ایک مضبوط قلعہ اور بندرگاہ بن چکا تھا۔ پانچویں اور چھٹی عیسوی کے دوران در بند۔ قفقاز کے علاقے میں عیسائی مذہب کی تبلیغ و ترویج کا اہم مرکز بھی رہا ہے

۶۳۰ء میں خضر خانخانان نے اس پر کئی حملے کئے۔ ۶۵۴ء میں در بند عربوں کے قبضہ میں آ گیا جنہوں نے اس کو اپنی انتظامیہ کے ایک اہم مرکز میں تبدیل کر دیا اور اس خطے کو اسلام سے روشناس کرایا۔ دسویں صدی عیسوی میں زوال خلافت کے ساتھ در بند ایک امارت میں تبدیل ہو گیا۔ اور ۱۲۲۹ء تک جب تک کہ منگولوں نے اس پر حملہ کیا بطور امارت برقرار رہا۔ چودھویں صدی عیسوی میں اس پر تاتاری حکمران تیمور نے قبضہ کر لیا۔ ۱۴۳۳ء میں اس پر شیرواں خان نے قبضہ کر لیا۔ سولہویں صدی کے دوران در بند ترکی اور فارس کی آذری صفوی قبیلہ کے حکومت کے درمیان جنگ کا سبب بنا سترہویں صدی کے اوائل میں صفوی شاہ عباس نے ترکوں کو ایک شکست دے کر در بند پر اپنا قبضہ جمایا۔

۱۷۳۵ء میں گنجا کے ایک معاہدے کے تحت در بند ملک فارس میں شامل کر لیا گیا۔ ۱۷۴۷ء میں



در بند خانہا ہی سلطنت کا دارالسلطنت بنا لیا گیا۔ آخر کار ۱۹۶۱ء میں فارس کی دوسری مہم میں شامل روسی افواج نے اس پر قبضہ جمایا بعد میں روس اور فارس کے درمیان ۱۸۱۳ء میں گلستاں معاہدے کے تحت در بند روسی سلطنت کا حصہ ہو گیا۔

در بند شہر کی دیواروں کے بہت سے حصے اور بہت سی نگران مناروں کے آثار آج بھی معقول حالت میں محفوظ ہیں۔ ساحل سمندر تک پہنچنے والی دیوار جو چھٹی صدی عیسوی کے ساسانی بادشاہوں کے عہد میں تعمیر کی گئی تھیں شہر میں بہت اچھی حالت میں محفوظ ہیں شہر میں ایک عبادت گاہ موسومہ بہترین کلا جو ساڑھے چار ہیکٹر کے رقبہ پر مشتمل ہے بہت اچھی حالت میں ہے اور مضبوط دیواروں کے ذریعہ قلعہ بند ہے اس کے غسل خانے پانی کے حوض۔ پرانے قبرستان۔ قافلوں کی قیام گاہیں۔ اٹھارویں صدی کا خان کا مقبرہ۔ آرمینیائی گرجا گھر اور اس کے علاوہ بہت سی مساجد جس میں سب سے زیادہ کلیسائی باسلیقہ دور کی جامع مسجد جس میں ایک مدرسہ بھی ہے جاذب نظر ہے یہ سب قابل دید مقامات ہیں اور محفوظ رکھے گئے ہیں جامع مسجد اور مدرسہ پندرہویں صدی کی تعمیر ہے۔ سترہویں صدی کی کربار مسجد۔ بالا مسجد اور اٹھارویں صدی کی چرتیب مسجد زیادہ قابل دیدہ زیب ہیں۔

یہ شہر مشین سازی۔ غذائی اشیاء۔ شراب و دیگر مشروبات۔ کپڑا صنعت۔ ماہی گیری اور اس سے متعلق ساز و سامان۔ تعمیراتی ساز و سامان اور لکڑی کی صنعت کا مرکز ہے۔ تعلیم کا یہاں معقول انتظام۔ یہاں ایک یونیورسٹی ہے اس کے علاوہ بہت سے تکنیکی تعلیم کے اسکول ہیں۔ ثقافتی اعتبار سے یہاں ایک بہت عمدہ ٹھیٹر ہے جو لڑکن ڈراموں کا مرکز ہے شہر سے تقریباً دو کلومیٹر فاصلے پر ایک تعطیلاتی رہائشی کالونی ہے۔

عملی طور پر در بند حقیقت میں ایک وسیع عجائب خانہ ہے اور اپنے عظیم الشان کوہساروں اور ساحل سمندر سے نزدیکی کی بنا پر صنعت و سیاحت کی ترقی کے لئے زبردست امکانات رکھتا ہے۔ قدیم قلعہ اور شہر اور قلعہ بند فصیل شہر کو ۲۰۰۳ء میں یونسکو کی طرف سے عالمی تہذیبی میراث اور آثار قدیمہ کے طور پر تسلیم کئے گئے ہیں۔ اگر آپ در بند شہر جانا چاہیں تو روسی حکومت سے ویزا لینا ہوگا اور آذربائیجان کے شہر باکو تک آپ کو ریل کی سہولت حاصل ہوگی۔

اکثر یہاں ایک منقش دروازے کو سکندر اعظم کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے در بند شہر مملکت روس کا قدیم ترین شہر ہے قدیم زمانے سے اس علاقے کی قدر و قیمت کوہ قفقاز کے درہ کی بنا پر تسلیم کی جاتی رہی ہے۔

شہر کے جنوب میں دیوار (فصیل) ۵۰ میٹر لمبی کا ساحل سمندر کی جانب کا حصہ ہے جس کو فصیل



سکندر کے نام سے جانا جاتا ہے جس سے آہنی درازہ کو روک لگتی ہے اس کے اندر درہ داریال ہے اور یہ فصیل درہ کے تنگ راستہ کو مسدود کر دیتی ہے اس کی بھی اونچائی ۲۹ فٹ اور موٹائی تقریباً دس فٹ ہے آہنی دروازوں اور متعدد نگران مناروں کے ذریعہ فارس کی سرحد پر ایک قابل قدر تحفظاتی انتظام بن گیا ہے۔

تاریخ:

قفقاز میں در بند گواہیک اہم مقام عسکری نوعیت کا بن گیا ہے یہ شہر ایک تنگ تین کلومیٹر پتلے قطعہ آراضی پر واقع بحر خزر (کیسپین) اور کوہ قفقاز کے درمیان واقع ہے تاریخی اعتبار سے در بند کے حکمرانوں نے شہر کی اس مقامیت کی بدولت یورپ اور ایشیا کے وسیع گھاس کے میدان والے علاقوں اور مشرق وسطیٰ کے درمیان نقل و حمل پر ہمیشہ ہی اپنا قابو برقرار رکھا طویل کوہ قفقاز کو پار کرنے کے لئے دوسرا قابل استعمال راستہ درہ داریال ہی تھا۔

در بند کے علاقے میں پہلی قابل ذکر آبادی کی تاریخ آٹھویں صدی قبل مسیح تک جاتی ہے وقفہ وقفہ سے جو چھٹی صدی قبل مسیح سے شروع ہو کر یہ علاقہ فارس کے بادشاہوں کے قبضہ میں رہا۔ چوتھی صدی قبل مسیح یہ قفقازی البانیہ کا حصہ رہا اور روایتی طور پر یہ دار الخلافہ البانیہ سے منسوب رہا ہے جدید نام در بند ایک فارسی نام ہے جس کے معنی میں بند دروازہ اور یہ نام غالباً پانچویں صدی عیسوی کے آخر یا چھٹی عیسوی کے اوائل میں مروج ہوا جب کہ یہ شہر فارس کے ساسانی حکمران خاندان کے بادشاہ کاوس اول کے لڑکے خسرو اول نے اس کو از سر نو تنظیم کے ساتھ آباد کرایا۔ ۲۹ فٹ فصیل بلند دیواریں اور تیس شمالی جانب میناریں اسی بادشاہ کی تعمیر کرائی ہوئی ہیں۔

آرمینیائی وقائع نگار جو وینزگانکا تو اسی رقم طراز ہے کہ یہ عجیب و غریب دیواریں ہیں جن کی تعمیر کے لئے فارسی حکمرانوں نے ہمارے ملک کا خزانہ خالی کر دیا۔ ماہرین تعمیرات کو جمع کرنا اور تعمیراتی ساز و سامان اکٹھا کرنا کہ جس کا مقصد ایک ایسی عظیم الشان اور گرانڈ عمارت کی تعمیر تھا جو سلسلہ کوہ قفقاز اور عظیم مشرقی سمندر کے درمیان واقع ہو اور در بند شہر ساسانی سلطنت کا ایک مضبوط عسکری اہمیت کا حامل قلعہ اور بندرگاہ بن سکے۔ پانچویں اور چھٹی عیسوی کے درمیان یہ قفقاز میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کا ایک اہم مرکز بھی بن گیا تھا۔

نوٹ:

دیوار ذوقرین کے جائے وقوع کے بارے میں انٹرنیٹ میں دی گئی تفصیلات تقریباً وہی ہیں جو مولانا آزاد اور مولانا حفظ الرحمن صاحب کے مضامین میں درج ہیں نیز ان کی تکرار کو غیر ضروری خیال کرتے ہوئے ترک کر دیا گیا ہے۔



مووشیزکنگانکا تو اسی نے مغربی ترکی خاقانوں کے نونگ یا بگوفوجوں کے ذریعے ۶۲ء میں شہر در بند کے تاخت و تاراج کئے جانے کے واقعہ کو واضح طور پر تحریری طور پر بیان کیا ہے کہ وہ باپ کی فتوحات کو استحکام دینے میں نا اہل ثابت ہوا اور یہ شہر دوبارہ فارس کے قبضہ میں چلا گیا ۶۵۴ء میں در بند پر عربوں کا قبضہ ہو گیا جنہوں نے اس کو ایک اہم انتظامی امور کے مرکز میں تبدیل کر دیا اور اس علاقے کو اسلام سے متعارف کرایا۔ شاہراہ ریشم کے شمالی خطے کی اہم پوزیشن ہونے کی وجہ سے خزر اور عرب جنگوں میں قلعہ بندی کی مخالفت ہوئی اور جنگوں کا باعث ہوئی۔

بحر کیسپین کے مشرقی حصے میں حالہ کھدائی کے دوران جو شہر در بند کے مقابل پڑتا ہے گورکان کی عظیم دیواروں اور قلعہ بندیوں کے آثار جو ساسانی عہد کی تعمیرات کے مماثل ہیں ملے ہیں۔ مماثل قلعہ بندیاں۔ عظیم تر قلعے بند مستقل فوجی قیام گاہیں اور طویل دیواریں بحر کیسپین کے مشرقی ساحل پر دیکھی جاسکتی ہیں جو واقعتاً آب سمندر تک جاتی ہیں جو بحر کیسپین کے پانی کی سطح میں اضافے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

خلیفہ ہارون رشید نے خاصا وقت در بند شہر میں قیام کیا ہے اور اسے ایک اہم تجارتی مرکز بنا دیا تھا۔ عرب خلافت کے اختتام کے وقت، جونویں صدی عیسوی ختم اور دسویں صدی عیسوی ابتدا میں ظہور پذیر ہوئی در بند شہر کی آبادی پچاس ہزار سے زائد تھی اور بہ قفقاز کے علاقے کا سب سے بڑا شہر تھا دسویں صدی عیسوی میں کہ خلافت کے اختتام کے بعد امارت کا دار السلطنت بن گیا۔ اس امارت سے اکثر ہاری ہوئی جنگیں لڑیں جو پڑوسی عیسائی سلطنت سریر سے رہیں سلطنت سریر کو اکثر و بیشتر در بند کی سیاسی صورت حال سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا اس کے باوجود یہ امارت اپنے مد مقابل کے خلاف برسر اقتدار رہی اور ۹۳۹ء تک منگولوں کے حملوں تک باقی رہی۔

چودھویں صدی میں در بند پر تیمور کی فوجوں کا قبضہ ہو گیا ۱۴۳۳ء بہ آذربائیجان کے بادشاہ شیر و نشاہ کے قبضہ میں چلا گیا سولہویں صدی کے دوران در بند ترکی اور فارس جو اس وقت صفوی خاندان کے زیر حکومت تھا کے درمیان جنگوں کا میدان بنا۔ ابتداء سترہویں صدی میں صفوی بادشاہ عباس نے ترکوں کو ایک زبردست شکست دی اور در بند پر قبضہ کر لیا جو اس سے قبل صدیوں تک صفوی حکمرانوں کا حصہ رہا تھا ۱۷۲۲ء میں روسیوں نے ایک جنگ کے ذریعے اس کو چھین لیا۔ ۱۷۳۵ء میں در بند گانجا معاہدہ کے تحت ریاست فارس میں شامل کیا گیا تھا۔

۱۷۳۶ء میں نادر شاہی اقتدار دوبارہ تسلیم کر لیا گیا ۱۷۴۷ء میں در بند اسی نام سے سلطنت خاقان کا دار السلطنت بن گیا ۱۷۹۶ء میں اس پر روسیوں نے پھر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور ۱۸۱۳ء کے ایک معاہدہ



گلستاں کے تحت جو روس اور ایران کے درمیان ہوا یہ روس کا حصہ تسلیم کر لیا گیا۔  
ذوالقرنین کون تھا:

کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ قرآن مجید کی سورہ کہف میں جس ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے وہ کون تھے۔ کیا آپ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب ہے کہ وہ آہنی دروازہ یا آہنی روک جس نے یاجوج ماجوج کو روک دیا آج بھی موجود ہے اور رہتی دنیا تک وجود میں رہے گا۔ وہ کہاں ہے۔

جواب:- دو سینگوں والی شخصیت

اس موضوع پر مفصل جواب جو انٹرنیٹ میں دیا ہوا ہے مولانا حفظ الرحمن صاحب اور مولانا ابوالکلام کی تفصیلات میں بعینہ موجود ہے لہذا اس حصہ کا ترجمہ کرنے سے گریز کیا جاتا ہے یہی صورت حال یاجوج ماجوج کی بھی ہے ان کا تفصیلی تذکرہ جو انٹرنیٹ میں ہے ہر دو حضرات کے مضامین میں موجود ہے۔  
دیوار ذوالقرنین:

دنیا میں ایک ہی مقصد تحفظ یاجوج ماجوج کے تحت چار دیواریں تعمیر ہوئی ہیں

۱- دیوار چین یہ عظیم دیوار موشہنشاہ فیگفور نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر تشریف لانے کے ۳۴۶۰ سال بعد تعمیر کرائی۔

۲- وسط ایشاء میں بخارا اور ترند کے قریب در بند نام کے علاقہ میں دیوار تعمیر کرائی یہ شہر در بند از بکستان کے علاقہ میں بھی ہے۔

۳- بحر خزر (کیسپس کے قریب روسی داغستان کے شہر در بند میں تعمیر ہوئی۔

۴- قفقاز کے علاقے میں تیسری دیوار کے مغرب میں کاکیشیا کے علاقہ میں تعمیر ہوئی۔

کیونکہ یہ سب دیواریں ایک ہی مقصد تحفظ از یاجوج ماجوج کے مقصد کے لئے تعمیر ہوتی ہیں اور دو علیحدہ علیحدہ شہر در بند نامی میں تعمیر شدہ ہیں لہذا ذوالقرنین کی دیوار کی تعیین میں قدرے دشواری پیش آتی ہے۔ ان چاروں دیواروں میں سب سے بڑی دیوار چین کی عظیم دیوار ہے لیکن کسی بھی تحقیق کار کے خیال میں کہ ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ مشرقی سمت میں واقع ہے اور قرآن مجید میں جو نشاندہی کی گئی ہے وہ شمالی سمت میں ہے۔

اب دیوار ۲، ۳ اور ۴ بچتی ہیں۔

مورخ مسعودی۔ استخاری اور حموی حضرات کی رائے میں دیوار ۳ یا ۴ ہی ذوالقرنین کی دیوار ہو سکتی ہے کیوں کہ دیوار ۲ کو دیوار ذوالقرنین قرار دینے والے مورخین ایک دوسرے شہر در بند جو بخارا کے نزدیک ہے



کی وجہ سے خلط ملط ہو گئے ہیں حالانکہ ایک مزید شہر در بند داغستان میں بھی موجود ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری صاحب اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام میں نمبر ۴ ہی کو دیوار ذوالقرنین قرار دیتے ہیں جو قفقاز کے علاقے میں ہے تاہم اس کے باوجود علامہ آلوسی کا فرمانا ہے کہ ہم اس دیوار کا محل وقوع نہیں جانتے اور یہ عین ممکن ہے کہ وسیع سمندر اور پہاڑ ہمارے اور دیوار کے درمیان حائل ہیں اور یا جوج ماجوج بھی باقی دنیا کے درمیان حائل ہوں۔  
قرآن کریم میں مذکور عظیم سائرس (کے خسرو):

ازواسکیڈنا آزادانسیکلویپیڈیا۔ سائرس اعظم کا قرآن مجید میں تذکرہ ذوالقرنین (عربی زبان میں جس کا مطلب ہے دو سینگوں والا۔ ذوالقرنین کے بارے میں بیان ہے یہ آج بھی زبردست بحث کا موضوع ہے کہ تاریخی اعتبار سے وہ کون سی شخصیت ہے جو ذوالقرنین کی عکاسی کرتی ہے۔ روایتی طور پر بہت سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ سکندر اعظم پر ہی ذوالقرنین کا لقب صادق آتا ہے تاہم اس کے متبادل نظریات اور تاویلات پیش ہوئی ہیں ان میں سب سے اہم اور نمایاں یہی ہے کہ ذوالقرنین علاوہ سائرس (کے خسرو) کے کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ اس امر کی تصدیق مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔ ہندوستانی وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد علامہ طباطبائی۔ مولانا ناصر مکرّم شیرازی نے فرمائی ہے۔ سائرس زرتشت مذہب پیروکار تھا جس کے عقائد میں اسلام اور یہودیت کے عقائد بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔

ذوالقرنین ایک عظیم حکمران اور ایک عظیم فاتح رہا ہوگا جس کی فتوحات مشرق سے مغرب تک اور تیسری جانب شمال تا جنوب تک پھیلی ہوئی تھیں قرآن مجید کے نزول سے پہلے متعدد تاریخی شخصیات رہی ہیں جو اس طرح عظیم المرتبت فاتح رہی ہیں ذوالقرنین کی شخصیت کی تلاش ان ہی شخصیات میں تلاش کرنے کی ضرورت تھی اور جب ہم اس طرح نظر ڈالتے ہیں تو سائرس کے شخصیت قرآن کی بیان کردہ شخصیت کے عین مطابق نظر آتی ہے۔

اس لقب کا کسی ایسے حکمران پر ہی اطلاق ہو سکتا ہے جس نے اپنی سلطنت کو یا جوج ماجوج کی در اندازیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے کسی پہاڑی درے کے ایک جانب سے دوسری جانب تک ایک مضبوط دیوار تعمیر کرائی ہو۔ اس کی تحقیق کرنے کے سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ تعین کرنا ہوگا کہ یا جوج ماجوج کون تھے۔ اس بات پر بھی غور کرنا ہوگا کہ اس طرح کی تاریخی دیوار اگر تعمیر کی گئی تھی تو کب اور کس ذریعہ سے اور کس خطے یا علاقے سے ملحق ہے۔

اس شخصیت کو مذکورہ خصوصیات کی حامل ہونے کے علاوہ خدائے واحد کا پرستار۔ ایک منصف مزاج حکمران ہونا چاہئے کیونکہ قرآن مجید نے پہلے سورہ کہف میں مذکورہ آیات میں ان خصوصیات کو کسی بھی



دوسری خصوصیات کے مقابلے میں نمایاں کیا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان خصوصیات میں سے پہلی کا اطلاق سائرس (کے خسرو) پر بہ آسانی ہو جاتا ہے کیونکہ پیغمبر دانیال نے اپنے کشف و خواب میں متحدہ سلطنت میڈیا اور فارس کو یونانیوں کے عروج سے پہلے دو سینگوں والے گوسفند ابھیڑ کے طور پر دیکھا تھا (بحوالہ دانیال آیت ۸-۳-۲۰) یہودی ذوالقرنین (دوسینگ والے) کا بہت احترام کرتے تھے کیوں کہ اسی کے حملہ کے نتیجہ میں بابل کی سلطنت کا زوال ہوا اور اسرائیلیوں کو آزادی ملی۔

دوسری خصوصیت کا سائرس پر مکمل طور پر تو نہیں مگر کافی بڑی حد تک اطلاق ہو جاتا ہے اگرچہ اس کی فتوحات کا سلسلہ مغرب میں شام اور ایشیا کو چک (ترکی) اور مشرق میں بختا (بلخ) تک پھیلا ہوا لگتا ہے اگرچہ شمال اور جنوب کی جانب اس کی کسی عظیم مہم کا سراغ نہیں ملتا جب کہ قرآن مجید براہ راست اس کی تیسری مہم کا ذکر کرتا ہے تاہم بعض مورخ اس قسم کی مہم کے پیش آنے کی تصدیق کرتے ہیں اس لئے اس تیسری مہم کو سرے سے خارج از امکان نہیں کہا جاسکتا کیونکہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ سائرس کی حکومت شمال میں قفقاز تک پھیلی ہوئی تھی۔ جب تک یاجوج ماجوج کا تعلق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ وسط ایشیا کے جنگلی قبائل تھے جو مختلف ناموں سے جانے جاتے تھے۔ سنہتھینین پارتھیز۔ تاتاری۔ منگول اور ہن جو ایک عرصہ قدیم سے بہت سی حکومتوں اور سلطنتوں پر اکثر حملے کرتے رہتے تھے اب یہ بات بھی معلوم ہو چکی ہے کہ قفقاز کے جنوبی علاقے میں مضبوط دیوار پشت پناہیں یاد یوار بن تعمیر کی گئیں تھیں لیکن تاریخی طور پر اس کا تعین کرنا باقی ہے کہ کیا یہ سائرس نے تعمیر کرائی تھیں۔

جہاں تک آخری خصوصیت کا تعلق ہے قدیمی حکمرانوں میں سائرس ہی ایک ایسا شناسا فاتح ہے جس پر اس خصوصیت کا اطلاق ہو سکتا ہے کیوں کہ اس کے دشمن بھی اس کے عدل و انصاف کی تعریف کرتے ہیں اور بنی عزرا کو اس بات پر اصرار ہے کہ وہ ایک خدا کی عبادت کرتا تھا اور اس نے خدا ترسی اور خوف خدا وندی کے جذبے کے تحت اسرائیلیوں کو آزاد کرایا تھا اور حکم دیا کہ خدا کی عبادت کے لئے ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی جائے۔

اس طرح مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ نزول قرآن سے قبل مرچکے تمام حکمرانوں میں صرف سائرس (کے خسرو) ہی وہ حکمران ہے جس پر قرآن میں مذکور خصوصیات ذوالقرنین کا اطلاق ہو سکے۔

تاریخی سائرس فارس کا حکمران تھا جس کا عروج تقریباً ۵۴۹ قبل مسیح شروع ہوا اور چند ہی سالوں میں اس نے میڈیا اور لیڈیا کی سلطنتوں پر قبضہ کر لیا ۵۳۹ قبل مسیح تک اس نے بابل پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور کوئی



طاقت و سلطنت اس کے مقابلے میں نہیں رہ گئی تھی اس کی فتوحات مشرق میں ترکستان تک مغرب میں مونی  
شمال میں کاسیشیا تک پھیلی ہوئی تھی اور یہ تہذیبی دنیا کا بہت بڑا حصہ تھا۔  
شمال کی طرف سفر اور یا جوج ماجوج:

وہ دو پہاڑ اس سلسلہ کوہ کے حصے ہونے چاہئیں جو بحر خزر (کیسپین) اور بحر اسود کے درمیان واقع  
ہوں یہ وہی جگہ ہونی چاہئے جس کے لئے کہا گیا ہے کہ ان کے پار یا جوج ماجوج کا علاقہ تھا ان کے ساتھ گفتگو  
ان کی زبان سے عدم واقفیت کی بنا پر مشکل تھی وہ کسی بیرونی زبان سے ناواقف تھے۔

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ یا جوج ماجوج جو شمالی مشرقی ایشیا کے جنگلی قبائل تھے اور جو عرصہ  
دراز سے ایشیا اور یورپ کی مستقل آباد سلطنتوں میں دراندازی کرتے رہتے تھے اور لوٹ مار کرتے تھے۔ کتاب  
ب صینین باب ۱۰ کے مطابق وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافت کی اولاد تھے مسلم مورخوں نے بھی اس کو  
تسلیم کیا ہے اور ایزیکل کی کتاب باب ۳۸-۳۹ ان کی آبادیاں <sup>مسیح</sup> (موجودہ ماسکو) اور تو بل میں تھیں۔  
اسرائیل مورخین کے مطابق وہ سنٹھنین تھے اور ان کی آبادیاں بحر اسود کے شمال و مشرق میں پھیلی ہوئی تھیں۔  
مورخ جیمس کے مطابق ان کی آبادیاں بحر کیسپین کے قریب کاشیاس ہیں تھیں مورخ جروم کے مطابق ان کی  
آبادیاں کاشیاس کے شمال میں بحر کیسپین کے قریب تھیں۔

شمال کی جانب ذوالقرنین کا سفر اور یا جوج ماجوج:

یہ دو پہاڑ اس سلسلہ کوہ کے حصے ہونے چاہئیں جو بحر خزر (کیسپین) اور بحر اسود کے درمیان واقع  
ہے یہ وہی جگہ ہونی چاہئے جہاں دونوں پہاڑوں کے پار یا جوج ماجوج کا علاقہ تھا۔ ان کے ساتھ رابطہ پیدا  
کرنا بہت مشکل تھا۔ ان کی زبان ذوالقرنین اور ان کے ساتھیوں کے لئے قطعی اجنبی تھی کیونکہ وہ مکمل طور پر  
وحشی لوگ تھے کوئی ان کی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا اور نہ ہی وہ کسی دوسری زبان سے آشنا تھے۔

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ یا جوج اور ماجوج شمالی مشرقی ایشیا کے جنگلی قبائل تھے جو عرصہ دراز  
سے ایشیا اور یورپ کی مملکتوں اور سلطنتوں میں دراندازی کرتے رہتے تھے اور ان کو لوٹ کر برباد کرتے رہتے  
تھے۔ کتاب جنیسس (تورات) باب ۱۰ کے مطابق وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافت کی اولاد تھے۔  
اور مسلم مورخوں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے اور کتاب ایزیکل باب ۳۸-۳۹ کے مطابق وہ مسیح (ماسکو) اور تو بل  
میں آباد تھے۔ اسرائیلی مورخ جوف کے مطابق وہ سنٹھنین تھے اور ان کا علاقہ بحر اسود کے شمال و مشرق میں  
پھیلا ہوا تھا۔ مورخ جروم کے مطابق یا جوج ماجوج کاشیاس کے شمال میں بحر کیسپین کے قریب آباد تھے۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہے کہ ان لوگوں نے ذوالقرنین سے یا جوج ماجوج کے حملوں سے تحفظ کے لئے



اس درہ پر ایک دیوار بنانے کی درخواست کی اور اس کے لئے خراج یا عطیہ دینے کا بھی اظہار کیا تو اس نے جواب میں کہا۔

ایک حکمراں کی حیثیت میں تمہارے دشمنوں سے تمہاری حفاظت کرنا میرا فرض ہے اس لئے میرے لئے جائز نہیں کہ میں اس مقصد کے حصول کے لئے تمہارے اوپر کوئی محصول یا ٹیکس عائد کروں۔ وہ خزانہ جو اللہ نے مجھے بخشا ہے اس مقصد کے لئے کافی ہے تاہم تم کو اس کام میں محنت کر کے میری مدد کرنی ہوگی۔

دیوار ذوالقرنین:

تعمیر دیوار کے بعد اس نے کہا اگرچہ میں نے جہاں تک ممکن تھا بہت مضبوط آہنی دیوار تعمیر کرائی ہے لیکن یہ ابدی نہیں ہے کیونکہ یہ دیوار اسی وقت تک برقرار رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ جب میرے مولیٰ کا حکم ہوگا تو یہ ریزہ ریزہ ہو جائیگی پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو منہدم ہونے سے نہیں روک سکے گی۔

بعض حضرات نے یہ غلط فہمی پیدا کرائی ہے کہ ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار اصلاً دیوار چین ہے جبکہ ذوالقرنین کی دیوار کوہ فققاز میں داغستان کے شہر دربند کے درہ داریال کے دو پہاڑوں کے درمیان تعمیر کی گئی ہے اور یہ وہ علاقہ ہے جو بحر خزر (کیسپین) اور بحر اسود کے درمیان میں ہے جن کے درمیان گہری گھائیاں ہیں اور درے ہیں جن سے کسی بڑی فوج کا گذر ممکن نہیں ہے تاہم اندر اس کے پہاڑ اور درے نہیں ہیں۔

زمانہ قدیم سے شمال کی جانب سے وحشی حملہ آور اور فوجی دستے۔ جنوبی علاقوں کو حملہ کر کے تاراج کیا کرتے تھے فارس کے حکمرانوں کو اس کا خوف تھا اس لئے انہوں نے ایسی دیواریں تعمیر کرائی جن میں ایک بڑی دیوار قلعہ بندی کے مقصد سے تعمیر کرائی جو پچاس میل طویل۔ ۲۹ فٹ بلند اور دس فٹ چوڑی جس کے آثار آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ اگرچہ تاریخی طور پر ابھی تک اس بات کو ثابت نہیں کیا جاسکا ہے کہ اس دیوار کی تعمیر کس نے کرائی۔ مسلمان مورخ۔ ماہرین جغرافیہ اس کو ذوالقرنین سے منسوب کرتے ہیں کیونکہ اس کی مماثلت قرآن کریم میں بیان کردہ تفصیلات سے ہوتی ہے۔ اس حقیقت کی پوزیشن یہ ہے دیوار ذوالقرنین کے ساتھ قلعہ بندی اور فصیل کی دیوار ذوالقرنین کے ایک ہزار سال بعد ساسانی عہد میں تعمیر ہوئی ہے۔

ابن جریر طبری: اور ابن کثیر نے اس واقعہ کو درج کیا ہے۔ اور یاقوت الحموی نے اپنی کتاب مجمع البلدان میں تحریر کیا ہے کہ ۲۲ھ ۶۴۳ء آزر باعجان کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے سراقہ بن عمر کو در بند کی تحقیق کی مہم پر بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے عبدالرحمن بن ربیعہ کو اپنے ہراول دستے کا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ جب عبدالرحمنؓ آرمینیا میں داخل ہوئے تو وہاں کے حکمراں شہر باز نے بغیر کسی مزاحمت کے ہتھیار ڈال دیئے اس کے بعد جب عبدالرحمنؓ



در بند کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتے تھے تو شہر باز نے ان کو باخبر کیا کہ اس نے پہلے ہی سے ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لی ہیں اور جس شخص کے ذریعہ اس نے یہ معلومات کی ہیں جو آپ کو ضروری معلومات فراہم کر دے گا اس کو عبدالرحمن کے سامنے پیش کیا (طبری جلد سوم صفحات ۲۳۵ تا ۲۳۹)۔ البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صفحات ۱۲۲ تا ۱۲۵۔ مجمع البلدان زیر باب الابواب (در بند)

دو صدی بعد عباسی خلیفہ الواثق نے پچاس حضرات پر مشتمل ایک وفد بہ قیادت سلام الترجمان دیوار ذوالقرنین کی تحقیق اور مشاہدہ کے لئے ارسال کیا جس کی تفصیلات یا قوت الحموی نے اپنی کتاب مجمع البلدان میں نیز ابن کثیر نے البدایہ میں بہت تفصیل سے بیان کی ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں۔

یہ مہم پہلے سمارہ پہنچی جہاں سے پھر تبلسی اور اس کے بعد براہ السریہ اور علان وہ فلنشاه پہنچے جہاں سے وہ بحر کیسپین کی دلدی کی حدود میں داخل ہوئے اور اس کے بعد وہ در بند پہنچے۔ اور اس دیوار کا نظارہ کیا (البدایہ جلد دوم صفحہ ۱۱۱ مجمع البلدان صفحہ ۱۲۲ تا ۱۲۵ باب الابواب یہ واقعہ اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ دسویں صدی عیسوی تک مسلم علماء اس یقین کو پہنچ چکے تھے کہ ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار در بند کوہ قفقاز نزد بحر کیسپین ہی ہے۔

یا قوت نے اپنی مجمع البلدان میں اس نظریے کی متعدد مقامات پر مزید توثیق کی ہے مثال کے طور پر بحر خزر (کیسپین) کے عنوان کے تحت وہ لکھتے ہیں۔

یہ علاقہ باب الابواب کے عین عقب میں ہے اور دیوار ذوالقرنین سے ملحق ہے جسے در بند کہا جاتا ہے۔ اسی ضمن میں وہ مزید ایک رپورٹ کا ذکر فرماتے ہیں جو احمد بن فضلان نے دی ہے جس کو خلیفہ المقتدر نے بحر کیسپین کی وادی کی مکمل تفصیلات کے لئے ارسال کیا تھا اپنی رپورٹ میں فرماتے ہیں کہ کیسپین ایک ملک کی وادی کا نام ہے جس کا صدر مقام موجودہ استرخان کے نزدیک جس کے بالکل قریب سے دریائے اٹل گذرتا ہے جو بحر کیسپین کے ساحل روس اور بلغار کے سمندر میں گرتا ہے۔

باب الابواب کے تعلق سے وہ کہتے ہیں کہ اس شہر کو الباب اور در بند دونوں ناموں سے پکارا جاتا ہے اور یہ شمالی علاقوں سے جنوب کی جانب آنے والے لوگوں کے لئے انتہائی دشوار گزار راستہ ہے۔ ایک بار یہ علاقہ نوشیرواں کی سلطنت کا بھی حصہ رہا ہے۔ ایرانی حکمران اس طرف سے اپنی سرحدوں کے تحفظ کے لئے خصوصی توجہ دیتے رہے ہیں۔

ذوالقرنین کے بارے میں مورخ محمد علی فرماتے ہیں کہ لفظ قرن کے معنی سینگ کے ہیں اور ایک نسل اور ایک صدی کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ یہاں پر معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کا حوالہ دانیال کے



کشف کے دو سینگوں والے مینڈھے کے لئے دیا گیا ہے جس کو انہوں نے بطور میڈیا اور فارس کے سلطنت سے تعبیر کیا ہے جو ایک واحد حکمراں سائرس (کے خسرو) کے دور میں ایک سلطنت میں ضم کر دئے گئے تھے۔ یہی وہ سائرس ہے جس کو انجیل میں سہو ادارنوس (دارا) کہہ دیا گیا ہے دانیال کے کشفی خواب میں حوالہ دار یوس اول کی طرف ہے نا کہ سائرس کی طرف (ہائس ٹیسس (۵۲۱-۴۸۵ قبل مسیح) جس نے یہودیوں کو اپنی عبادت گاہ کو دوبارہ بنانے کی اجازت دی نبرواہی ج ۵ صفحہ ۴۵-۴۶-۱-۲-۱۰-۱-۱-۱ اور غالباً پہنچ میں بھی صفحہ ۱۲ تا ۲۲ اس کا حوالہ موجود ہے اس کے یہودیوں کی طرف میلان اور اجمانات ہمارے علم ہیں جو اس کے ملک کے عوام کے مذہب سے متعلق عام پالیسیوں کے بارے میں موجود ہیں۔

اور یہ کہ دو سینگوں والا مینڈھا میڈیا اور فارس کا بادشاہ ہے دانیال کی کتاب (۸-۲۰) میں وضاحت سے بیان شدہ ہے جس میں خواب کی تعبیر اس طرح دی گئی ہے۔

وہ مینڈھا جو تم نے دیکھا ہے جس کے دو سینگ ہیں وہ فارس اور میڈیا کا بادشاہ ہے۔

انجیل میں قرآن مجید کے مذکور ذوالقرنین کی تاریخ سہو ادار یوس اول کی طرف ہے۔ دار یوس (دارا) سلطنت فارس کا آرگنائزر ہے۔ اس کی فتوحات کا دائرہ مملکت آرمینیا۔ قفقاز اور ہندوستان تک ہے اور تورانین اور بلند کاشیا اور مرکزی ایشیا تک وسیع رہا ہے (یہودی انسائیکلو پیڈیا دار یوس اول تک ہے)۔ یہی تفصیلات انسائیکلو پیڈیا برطانیہ میں بھی اسی طرح ہیں۔ لیکن دارا ذوالقرنین کے بعد حکمراں ہے۔ دارا اپنے نقوش اور کتبوں سے زرتشی مذہب کا پیرو نظر آتا ہے لیکن وہ ایک عظیم مدبر۔ دانشمند سیاست داں اور منظم بھی تھا۔ فتوحات کا دور ختم ہو گیا دارا نے جو جنگیں لڑیں وہ آکستس کی طرح سلطنت کی مضبوط سرحدوں کے حصول کے مقصد کے پورا کرنے کے لئے تھیں اور وحشی قبائلوں کو سرحدوں سے باہر رکھنے کے لئے۔ اسی طرح دارا نے قفقاز کی جنگی فوجوں کو زیر کیا۔ اسی وجہ سے اس نے سیس اور دیگر تورانی قبائلوں کے خلاف جنگیں لڑیں۔ مندرجہ بالا تفصیلات بہت آسانی سے اس کے ذوالقرنین ثابت نہ ہونے کے کافی ہیں۔

ذوالقرنین کے تین جنگی سفر اور جنگیں بھی اپنی سلطنت کی سرحدوں کے محفوظ کی خاطر تھیں دارا پہلے بحر اسود سے مغرب کی طرف جاتا ہے۔ (آیات ۸۵-۸۶) اس کے بعد مشرق کی جانب سفر کرتا ہے یعنی طلوع آفتاب کے علاقہ میں۔ یہاں پائے جانے والے لوگوں کا حلیہ ایک ایسی قوم کے افراد کا ہے جن کے پاس سورج کی روشنی (دھوپ) سے بچنے کے لئے کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ یہ صورت حال ان جنگی بحر خزر کے ساحلوں پر رہنے والے اصلا آبائی باشندوں پر مشتمل قبائل کا حلیہ ہے (انسائیکلو پیڈیا برطانیہ) میں اس کے



مضمون میڈیا میں مذکور ہے کہ اسہریوں کی کندہ عبارتوں میں مذکور ناموں سے ثابت ہوتا ہے کہ زغردن اور میڈیا کے شمالی حصوں کے قبائل نہ تو ایرانی تھے اور نہ انڈو یورپین بلکہ ایک اصل آبائی قوم تھی جو آرمینیا کے باشندوں کی طرح شاید کوہ قفقاز کے متعدد قبائل سے متعلق تھی۔

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح ایرانی عناصر نے رفتہ رفتہ غلبہ حاصل کر لیا ایرانی ناموں والے شہزادے اکثر ان قبائل کے حکمران نظر آئے ہیں لیکن شمالی میڈیا میں گلانی۔ پتوری۔ قدوسی۔ امردی۔ اتلی۔ اور دوسرے قبائل۔ شمالی میڈیا اور بحر کیسپین کے ساحل پر آباد ایرانی نہیں تھے۔ علامہ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ ابتدائی مفسرین قرآن کا عام طور پر رجحان یہ یقین کرنے کی طرف تھا کہ یہ ذوالقرنین سکندر اعظم تھا لیکن قرآن کریم میں مذکور صفات کا اطلاق سکندر اعظم پر نافذ ہی نہیں ہو پاتا۔

جدید تاریخی شواہد کی روشنی میں قرآن مجید کے ہمعصر مفسرین کا رجحان اس یقین کرنے کی طرف ہے کہ ذوالقرنین ایرانی بادشاہ سائرس (کے خسرو) کی ہی دلالت اور نشاندہی کرتا ہے اور یہ بات زیادہ قرین قیاس اور قابل قبول ہے تاہم معلومات ذوالقرنین کی یقینی شناخت سے متعلق بعض حضرات کو بھی کوئی حتمی رائے قائم کرنے کے قابل نہیں بتاتی۔

کلیدی نکات:

دو سینگوں کا لقب اور اس کی تفصیلات یہودیوں کے علم کے لئے عام تھا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مکہ کے باشندوں سے حضرت محمد ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے کہا تھا اس لئے اس کی تحقیق کے لئے ہمیں یہودی لٹریچر پر ہی انحصار کرنا چاہئے تاکہ معلوم ہو سکے کہ دو سینگوں والے کی سلطنت کون سی تھی۔

مودودی صاحب کی رائے میں چند ہی لوگ ایسے ہیں جو ان تفصیلات پر پورے اترتے ہیں۔ ذوالقرنین کا لقب ایک ایسے حکمران کے لئے ہی استعمال کیا جاسکتا ہے جو یا جوج ماجوج کے حملوں سے اپنی سلطنت کی حفاظت سے سروکار رکھتا ہو۔ اور جس نے پہاڑی درے کے آر پار ایک مضبوط کھنڈی دیوار تعمیر کرائی ہو اور وہ ایک خدا ترس انسان بھی ہو۔

مزید اشارے:

کتاب قرآن و حدیث مصنفہ علی البتی میں مذکور ہے کہ قرآنی آیات میں مذکور صفات کی ایک دیوار درہ داریال جو کاکیشیا میں ہے موجود ہے اور وہاں ایک چشمہ آب بھی جس کو وہاں کے لوگ چشمہ سائرس کہتے ہیں



آرمینیائی لوگ اس دیوار کو بے باگ گرانی کہتے ہیں جس کا مفہوم ہے سائرس کا راستہ۔  
 توریت کے عربی تراجم میں لفظ ذوالقرنین دانیال کی کتاب ۸: ۲۰ میں آیا ہے ترجمہ از عربی جو  
 مینڈھاتم نے دیکھا ہے جس کے دو سینگ میں میڈیا اور فارس کے شہنشاہ کی ترجمانی کرتا ہے۔  
 ذوالقرنین نے اتنی سلطنت کو تین سمتوں میں وسعت دی مشرق، مغرب اور شمال جو بالکل سائرس  
 کی وسعتوں کی طرح ہی ہیں جب کہ اس نے جنوب کی طرف پیش قدمیاں نہیں کی ہیں۔ تورانی جنوبی پیش  
 قدمیاں سائرس کے بعد ظہور پذیر ہوئی ہیں یہ بھی ذہن میں رہے کہ سکندر کی پیش قدمیاں جنوب و مشرق کی  
 طرف کی تھیں۔

حوالہ جات:

- ۱۔ انسائیکلو پیڈیا برطانیکا موضوع ذوالقرنین
- ۲۔ تفسیر المیزان جلد ۲۶
- ۳۔ تفسیر برگزیدہ جلد سوم ص ۶۹
- ۴۔ آرمینائی بی، بی، سی نیوز
- ۵۔ یوسی برکے ماہر آثار قدیمہ ڈیوڈ اسٹروچ
- ۶۔ ایرانیوں در قرآن و روایات سید نورالدین اسطی
- ۷۔ کتاب دانیال بنی باب ۸۔

نوٹ مرتب:

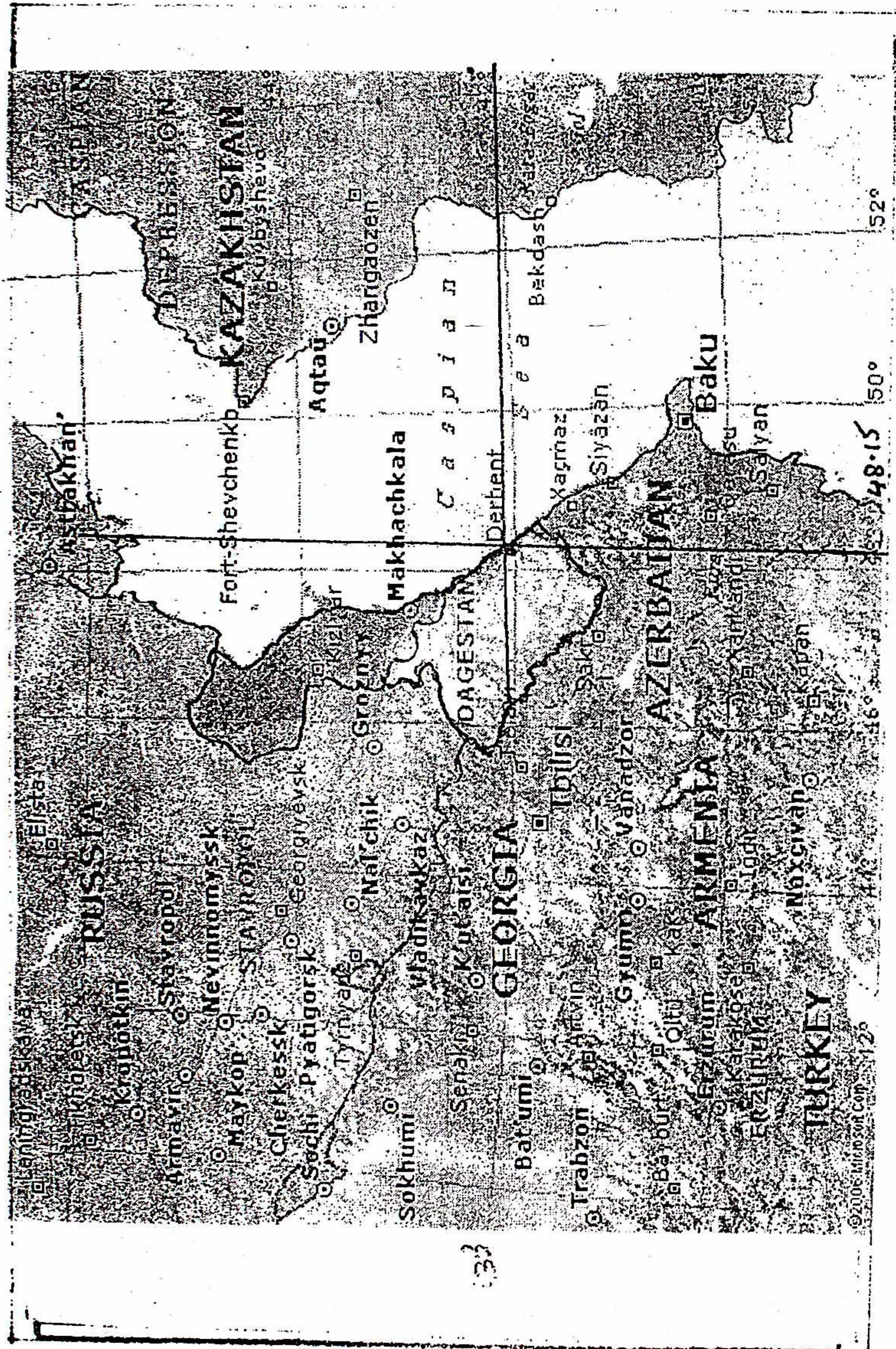
دو سینگوں والے (ذوالقرنین) نام کا سبب اصلاً یہ ہے کہ اس کے تاج پر دو سینگ بنے ہوئے تھے۔  
 تاج کے نوٹوں سے یہ امر ثابت ہے جو اس کتاب میں موجود ہے لہذا اس نام کے لئے دوسری قیاس آرائیاں خود  
 بخود مسترد ہو جاتی ہیں۔



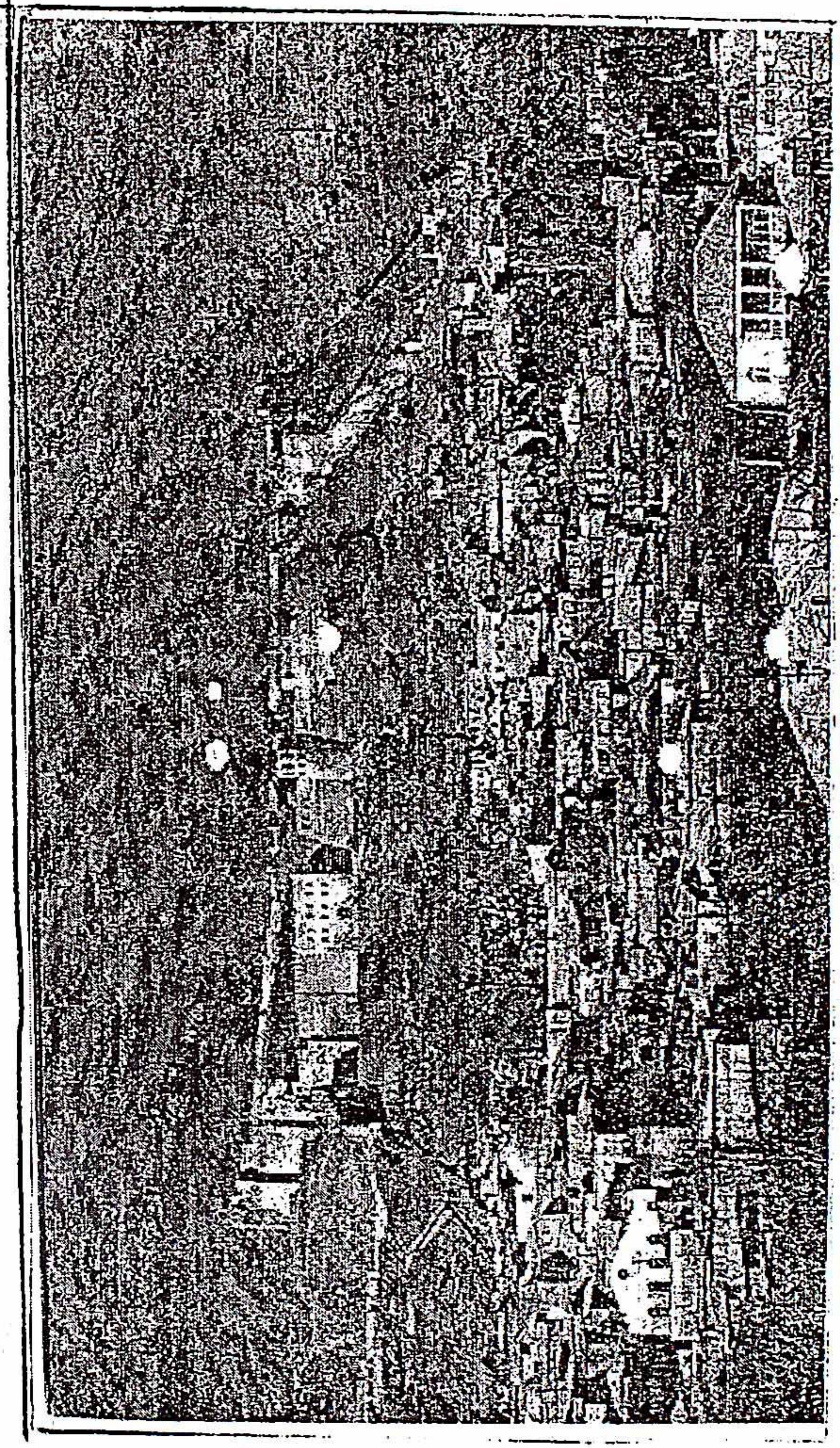






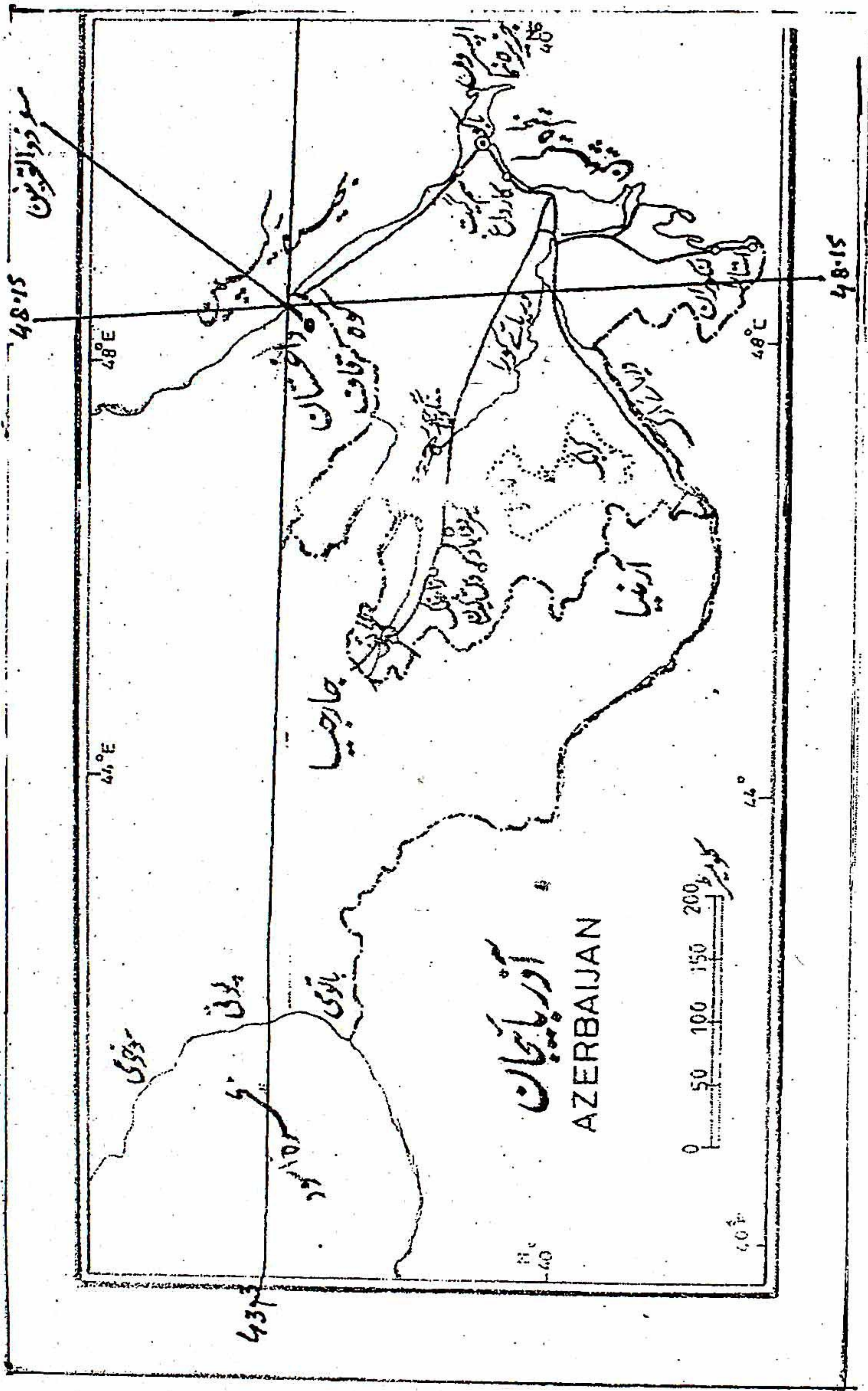






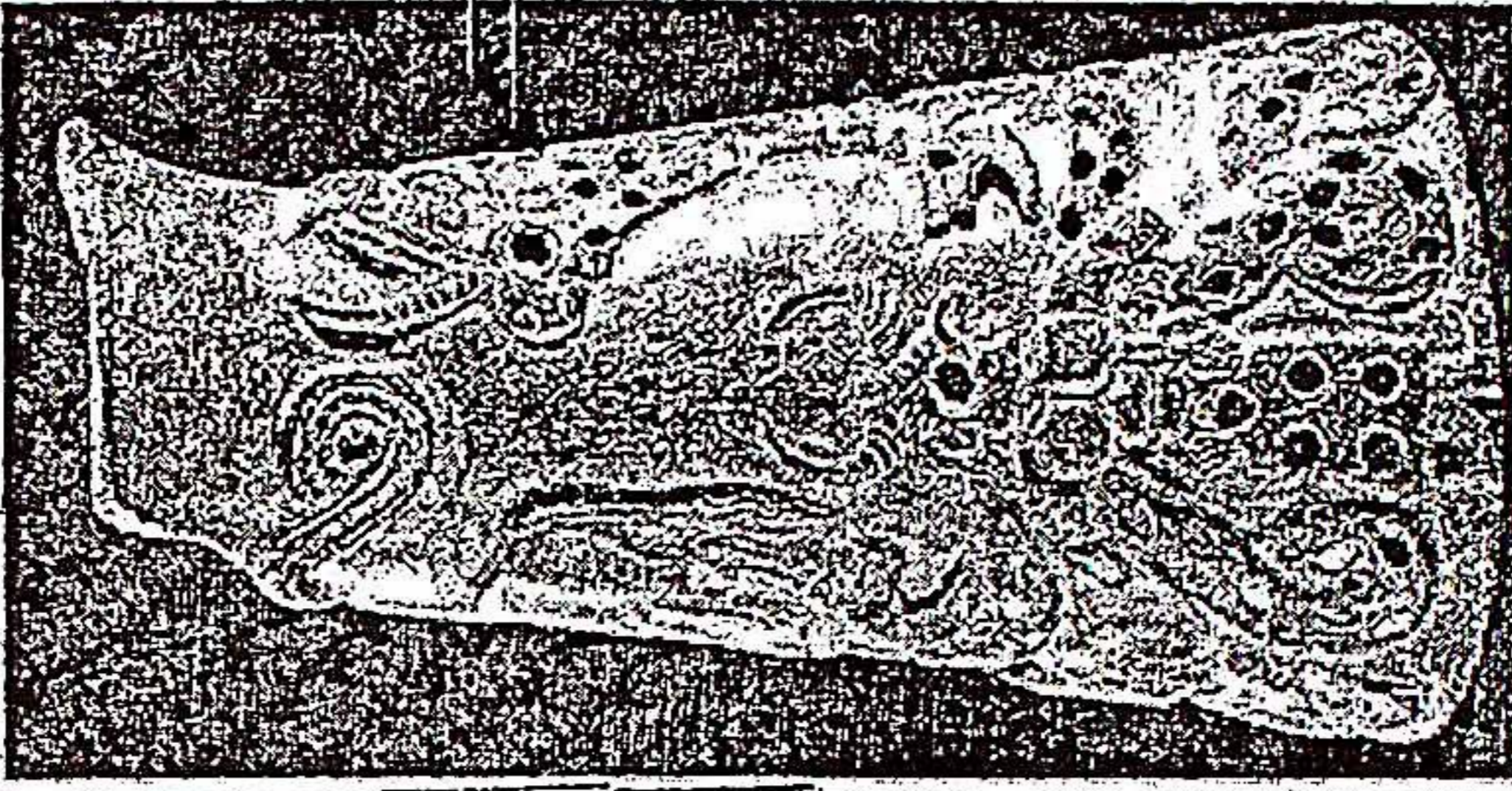
شهر دہلی





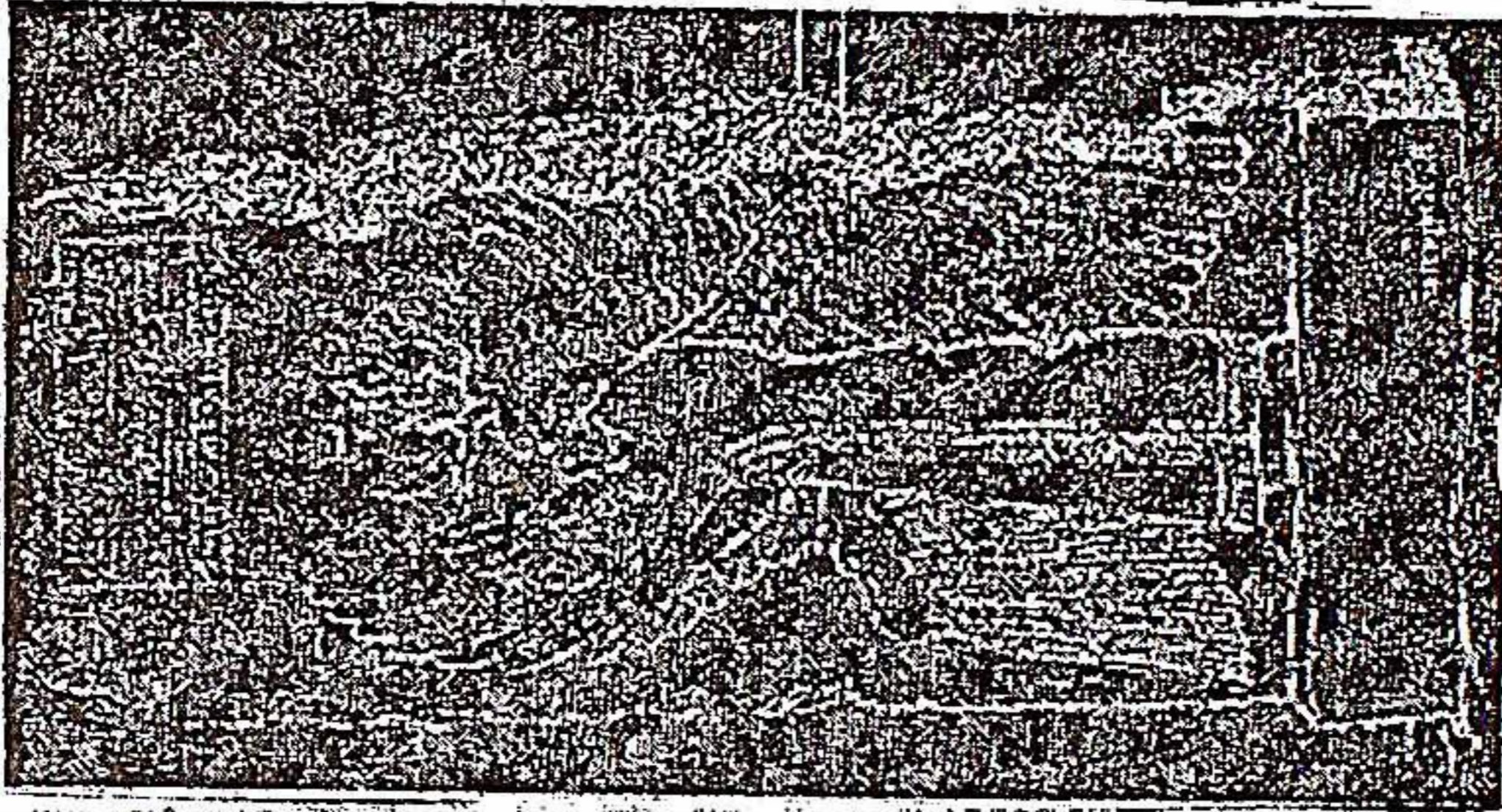


ذوالقرنین کا تاج

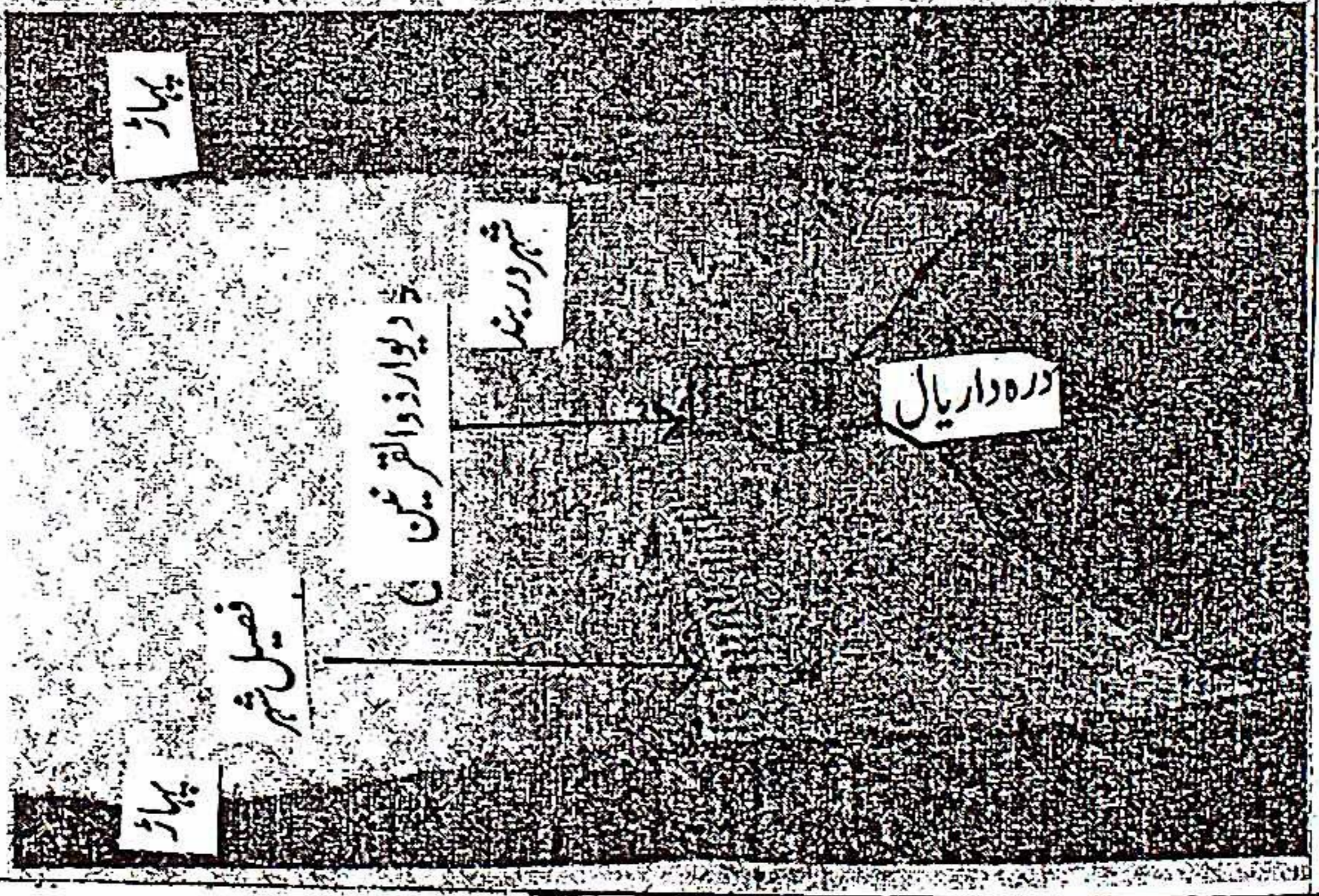


A "two horned" Elamite figure wrestling with serpents.

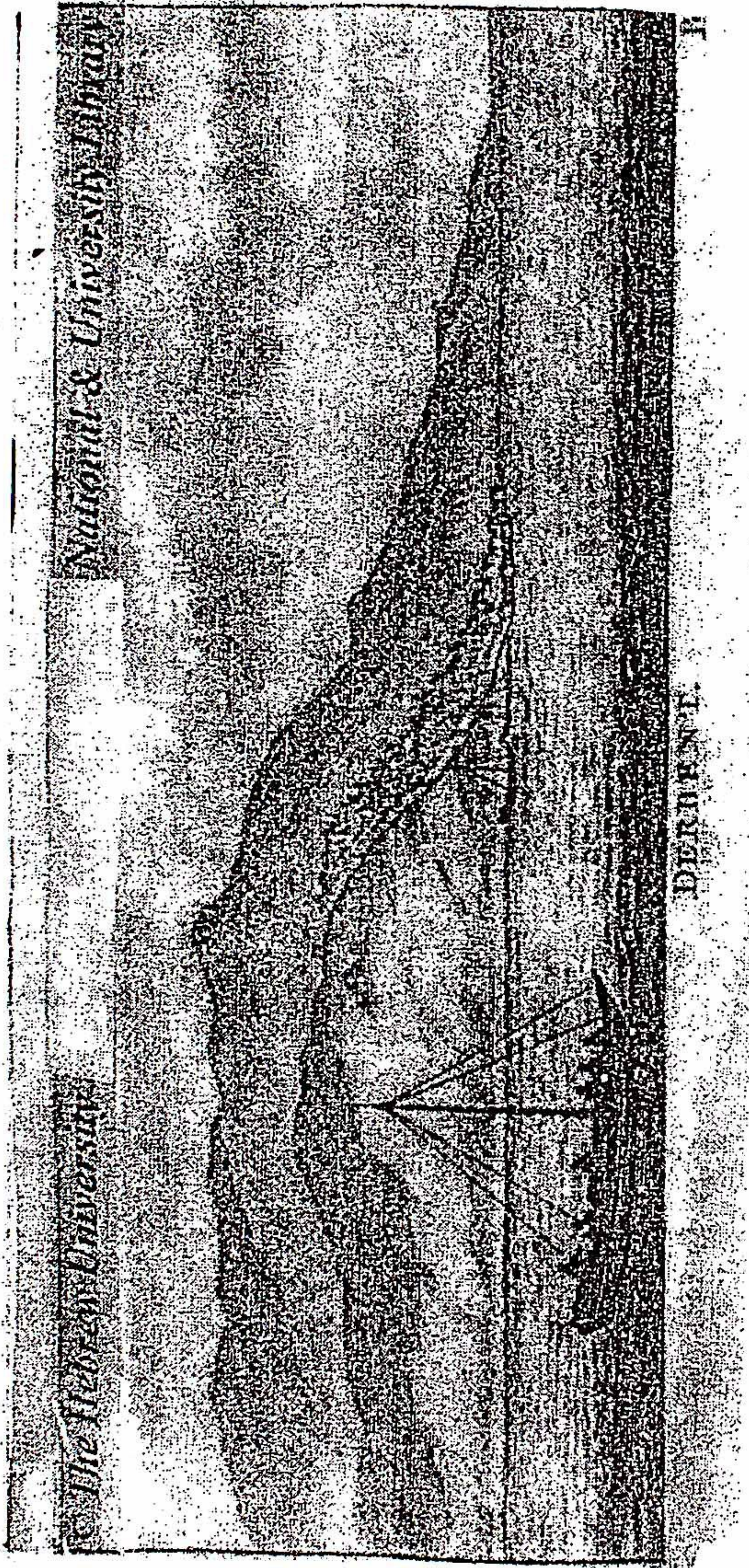
جسمہ ذوالقرنین



Dhul-Qarnayn is thought to refer to Cyrus by many Qur'anic commentators.









27.12.2008

Hakeem Zillur Rahman  
B-29, Johri Farm, Extn.  
Jamia Nagar, N. D.-110025

Ph.: 65357060  
9891084798

Honable President  
Islamic Jamhooia of IRAN

**Sub: Research in respect of Zul Qurnain in Holy Quran-i-Karim Para  
16-Surah Alkahaf-Ayah 94-on words**

Attention: (1) A Archeological Dept. of Iran  
(2) Historical Dept. of Iran

Through

The officer incharge Iranian cultural house with Respect Sir.

Respect Sir,

Assalam-o-Alaikum va Rahmatulla va Barkatulha.

I am doing research work about Zul Qarnain who is none else but the king  
ciros of Iran about 500 years B.C. as per researches of Molana Abul Kalam Azad  
and Molana Hifzur Rahman of India. Molana Azad's book's Persian Translation  
"Zul Qurnain or Corvash Azam" has been published in Iran.

An article Zul Qurnain had also been published in "Rah-e-Islam, Oct. 90  
S. No. 79, Oct. 90 S. No. 80, Jan. 91 S.No. 82 published by Iranian Cultural  
Centre Delhi.

Many Mufassareen have written different details in this respect which are  
still controversial I require some authentic literature and a photo of this wall.  
Which exist Daryal Dagistan al done Daryal (longitude No. 48-15 and latitude  
43-3.)

I shall be highly obliged of you will be kind enough to direct your  
archeological & historical dept. to provide me some literature and a photo of this  
wall.

With regards  
Sincerely yours

Copy to  
Officer Incharge  
Iranian Cultural House  
18 Tilak Marge, New Delhi-110002

Hakeem Zillur Rahman



27.12.2008

Hakeem Zillur Rahman  
B-29, Johri Farm, Extn.  
Jamia Nagar, N. D.-110025

Ph.: 65357060  
9891084798

Honorable Ambassador of Russia  
New Delhi India

**Sub: Research in respect of Zul Qurnain in Holy Quran-i-Karim Para  
16-Surah Alkahaf-Ayah 94-on words**

Attention: (1) A Archeological Dept. of Russia  
(2) Historical Dept. of Russia

Respect Sir,

I am doing research work about Zul Qarnain who is none else but the king  
ciros of Iran about 500 years B.C. (as per researches of Molana Abul Kalam Azad  
and Molana Hifzur Rahman of India).

Many writers have written different details in this respect which are still  
controversial I require some authentic literature and a photo of this wall. Which  
exist Daryal pass of Dagistan of your state (longitude No. 48-15 and latitude  
43-3) map enclosed.

I shall be highly obliged of you will be kind enough to direct your  
archeological & historical dept. to provide me some literature and a photo of this  
wall. Or refer this letter to your capital at Mascus.

With regards  
Sincerely yours

Hakeem Zillur Rahman



Derbent has archaeological structures over 5000 years old. As a result of this geographic particularity the city developed between two walls, stretching from the mountains till the sea. Along the times different nations gave the city different names, but all connected to the word 'gate'. (باب)



The first intensive settlement in the Derbent area dates from the 8th century B.C. Until the 4th century A.D. century it was part of Caucasian Albania, when it became part of the Sassanid empire as a strong military outpost and harbour. During the 5th and 6th centuries Derbent becomes also an important centre for spreading the Christian faith in the Caucasus.

During the 630s it was invaded by the Khazar khanate. In 654 Derbent was captured by the Arabs, which transformed it in an important administrative centre and introduced Islam to the area. In the 10th century, with the collapse of the Arab Caliphate Derbent becomes an emirate, until

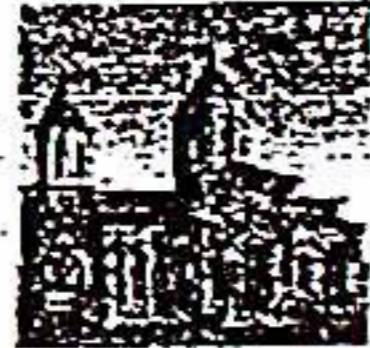


it's invaded by the Mongols in 1239.

In the 14th century it was occupied by the hordes of the Tatar warlord Timur. In 1437 it falls under the control of the Shirvan Khan. During the 16th century Derbent is the arena for wars between Turkey and Persia ruled by the Azeri Sefevid dynasty. By the early 17th century the Sefevid Shah Abbas inflicted a serious defeat on the Turks and recovered Derbent.

By the 1735 Ganja treaty Derbent falls within the Persian state. In 1747 Derbent became the capital of the khanate of the same name. Finally in 1796 it was occupied by Russian forces involved in the 2nd Persian campaign. As a consequence of the Gulistan treaty of 1813 - between Russian and Persia - Derbent became part of the Russian empire.

A large portion of the walls and several watchtowers have been preserved in reasonable shape till our days. The walls, reaching until the sea, date from the 6th century, Sassanid dynasty period. The city has a well preserved citadel (Narin-kala), comprising an area of 4.5 hectares, enclosed by strong walls. It's worth





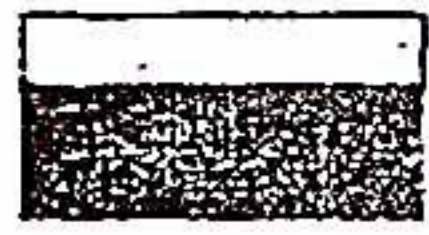
## Derbent (Dagestan)

### DAGESTAN (DAGHESTAN)

Largest caucasian republic in the Russian Federation, with an area of 50.300 sq. km and a population of 2.1 million. The republic has borders with Azerbaijan, Georgia but also with the Russian republics of Chechnya and Russia.

With a long and troubled history Dagestan became an autonomous republic in 1920 and today is one of the world's most complex ethnic patchworks: it has 32 different ethnic groups, the main being: Avars, Russians, Darghins, Kумыks, Lezgins, Laks, Azeris, Tabassarans, Chechens, Nogais, Rutuls, Aguls, Tsakhurs and Tats.

With a Caspian coast line of about 400 kms, Dagestan is divided into 42 districts, 10 cities and 14 urban settlements. The capital is Makhachkala, ex-Petrovsk-Port. It borders Azerbaijan and Georgia and inside the Russian Federation Chechnya,



The Russian republic of Dagestan is home to a sizeable Azeri community, numbering about 80.000 people. They are mainly in the Derbent district ('rayon'), about 125 kms southeast of Dagestan's capital Makhachkala with a lot also living in the Tabasaransk district.

Derbent is the southernmost city in the Russian Federation, and it is the second most important city of Dagestan, with a population of over 90.000, the Azeris are the main ethnic group, followed by Lezgin and Tabasaran. (To avoid confusion, please note that there is another town called Derbent, located in the southern part of Uzbekistan, Surkhondaryo province).

The city is built near the western shores of the Caspian sea, south of the river Rubas, on the slopes of the Tabasaran mountains (part of the Bigger Caucasus range). Derbent is well served by transportation, with its own harbour, a railway going south to Baku and the Baku to Rostov-on-Don road



Derbent has a unique strategical location in the Caucasus: the city is situated on a thin strip of land (3km) between the Caspian sea and the Caucasus mountains, controlling land traffic between south-eastern Europe and the Middle-east.

Derbent claims to be the oldest city in the Russian Federation. Since antiquity the value of the area as the gate to the Caucasus has been understood and





## Geography

\* Name as inscribed on World Heritage List.

\*\* Region as classified by UNESCO.

The modern city is built near the western shores of the Caspian Sea, south of the Rubas River, on the slopes of the Tabasaran mountains (part of the Bigger Caucasus range). Derbent is well served by transportation, with its own harbour, a railway going south to Baku, and the Baku to Rostov-on-Don road.

To the north of the town is the monument of the Kirk-lar, or forty heroes, who fell defending Dagestan against the Arabs in 728. To the south lies the seaward extremity of the Caucasian wall (fifty metres long), otherwise known as Alexander's Wall, blocking the narrow pass of the Iron Gate or Caspian Gates (*Portae Athanae* or *Portae Caspiae*). This, when entire, had a height of 29 ft (9 m) and a thickness of about 10 ft (3 m), and with its iron gates and numerous watch-towers formed a valuable defence of the Persian frontier.

## History

Derbent has an important strategic location in the Caucasus: the city is situated on a narrow, 3-kilometre strip of land between the Caspian Sea and the Caucasus mountains. Historically, this position allowed the rulers of Derbent to control land traffic between the Eurasian Steppe and the Middle East. The only other practicable crossing of the Caucasus ridge was over the Darial Gorge. درودارياں



View of the city from Naryn-Kala, 1910s

The first intensive settlement in the Derbent area dates from the 8th century BCE; the site was intermittently controlled by the Persian monarchs, starting from the 6th century BCE.

Until the 4th century CE it was part of Caucasian Albania, and is traditionally identified with Albana, the capital. The modern name is a Persian word (در بند *Darband*) meaning "closed gates", which came into use in the end of the 5th or the beginning of the 6th century AD, when the city was refounded by Kavadh I of the Sassanid dynasty of Persia.

The twenty-metre-high walls with thirty north-looking towers are believed to belong to the time of Kavadh's son, Khosrau I of Persia. The Armenian chronicler Movses Kagankatvatsi wrote about "the wondrous walls, for whose construction the Persian kings exhausted our country, recruiting architects and collecting building materials with a view of constructing a great edifice stretching between the Caucasus Mountains and the Great Eastern Sea". Derbent became a strong military outpost and harbour of the Sassanid empire. During the 5th and 6th centuries Derbent becomes also an important centre for spreading the Christian faith in the Caucasus.

Movses Kagankatvatsi left a graphic description of the sack of Derbent by the hordes of Tong Yabghu of the Western Turkic Khaganate in 627. His successor, Buri-sad, proved unable to consolidate Tong Yabghu's conquests, and the city was retaken by the Persians. In 654 Derbent was captured by the Arabs, who transformed it in an important administrative centre and introduced Islam to the area. Because of its strategic position on the northern branch of the Silk Route, the fortress was contested by the Khazars in the course of the Khazar-Arab Wars.



visiting the baths, the cisterns, the old cemeteries, the caravanserai, the 18th century Khan's mausoleum, the Armenian Church as well as several mosques: the most interesting built from a 6th century Christian basilica is the Juma Mosque (with a 15th century madrassa); the 17th century Kyrhlyar mosque, the Bala mosque and the 18th century Chertebe mosque.

The city is home to machine building, food (even a brewery and wineries!), textile, fishing and fishery supplies, construction materials and wood industries.

The education infrastructure is quite good, there is a university as well as several technical schools. On the cultural front, don't miss the Lezgin drama theatre (known as the S.Stalsky theatre). There a nice vacation colony about 2km from the city ('Chayka' - Seagull).

Derbent being in practice a huge museum and with magnificent mountains and shore nearby, a great potential for development of the tourism industry exists, further increased by UNESCO's classification of the Citadel, Ancient City and Fortress as 'world heritage' in 2003, however instability in the region hasn't allowed further development (Russian visa procedures are also not very helpful).

If you plan to travel to Derbent probably you will require a Russian visa. There are trains to Baku and a consulate of Azerbaijan is



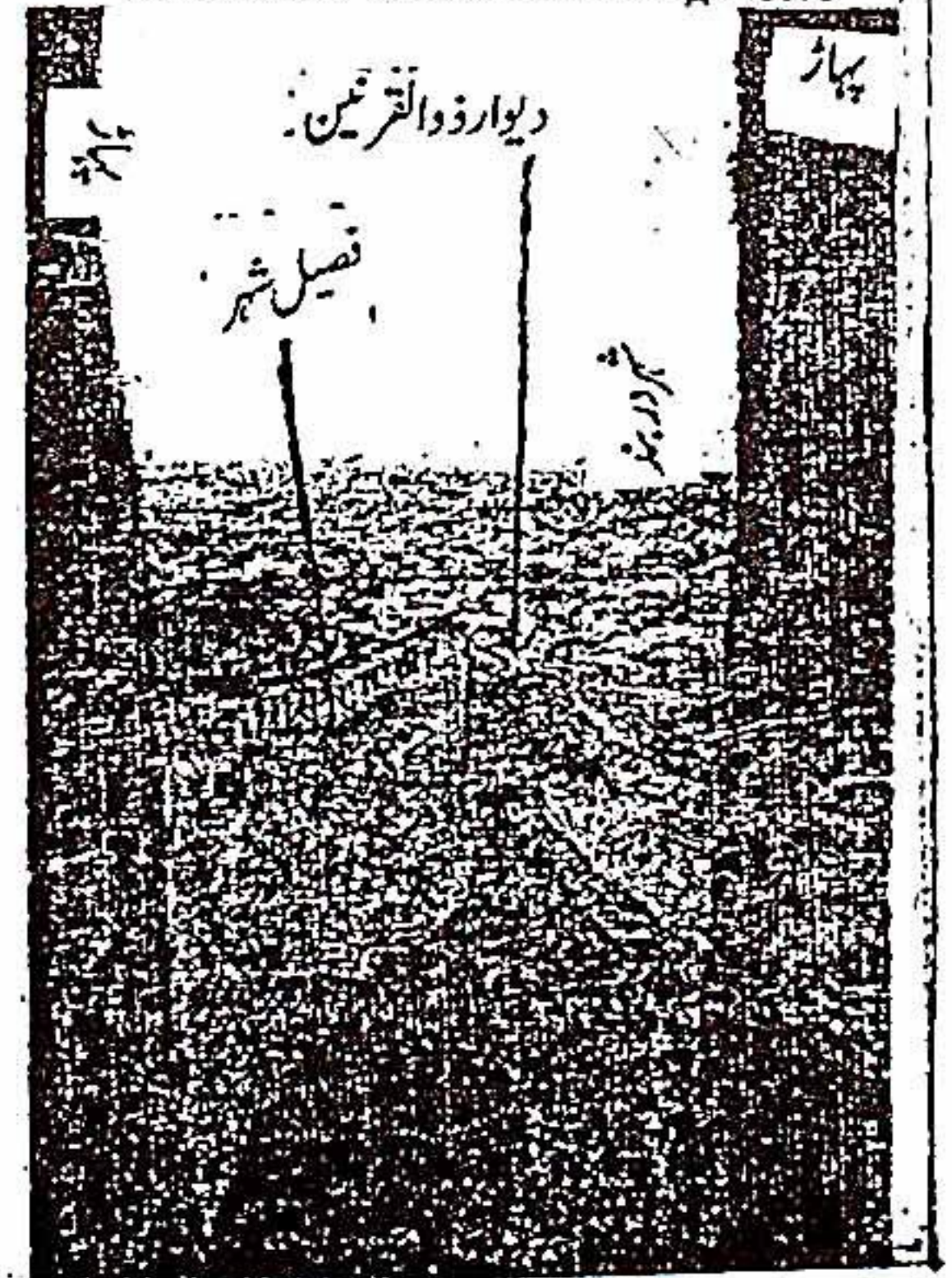
## Derbent

from Wikipedia, the free encyclopedia

**Derbent** (Russian: *Дербент*; Azeri: *Dərbənd*; Lezgian: *Дербент*; Avar: *Дербенд*; Persian: *دربند*; Judæo-Tat: *דערבנט*) is a city in the Republic of Dagestan, Russia. It is the southernmost city in Russia, and it is the second most important city of Dagestan. Population: 101,031 (2002 Census); 78,371 (1989 Census). The Azeris are the main ethnic group (42%), followed by Lezgins (25%) and Tabasarans (20%).

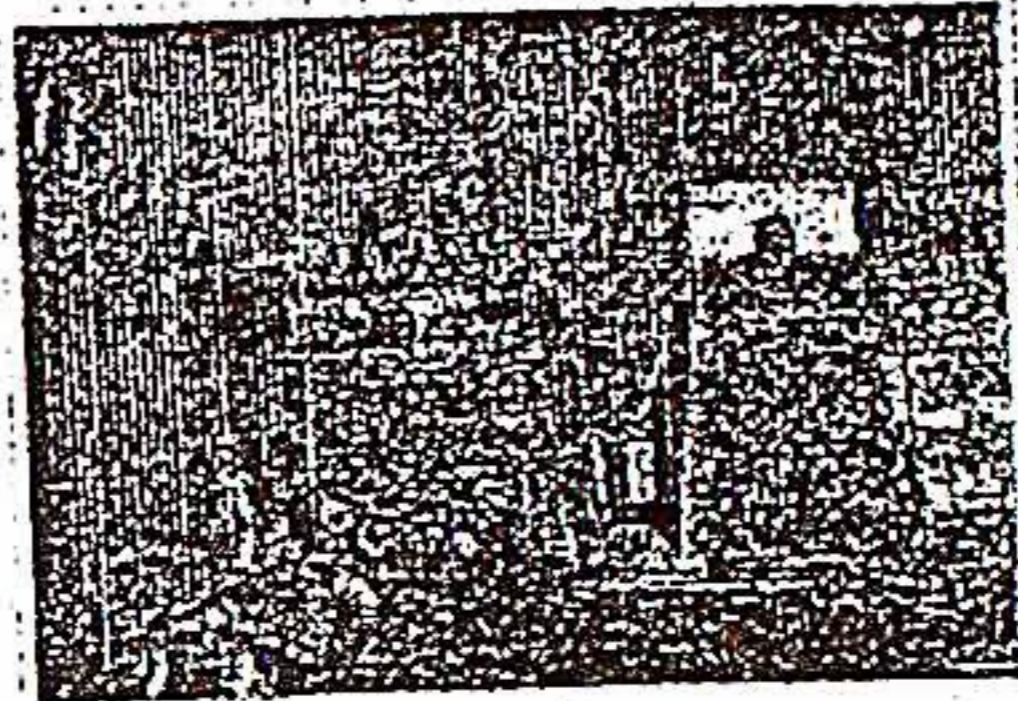
Often identified with the legendary Gates of Alexander, Derbent claims to be the oldest city in the Russian Federation. Since antiquity the value of the area as the gate to the Caucasus has been understood and Derbent has archaeological structures over 5,000 years old. As a result of this geographic particularity the city developed between two walls, stretching from the mountains to the sea. These fortifications were continuously employed for a millennium and a half, longer than any other extant fortress in the world. Over the years different nations gave the city different names, but all connected to the word 'gate'. (باب دور)

## Citadel, Ancient City and Fortress Buildings of Derbent UNESCO World Heritage Site





A large portion of the walls and several watchtowers have been preserved in reasonable shape till our days. The walls, reaching to the sea, date from the 6th century, Sassanid dynasty period. The city has a well preserved citadel (Narin-kala), comprising an area of 45,000 m<sup>2</sup>, enclosed by strong walls. Historical attractions include the baths, the cisterns, the old cemeteries, the caravanserai, the 18th century Khan's mausoleum, as well as several mosques. The oldest mosque is the Juma Mosque, built over a 6th century Christian basilica; it has a 15th century madrassa. Other shrines include the 17th century Kyrhlyar mosque, the Bala mosque and the 18th century Cheriebe mosque.



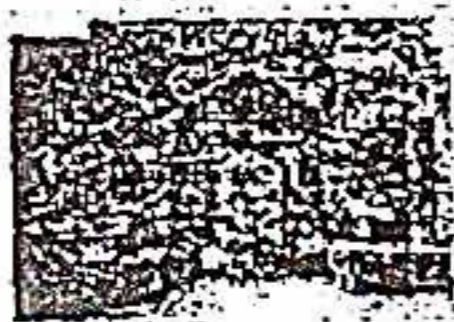
The Caspian Gates.

### Economy and culture

The city is home to machine building, food, textile, fishing and fishery supplies, construction materials and wood industries. It is the production centre of Russian brandy. The education infrastructure is quite good; there is a university as well as several technical schools. On the cultural front, there is a Lezgin drama theatre (S. Stalsky theatre). About two kilometres from the city is the vacation colony of *Chayka* (Seagull).

Derbent being in practice a huge museum and with magnificent mountains and shore nearby, a great potential for development of the tourism industry exists, further increased by UNESCO's classification of the Citadel, Ancient City and Fortress as a World Heritage Site in 2003; however, instability in the region has not allowed further development.

A gate in the old city of Derbent.



A gate of the citadel.



View on the Caspian Sea.



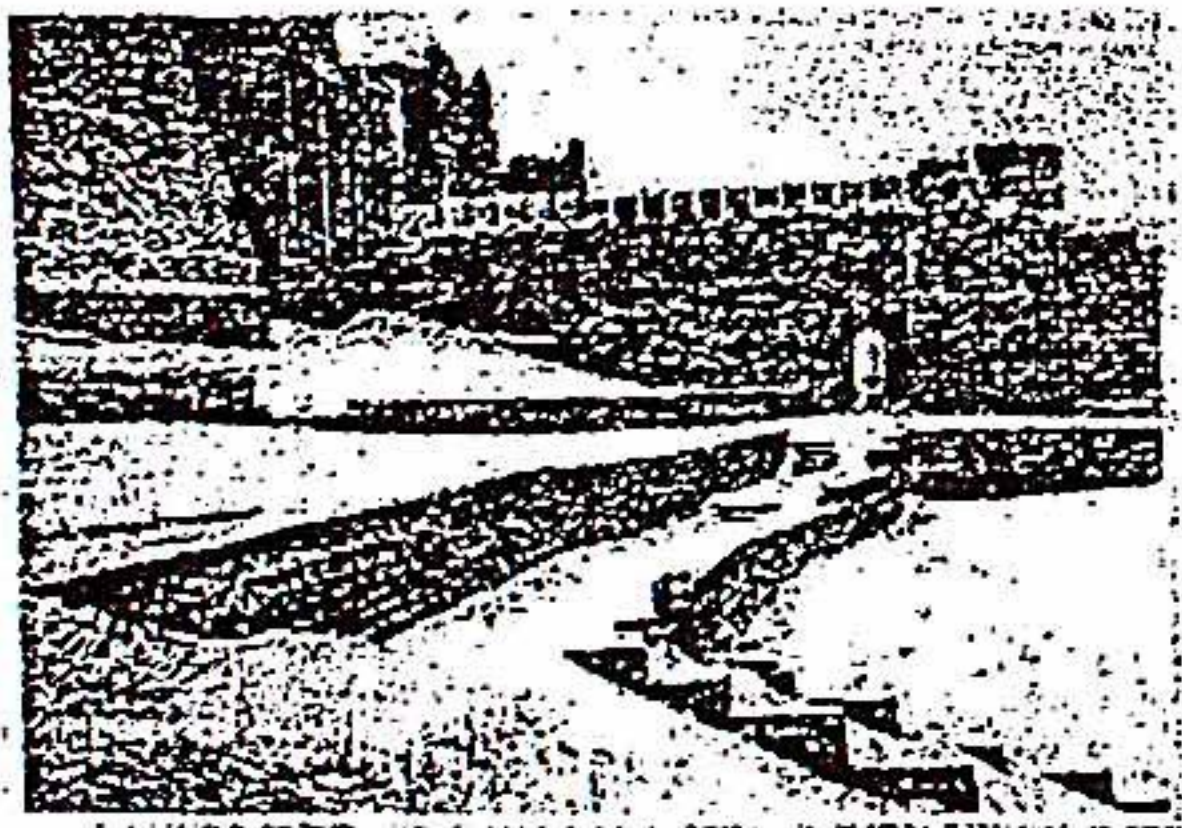
### References

1. ^ Its etymology derives from the Persian *Darband* ("closed gate"); it was known to the Arabs as *Bāb al Abwab* ("Gate of Gates") and to the Turks as *Demirkapı* ("Iron Gate").
- This article incorporates text from the *Encyclopædia Britannica Eleventh Edition*, a publication now in the public domain.
  - Some text used with permission from [www.travel-images.com](http://www.travel-images.com). The original text can be found here.



The recent excavations on the eastern side of the Caspian Sea opposite to Derbent, have revealed the eastern counterpart to the wall and fortifications of the city in the Great Wall of Gorgan. Similar Sasanian defensive fortifications—massive forts, garrison towns, long walls—are seen on the eastern shores of the Caspian extending literally into the sea as they are witness emerging from the rising waters of the Caspian in the west at Derbent.

The Caliph Harun al-Rashid spent time living in Derbent, and brought it into great repute as a seat of the arts and commerce. According to Arab historians, Derbent, with population exceeding 50,000, was the largest city of the 9th-century Caucasus. In the 10th century, with the collapse of the Arab Caliphate,



Sassanian fortress in Derbent.

Derbent became the capital of an emirate. This emirate often fought losing wars with the neighboring Christian state of Sarir, allowing Sarir to occasionally manipulate Derbent politics. Despite that, the emirate outlived its rival and continued to flourish at the time of the Mongol invasion in 1239.

In the 14th century Derbent was occupied by Tamerlane's armies. In 1437 it fell under the control of the Shirvanshahs of Azerbaijan. During the 16th century Derbent was the arena for wars between Turkey and Persia ruled by the Iranian Safavid dynasty. By the early 17th century the Safavid Shah Abbas I inflicted a serious defeat on the Turks and recovered Derbent, which had

been a part of Safavid Empire for centuries previous.

By the 1735 Ganja treaty Derbent fell within the Persian state. In 1722 during the Russo-Persian War, Peter the Great of Russia wrested the town from the Persians, but in 1736 the supremacy of Nadir Shah was again recognized. In 1747 Derbent became the capital of the khanate of the same name. During the Persian Expedition of 1796 it was stormed by Russian forces under Valerian Zubov. As a consequence of the Treaty of Gulistan of 1813—between Russian and Persia—Derbent became part of the Russian Empire.



kingdom of Judea in sixth century B.C and the Jews were taken to Babylon as captives. The temple of Jerusalem was plundered and desecrated. From then onwards the Jews remained in Babylon as captives for seventy years. During this time the Prophet Daniel was appointed in Jews. He was the Prophet who at one time, after receiving revelation from God in a dream, announced the coming of a savior of Jews—the one who would release them from the captivity of the Babylonians. In that dream the Prophet Daniel saw this savior as a ram with two horns (Zulqarnain—one with two horns) (Daniel 8:1-4). The two horns metaphorically showed the two kingdoms of Media and Persia united and ram depicting the savior himself showed him to be the conqueror and king of this united kingdom. This king was Cyrus. He was the one who afterwards conquered the Babylonian kingdom and released the Jews from captivity and allowed them to go back to their homeland and build the temple. It was because of these reasons that Jews held him in very high esteem and considered him as their savior as predicted by the Prophet Daniel. Apart from Prophet Daniel, Prophet Isaiah and Jeremiah also foretold the destruction of Jerusalem, captivity of Jews and then release with the coming of Cyrus as the savior (Isaiah 44:26-28, 45:1-3) (Jeremiah 50:1-3, 29:11). With this explanation it becomes clear that Jews had great regard for the Persian king Cyrus. This answers our second question that out of the three main groups who were the direct addressees of Qur'an—Quraish, Jews, Christians—Jews had a personality in their history who fits the description of Zulqarnain and they had great regard for him. This personality (Cyrus) happens to be the same, which we have alluded to, in the first question. This discussion makes it clear that Cyrus comes very close to the Zulqarnain of Qur'an.

Another interesting thing in this regard is that the commentators of the Qur'an have also generally believed that the Jews instigated the question. The above discussion verifies this notion also and it seems quite possible that actually the Jews instigated the question and the Quraish asked it on their behalf.

However, it would be pertinent to mention in brief the three expeditions and the wall built by Zulqarnain (Cyrus). Cyrus's western expedition was the one, in which he conquered Lydia and the Lonian city-states on the western coast of Asia Minor. It is in all probability this expedition which the Qur'an mentions as the one in which he reached a place where he saw the sun sinking in water, metaphorically explaining the western direction of his conquest and his experience while standing at the shore of Mediterranean in western Asia Minor (modern Turkey). He must have had the same vision in front of him at that time. Next, Cyrus turned his attention towards the barbaric nomadic tribes of the eastern part of the Iranian plateau. It is probably this expedition which the Qur'an mentions as the one in which he conquered a people who had no cover for the rising sun, metaphorically explaining their nomadic life style and the eastern direction of the conquest. Lastly, the Qur'an talks about his third expedition. This is probably when Cyrus went to the northeastern part of his empire (Caucasus mountain range between the Black Sea and the Caspian sea) and built barriers to protect his people against the incursion of nomadic tribes who lived on the other side of the Caucasus range, and referred to as Gog and Magog in the Qur'an. As for the iron wall itself, it remains probably can still be found in the area of the Caucasus region called Daniel Pass.

With this discussion in view we can conclude that in our opinion there is a greater likelihood that Cyrus the Persian king was the person mentioned as Zulqarnain in the Qur'an. However, it should always be kept in mind that Qur'an has not specifically mentioned any name, so we should also avoid saying that our opinion is final and the personality we found out to be Zulqarnain is exactly the one which Qur'an calls Zulqarnain. We should always talk about it in terms of our own understanding and knowledge, as the door for further research is always open.



### : Who Was Zulqarnain?

Can you tell me who is Zulqarnain cited in the Koran (Surah Al Kahaf 18). Have you an answer about the Iron gate or the iron dam that stopped Gog and Magog and [is] still in work until the end of time. Where is-it?

#### Reply

The Qur'an relates the story of Zulqarnain (one with two horns) in Surah Kahaf. In fact the Qur'an relates three incidents in this Surah, and the story of Zulqarnain is one of them. These were apparently revealed in response to three questions asked by the Quraish. But actually the Qur'an responded to serve its own purpose of admonition. As to who was Zulqarnain, the Qur'an does not specifically mention any name or personality in history to be Zulqarnain. However certain hints are given which can be helpful in arriving at a decision as to who actually was Zulqarnain.

The first question in this regard is that which is the personality in history who fits the beliefs and characteristics of Zulqarnain and his different expeditions as mentioned in the Qur'an. Secondly, what was the importance of Zulqarnain for Quraish who asked about him? And if not for the Quraish then for any other group which was the direct addressee of Qur'an -- Jews and Christians. In fact these two questions are interrelated and cannot be viewed in isolation, that is, if a personality from history fits the characteristics of Zulqarnain then we will also have to find out about his importance for any of the three groups mentioned above, for without any historic importance it seems illogical that any of the three groups instigated the question. Specially when the Qur'an responded with the words 'they ask thee concerning Zulqarnain'. Only a personality with these specifications have a greater chance to be Zulqarnain.

There are apparently two personalities in history before Islam who were great conquerors and ruled over vast empires as mentioned by Qur'an. These were Alexander the Greek conqueror and Cyrus the Persian conqueror. As far as Alexander is concerned the extent of his expeditions was towards the east and south, whereas Qur'an mentions Zulqarnain's expeditions towards west, east and a third direction. Secondly when Qur'an talks about Zulqarnain, it shows him as a person believing in one God and the hereafter. He is also depicted as a kindhearted and just ruler. Now it is known about Alexander that he was a polytheist and no incidents of his kindness and justice are explicitly recorded in history. But as far as Cyrus is concerned we find out that the extent of his expeditions was towards west, east and north that is, after becoming the king of Persia, Cyrus went on different expeditions, ultimately conquering almost eighty percent of the civilized world at that time. He became the king of this vast empire stretching from Lydia (west) to India (east) and Bactria (north) to Babylon (south). Secondly history has explicitly recorded incidents of Cyrus's extreme kindness and justice towards his subjects. In fact, these traits of his personality were so conspicuous that friend and foe equally acknowledged this fact. As regards Cyrus's religion, he was a believer in Zoroastrianism, a new religion at that time, which existed with all its purity and spirit. The prophet Zoroaster who was probably contemporary to Cyrus preached belief in one God, the hereafter and all other basic good deeds that form a part of Divine religions. This answers our first question, showing that Cyrus comes very close to the narrative of the Qur'an. Now the second question will be answered in the light of the first.

As far as Alexander is concerned, there is no mention of him in the history of either the Quraish or the Jews and Christians in any manner which makes him significant for either of these groups. But as far as Cyrus is concerned we find out that though he had no significance for Quraish and Christians but Jews had a very special importance for him in their history. What was this importance of Cyrus for Jews? Anyone who is familiar with the Jewish history knows that the Babylonian king Nebuchadnezzar conquered the



## Cyrus the Great in the Qur'an

From Wikipedia, the free encyclopedia  
(Redirected from Cyrus the Great in the Quran)

Dhul-Qarnayn (Arabic for "the two-horned") is mentioned in the Qur'an. The story of Dhul-Qarnayn appears in sixteen verses of the Qur'an, specifically the 16 verses 18:83-98 (Al Kahf). There is extensive ongoing debate on who exactly was the historical character of Dhul-Qarnayn. Traditionally, many believe that Dhul-Qarnayn is modelled on Alexander The Great, through the intermediary of the *Alexander Romance*. However, in recent years, alternative theories have been proposed supporting other explanations. The most prominent of these is the theory that Dhul-Qarnayn was none other than Cyrus the Great of Achaemenid Persia. This theory has been endorsed by such scholars as Maududi, the Indian minister Maulana Abul Kalam Azad [1], Allameh Tabatabaei, [2] and Naser Makarem Shirazi [3], among others. Cyrus was also a follower of Zoroastrianism, [4] which has some similarities to Islam and Judaism.

(2) Dhul-Qarnayn must have been a great ruler and a great conqueror whose conquests might have spread from the East to the West and on the third side to the North or to the South. Before the revelation of the Qur'an there had been several historical figures, who are known to have been conquerors of such calibre. So one must confine one's search for Dhul-Qarnayn to one such person. Cyrus The Great is the candidate that fits this description quite fittingly.

(3) This title should be applicable to such a ruler who might have constructed a strong wall across a mountain pass to protect his kingdom from the incursions of the *Gog and Magog*. In order to investigate this, one must determine as to who were the Gog and Magog. One must also consider when such a wall was historically built, if at all, and by whom and to which territory it was adjacent to.

(4) Besides possessing the aforementioned characteristics, he should also be a God-worshipper and a just ruler, since the Qur'an has brought into prominence these characteristics more than anything else in the quoted passages.

As mentioned above, the first of these characteristics is easily applicable to Cyrus, for according to the Bible Prophet Daniel saw in his vision that the united kingdom of Media and Persia was like a two-horned ram before the rise of the Greeks. (Dan. 8: 3, 20). The Jews had a very high opinion of "The

Two-horned" one, because it was his invasion which brought about the downfall of the kingdom of Babylon and the liberation of the Israelites (also refer to E.N. 8 of Chapter XVII).



### View Full Version : Ya'juj Ma'juj and Zulqarnain

Ya'juj Ma'juj and Zulqarnain **firdaws & JAWAK FALAK**

Many thousands of years ago the barbarous tribes of Ya'juj and Ma'juj were imprisoned behind an iron wall built by Zulqarnain. Referred to in the Qur'an in Surah Al-Kahf. Zulqarnain was a Muslim Arab (fathul bari) who lived at the time of the Prophet Ibraheem <http://www.inter-islam.org/images/alayhisalam.gif> and not Alexander the Great as it is commonly known. From amongst one of the four that ruled the entire world (the other three being Prophet Sulayman <http://www.inter-islam.org/images/alayhisalam.gif>, Nimrod & Buktnasr) he was a pious and just king, provide with all forms of strength through which he was able to carry his conquests and missions.

Once he carried a mission in three directions, the far west, far east, and then in a northerly direction. Travelling first in the westerly direction, he conquered the lands he passed through establishing the laws of Allah therein until he reached the setting of the sun. There he met people that didn't believe in Allah. Given a choice of punishing them for their kufr or being lenient by inviting them first to Islam; he chose the latter and addressed them, "Those evil-doers who do injustice to themselves by rejecting Allah will be punished by death in this world and the hereafter, the fire of hell is their abode. As for those who accept the invitation and believe in Allah they will be treated leniently and in the hereafter Jannah is their place of rest."

After the journey towards the west he made preparation for the journey towards the east. Conquering the lands he passed through, establishing the laws of Allah therein. He continued travelling in the easterly direction until he reached the rising of the sun. In this area of the east he saw a nation receiving the sunshine without any obstruction and they were dealt with like the previous people in the west.

After the journey to the east he started his northern journey, he kept on travelling until he reached the midst of two mountains, it was here he came across a tribe who complained to him about the tribes of Ya'juj and Ma'juj. Ya'juj and Ma'juj inhabited the land behind the mountains, plundered them, committed bloodshed, and then ran away. Observing Zulqarnain's power they asked to set a barrier in return for a wage for their protection from the disaster and bloodshed, which they often bore at the hands of Ya'juj Ma'juj. Refusing to accept any wealth he built an iron wall with their help which Ya'juj Ma'juj could not cross or pierce. (Qurtubi/Ibne-Kathir)

#### The wall of Zulqarnain

Many different opinions have been expressed as to the location of the iron wall of Zulqarnain. Having read many books, the best on the subject I came across was Sheikh Hafzur-Rahman's "Stories of the Qur'an" and thus have chosen to share a brief summary of what he has written.

He writes "The Yajuj Ma'juj caused destruction and blood-shed in a vast area, and because of their oppression many barriers and walls were erected in different times and places by different kings. Four being the most famous:

- 1) The Great Wall of China which was built by the Chinese King Fagfor 3460 years after Prophet Adam <http://www.inter-islam.org/images/alayhisalam.gif> was put on the Earth.
- 2) The wall in central Asia near Bukhara and Timnidh in a place called Derbent.
- 3) The wall in Dagistan Russia also known as Derbent near the Caspian Sea.
- 4) The wall which is in the westerly direction to the third in the region of the Caucasus.

Because these walls were built for one purpose and are all situated in the North, it has always been very difficult to determine exactly the wall built by Zulqarnain."

He further writes, "The biggest out of the four is the great wall of China and nobody is of the opinion that this is the wall built by Zulqarnain as it is in the easterly direction while the Qur'an indicates the wall of Zulqarnain is in the Northerly direction."

Thus leaving walls 2, 3, and 4.

He writes, "Historians like Masoodi, Istakhari and Hamawi are of the opinion that the wall of Zulqarnain is wall number 3 or 4. Those that have said it is wall number two have confused the issue due to the location of Derbent which is near Bukhara and also in Dagistan."

He finally writes, "Out of two, the historians are of the opinion that it is wall 3 or 4, the master of hadith Allama Anwar Shah Kashmiri in his book Aqeeda-ul-Islam holds the opinion that the wall of Zulqarnain is wall number 4, the one in the region of Caucasus." (Stories of the Qur'an) After this short summary I find myself inclined to Allama Aloosi's opinion I conclude with his words, "We do not know the location of this wall and it is very probable that great seas and mountains stand between us and the wall, and between Ya'juj Ma'juj and the rest of the world."



He said: "As a ruler it is my duty to protect you from the ravages of your enemies: therefore it is not lawful for me to levy any extra taxes on you for this purpose. The treasury that Allah has placed in my custody, suffices for this purpose. You shall, however, have to help me with your manual labour."

#### The Wall

He said: "Though I have built a very strong iron-wall, as far as it was possible for me, it is not everlasting, for it will last only as long as Allah wills, and will fall down to pieces when the time of my Lord's promise shall come. Then no power in the world shall be able to keep it safe and secure."

Some people have entertained the misunderstanding that the wall attributed here to Dhul-Qarnain refers to the famous Great Wall of China, whereas this wall was built between Derbent and Dar'yal, two cities of Daghestan in the Caucasus, the land that lies between the Black Sea and the Caspian. There are high mountains between the Black Sea and Dar'yal having deep gorges which cannot allow large armies to pass through them. Between Derbent and Dar'yal, however, there are no such mountains and the passes also are wide and passable. In ancient times savage hordes from the north invaded and ravaged southern lands through these passes and the Persian rulers who were fearful of them had to build a strong wall, 50 miles long, 29 feet high and 10 feet wide, for fortification purposes, ruins of which can still be seen.<sup>[7]</sup> Though it has not yet been established historically who built this wall in the beginning, Muslim historians and geographers assign it to Dhul-Qarnain because its remains correspond with the description of it given in the Qur'an, despite the fact that the wall is in fact Sassanid in origins, and thusly is about 1000 years too late to have been built by Cyrus.

Ibn Jarir Tabari and Ibn Kathir have recorded the event, and Yaqut al-Hamawi has mentioned it in his *Mujam-ul-Buldan* that: *when after the conquest of Azerbaijan, Umar sent Surajah bin 'Amr, in 22 A.H. (643CE) on an expedition to Derbent, the latter appointed 'Abdur Rahman bin Rabi'ah as the chief of his vanguard. When 'Abdur Rehman entered Armenia, the ruler Shehrbaz surrendered without fighting. Then when 'Abdur Rehman wanted to advance towards Derbent, Shehrbaz informed him that he had already gathered full information about the wall built by Dhul-Qarnain, through a man, who could supply all the necessary details and then the man was actually presented before 'Abdur Rehman. (Tabari, Vol. III, pp. 235-239; Al-Bidayah wan-Nihayah, Vol. VII, pp. 122-125, and Mu'jam-ul-Buldan, under Bab-ul-Abwab: Derbent).*

Two hundred years later, the Abbasid Caliph Al-Wathiq despatched a party of 50 men under Saliham-ul-Tarjuman to study the wall of Dhul-Qarnain, whose observations have been recorded in great detail by

Yaqut al-Hamawi in *Mu jam-ul-Buldan* and by Ibn Kathir in *Al-Bidayah*. They write:

*thi' expedition reached Samarrah from where they reached Tbilisi and then through As-Sarir and Al-Lan, they reached Filanshah, from where they entered the Caspian territory. From there they arrived at Derbent and saw the wall. (Al-Bidayah Vol. II, p. 111, Vol. VII, pp. 122-125; Mu jam-ul-Buldan: under Bab-ul-Abwab).* This clearly shows that even up until the tenth century, Muslim scholars regarded this wall of the Caucasus as the wall of Dhul-Qarnain.



The second characteristic is applicable to Cyrus to a great extent but not completely. Though his conquests spread to Syria and Asia Minor in the West and to Bākhṭar (Balkh) in the East, there is no trace of any of his great expeditions to the North or to the South, whereas the Qur'an makes an explicit mention of his third expedition. However some historians do verify the probability of such a voyage. Nevertheless, this third expedition is not completely out of question for history tells us that Cyrus' kingdom extended to Caucasia in the North. As regards Gog and Magog, it has been established that they were the wild tribes of Central Asia who were known by different names: Scythians, Parthians, Tartars, Mongols, and Huns, who had been making incursions on various kingdoms and empires from very ancient times. It is also known that strong bulwarks had been built in southern regions of Caucasia, though it has yet to be determined historically whether these were built by Cyrus.

As regards the last characteristic, Cyrus is the only known conqueror among the ancient rulers, to whom this may be applicable, for even his enemies have been full of praise for him for his justice, and, Ezra, asserts that he was a God-worshipper and a God-fearing king who set free the Israelites because of his God-worship, and ordered that the Temple of Solomon be rebuilt for the worship of God.

Thus in the light of the above, it is easy to conclude that of all the conquerors who had died before the revelation of the Qur'an, Cyrus alone is the one to whom the characteristics of "Dhul-Qarnain" are most applicable. There is no other conqueror to whom the characteristics stated in the Qur'an are as much applicable as to Cyrus.

The historical Cyrus was a Persian ruler whose rise began about 549 BCE. Within a few years he had conquered the kingdoms of Media and Lydia; by 539 BCE he had conquered Babylon. There was no powerful kingdom left to oppose him. His conquests extended eastward to Turkistan; westward to Ionia; northward to Caucasia—covering, in fact, much of the known civilized world.

#### **Journey towards north/Gog & Magog**

The "two mountains" must have been parts of that mountain range which runs between the Caspian Sea and the Black Sea. This must be, for beyond them was the territory of Gog and Magog. "It was difficult to communicate with them: their language was almost foreign to Dhul-Qarnain and his companions, and, as they were quite barbaric, none could understand their language, nor were they acquainted with any foreign language."

As has already been pointed out, Gog and Magog were the wild tribes of North Eastern Asia which, from the very early times had been making inroads on settled kingdoms and empires in Asia and Europe and ravaging them. According to Genesis (Chapter 10), they were the descendants of Japheth, the son of Noah, and the Muslim historians have also accepted this. And according to the book of Ezekiel (Chapters 38, 39), they inhabited the territories of Mesnech (Moscow) and Tubal (Tubalsek). According to the Israelite historian Josephus, they were the Scythians and their territory spread to the north and the east of the Black Sea. According to Jerome, Magog inhabited the territory to the north of Caucasia near the Caspian Sea.



of the empire, the most important of these being that spoken of in v.93, the part of the frontier between the Caspian and the Black Seas, where the Caucasus afforded a natural protection against the attacks of the Scythians. Darius goes first westward to the Black sea (v.85, 86). Then he undertakes an eastward journey-- the land of the rising sun. The description of the people found here, a people who had no shelter from the sun, is a description of the barbarous aboriginal tribes on the shores of the Caspian. The En. Br. says in the article on Media: "The names in the assyrian inscriptions prove that the tribes in the Zagros and the northern parts Media were not Iranians nor Ind-Europeans, but an aboriginal population, like the early inhabitants of Armenia, perhaps connected with the numerous tribes of the Caucasus. We can see how the Iranian element gradually became dominant: princes with Iranian names occasionally occur as the ruler of these tribes. But the galae, Tapuri, Cadusii, Amardi, Utii and other tribes in Northern Media and on the shores of Caspian, were not Iranians."} Maududi says: {Early commenators on the Qur'an were generally inclined to believe that it referred to Alexander. The characteristics attribute to Dhul Qarnayn, however, hardly apply to Alexander. In the light of the latest historical evidence, contemporary commentators on the Qur'an are inclined to believe that Dhul Qarnayn signifies the Persian Emperor, Cyrus. This, in any case, seems more plausible. Nevertheless, the info available to date does not enable one to form a definitive opinion concerning Dhul Qarnayn's identity.

▪ Key points:

1. The title 'The Two-Horned' was at least familiar to the Jews. This is evident from the fact they had instigated the Meccan unbelievers to ask the Prophet about him. One must, therefore, inevitably turn to Jewish literature to find out who this person was or to establish what was the kingdom known as 'The Two-Horned.'
2. (in summary of Maududi) there are only a few people who fit this description
3. The title of Dhul Qarnayn may be used for a ruler who, being concerned with the defence of his kingdom from the assaults of Gog and magog, had a strong protective wall constructed across a mountain pass.
4. He is a God conscious person.

Further indications

- The book *Iranians in the Qur'an and Traditions* by Ali Abtahi<sup>[8]</sup> mentions that a wall with characteristics mentioned in the verses of the Qur'an exists in the Dariel passage in the Caucasus mountains, and that there is even a stream nearby which is called "Saeres"<sup>[9]</sup> by the locals. According to this source, local Armenians called this wall "Behag Gurai" (meaning "The passage of Cyrus").
- In Arabic translations of the Old Testament, the word "Dhul Qarnayn" (Hebrew: Ba'al Haqqarānayim בעל הקרניים) appears once in the Old Testament, in the Book of Daniel 8:20:



Yaqut in his Mu jam-ul-Buldan has further confirmed the same view at a number of places. For instance, under Khazar (Caspian) he writes:

"This territory adjoins the Wall of Dhul-Qarnain just behind Bab-ul-Abwab, which is also called Derbent." In the same connection, he records a report by Ahmad bin Fadhlān, the ambassador of Caliph Al-Muqtadir, who has given a full description of the Caspian land, saying that Caspian is the name of a country whose capital is Itil (near the present Astrakhan) right through which flows River Itil, which joins the Caspian front Russia and Bulghar.

Regarding Bab-ul-Abwab he says that this city is called both Al-Bab and Derbent, which is a highly difficult passage for the people coming from the northern lands towards the south. Once this territory was a part of the kingdom of Nausherwan, and the Persian rulers paid particular attention to strengthening their frontiers on that side.

About Zul-Qaymoon, Muhammad Ali says (p586): (The word qarn means a horn, as also a generation or a century and dhul qarnain literally means the two-horned one, or one belonging to the two generations or two centuries. The reference here seems to be to the two horned ram of Daniel's vision (dan. 8:3), which he interpreted as the Kingdoms of Media and Persia, which were combined into a single kingdom under one ruler, Cyrus, who is erroneously called Darius in the Bible. The reference in Daniel's vision is, however, not to Cyrus but to Darius I Hystaspes (521-485 B.C.), "who allowed the Jews to rebuild their temple, and is referred to in Ezra 4:5,24;5:5;6:1;Hag1:1;2:10;Zech 1;7, and probably in Neh 12:22. His liberality towards the Jews is in complete accord with what we know otherwise of his general policy in religious matter towards the subject nations"

That the "two horned ram" of Daniel's vision is the king of Media and Persia is made plain in Daniel's book, where the interpretation of the dream is given in the following words: "The ram which thou sawest having two horns are the Kings of Media and Persia" (Dan8:20). The reference in the Qur'an in the history of Dhulqarnain is to Darius I: "Darius was the organizer of the Persian Empire. His conquests served to round off the boundaries of his realm in Armenia, the Caucasus and India, and along the Turanian steppes and the highland of Central Asia" (Jewish En., Darius I). The following remarks in the En. Br. strengthen this view: "Darius in his inscriptions appears as a fervent believer in the true religion of Zoroaster. But he was also a great statesman and organizer. The time of conquest had come to an end; the wars which Darius undertook, like those of Augustus, only served the purpose of gaining strong natural frontiers for the empire and keeping down the barbarous tribes on its border. Thus Darius subjugated the wild nations of Caucasus. For the same reason he fought against the Sace and other Turanian tribes." The references in this quotation to Darius being a fervent believer in the true religion of Zoroaster, to his subduing the barbarous tribes on the border, to his gaining strong natural frontiers for the empire, and to his fighting against the Saca clearly point him out as the Dhul Qarnain of the Qur'an.

The three journeys alluded to seem to have been undertaken with the object of strengthening the frontiers



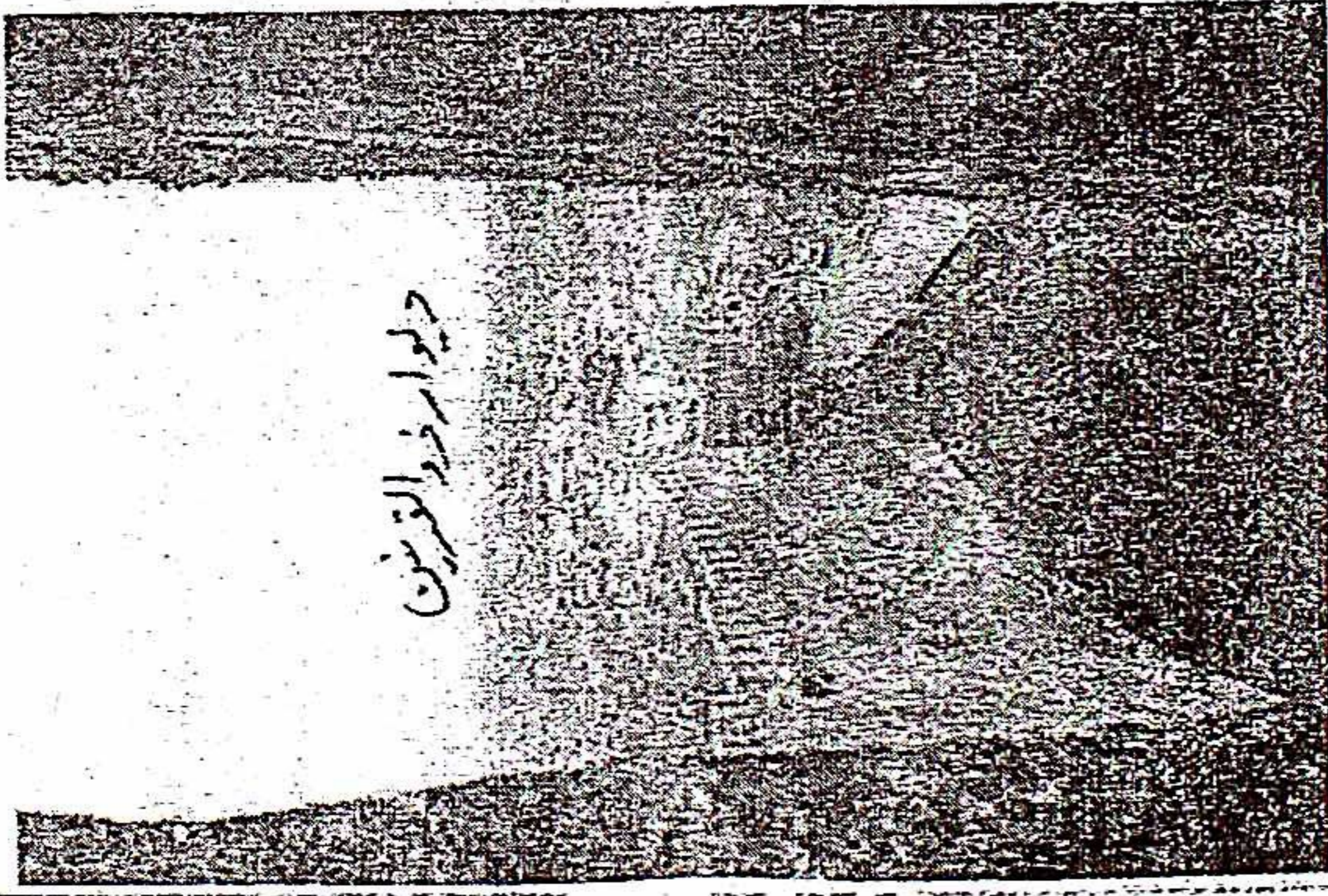
لَمَّا الْبَيْتُ الَّذِي رَأَيْتَهُ الْقَرْنَيْنِ قَبْلَهُ مَلُوكٌ مَلَكِي وَقَارِسُ [10]

66 Translation: The ram that you saw, the one with the horns, represents the kings of Media and Persia [11]

- Dhul-Qarnayn expanded his empire in three directions (east, west and north), which is the same as Cyrus' expansions, where he did not make southern expansions (Achaemenid southern expansions began after Cyrus). It should be noted that Alexander made his expansions towards south and east.

## References

1. ^ Dhul-Qarnayn: Encyclopedia - Dhul-Qarnayn
2. ^ In his Vol 26 of his Opus Magnum, *Tafsir al-Mizan*
3. ^ In his *Bergazideh Tafseer-i Nemunch* (پیرگزیده تفسیر نمونہ) Vol 3, p69
4. ^ The Archaemenian, *BBC News*.
5. ^ See [1]
6. ^ See [2]
7. ^ UC Berkeley's page on archeologist David Stronach: [3]
8. ^ 1383 ایروانیان در قرآن و روایات، محمد نورالدین فیطحی، نشر به نشریه قرآنی، ISBN 964-6760-40-6
9. ^ The exact Latin spelling is unclear for this writing. The word appears from the original Persian (سایروس) for this article.
10. ^ <http://www.arabichible.com/bible/word/27-Daniel.doc>
11. ^ Daniel - Chapter 8 - Daniel





دیوار ذوالقرنین

پہاڑ

پہاڑ

شجر درخت

دیوار ذوالقرنین

۲۹ فٹ بلندی

پہاڑ

تصیل

پہاڑ

درہ وادی

تصیل

یا جوج ماجوج کا علاقہ



ذوالقرنین، پاجوج ماجوج

اور

جائے وقوع، دیوارِ ذوالقرنین

مترجم  
حکیم ظل الرحمن